بسم اللہ

۲۰۲

ترجمۂ

واقعاتِ اظفری

مصنّفۂ

میرزا علی بخت بہادر، محمد ظہیر الدین، اظفری
گورگانی مرحوم شاہزادۂ دہلی

مترجمہ

عبد الستار صاحب (منشی فاضل) ریسرچ اسٹوڈنٹ

بہ تصحیح و ترمیم

محمد حسین، محوی، صدیقی، جونیر اردو لکچرار
اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ مدراس یونیورسٹی

مع اضافۂ حواشی و دیباچہ

قیمت فی جلد

مارچ سنہ ۱۹۳۷ء

فہرست واقعات اظفری

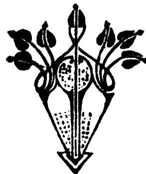
نمبر شمار	عنوان		صفحہ
۳۵	احتشام‌الدولہ اسمعیل بیگ خان بہادر فیروز جنگ کی عرضی جو افتخارالدولہ محمد بیگ خاں ہمدانی کا بھتیجا تھا، یہ عرضی ہم کو ماہ رجب سنہ مذکور میں بمقام جودھپور پہنچی تھی ...	...	۵۰
۳۶	راج راجندر سری مہاراج دھراج سوائے پرتاپ سنگھہ بہادر والی جےپور کی عرضی کی نقل ...	...	۵۱
۳۷	والی جودھپور کے بخشی میٹھا لال کی نقل عرضی	...	۵۲
۳۸	نامدار خاں افغان اور امردت شیطان کا مجھے بہکانا، اور یہاں سے میرا کوچ	...	۵۳
۳۹	سانحہ	...	,,
۴۰	شیخ رحمت‌اللہ کی عرضی کی نقل جو سندھ کے والی شاہ نواز خاں کے بیٹے محمد عارف خاں عباسی کا خان‌ساماں تھا، اور جودھپور میں مہاراجہ کے پاس رہا کرتا تھا، علم و شعور میں یکتائے زمانہ تھا۔ اور اپنے زمانے کے فصیحوں پر گوے سبقت لے گیا تھا۔ یہ عرضی راقم کی نصیحت کے لئے لکھی تھی ...	...	۵۴
۴۱	تنبیہ	...	۵۶
۴۲	فائدہ	...	۵۷
۴۳	وزیرالممالک آصف جاہ نظام الملک بہادر سپہ سالار یعنے عمادالملک غازی الدین خاں المتخلص بہ نظام کی عرضی اور اُن اشعار کی نقل جو ماہ رجب سنہ ۱۲۰۳ھ میں وزیر موصوف کی مہر خاص اور دستخط سے بمقام جودھپور میرے پاس پہنچے تھے ...	...	,,
۴۴	وزیر موصوف کے طبعزاد چند دعائیہ اشعار ...	...	۶۰
۴۵	موصوف کی فارسی غزل ...	...	۶۲
۴۶	اُدےپور کی جانب ہمارا کوچ اور اُس عجیب و غریب گھاٹے کے حالات جو اِس راہ میں پیش آئے ...	...	۶۴
۴۷	ہمارا ادےپور پہنچنا، وہاں کے والی اور راج راجیشر موصوف کے بڑے بیٹے کنور ظالم سنگھ کا ہمارے ساتھہ سلوک ...	...	۶۶
۴۸	نقل	...	,,
۴۹	کنور ظالم سنگھ کی عرضی کی نقل جو ماہ شوال سنہ ۱۲۰۳ھ میں پہنچی تھی	...	۶۷
۵۰	منشی چمن‌لال کی عرضی کی نقل جو ماہ شوال سنہ صدر میں ہمارے حضور میں پہنچی ...	...	۶۸

نمبر شمار	عنوان		صفحہ

نمبر شمار	عنوان	صفحه
۷۰	ایک اور نقل ...	۸۵
۷۱	،، ...	،،
۷۲	ہمارے ساتھہ نواب وزیر کے اخلاق و آداب ...	۸۶
۷۳	نواب وزیر کے لے پالک بیٹے وزیر علی خاں کی شادی کا بیان جو نائب نواب وزیر کے خلیرے بھائی شرف علی خاں کی لڑکی کے ساتھہ ہوی تھی اور نواب وزیر کے آداب کا اجمالی ذکر ...	۸۷
۷۴	سرفرازالدولہ کا کلکتے جانا اور ہماری بڑی لڑکی سعیدةالنساء بیگم عرف بڑی بیگم کے مکتب اور بسم‌اللہ کی رسم کا بیان ...	۸۸
۷۵	سرفرازالدولہ میرزا حسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ نائب نواب وزیرالممالک کی عرضی جو نورچشم کی رسم مکتب کی تہنیت میں آئی تھی ...	۸۹
۷۶	اعظام‌الامراء نصیر الدولہ ناظم الملک مہین پور چین قلیچ خاں بہادر ظفر جنگ فرزند نواب وزیرالممالک عمادالملک غازی‌الدین خاں بہادر کی عرضی کی نقل جو ماہ ذیحجہ سنہ ۱۲۰۷ھ کی بیسویں تاریخ کو لکھنؤ میں ہمارے پاس پہنچی ...	۹۰
۷۷	راجہ نواب انوپ‌گر گسائیں ہمّت بہادر کی عرضی کی نقل جو کالپی کے نواح سے ماہ ذیحجہ سنہ صدر کی بیسویں تاریخ کو ہمارے بخشی راے ٹیکارام بہادر کی معرفت پہنچی ...	،،
۷۸	عرضی کی نقل ...	۹۱
۷۹	شاهزادهٔ مرزا سلیمان شکوہ کی خاص تحریر کی نقل جس پر اُن کی چھوٹی دستی مہر لگی تھی ...	۹۲
۸۰	فائدہ ...	۹۳
۸۱	شاہ جہاں آباد دھلی کے قلعۂ مبارک سے راقم کے بھائیوں کی نجات ...	۹۵
۸۲	ایک حسب حال حکایت ...	۹۶
۸۳	ممالک دکن کی سیر کے ارادے سے لکھنؤ سے میری روانگی اور بنارس پہنچنا ...	۹۹
۸۴	بلدۂ سہسرام کا ذکر ...	،،
۸۵	عظیم آباد پہنچنے کا بیان ...	۱۰۰
۸۶	کریم قلی خاں مخاطب بہ ضیاءالدولہ فرزند خان بہادر تہور جنگ ابن نواب منیرالدولہ مرحوم کی ضیافت کا بیان ہندوؤں کی چرخ پوجا کی سیر اور اس شہر سے جہاز میں سوار ہونا ...	۱۰۱

نمبر شمار	عنوان	صفحه

نمبر شمار	عنوان	صفحہ



دیباچہ

واقعات اظفری، جس کا ترجمہ آپ کے پیش نظر ہے، کے مصنف میرزا محمد ظہیرالدین علی بخت، اظفری، دہلوی، گورگانی ہیں - یہ دہلی کے تیموری مغل تاجدار شاہ عالم بادشاہ کے ہم جد اور اُنہیں کے زمانے میں تھے - حضرت اورنگ زیب عالمگیر خلد مکان رحمۃاللہ علیہ کی پوتی نواب عفت آرا بیگم کے نواسے ہوتے ہیں - چھے واسطوں سے اِن کا نسب حضرت خلد مکان تک پہنچتا ہے - والد کا نام سلطان محمد ولی اور عرف منجھلے صاحب تھا - اور دادا سلطان محمد عیسیٰ، بیگم صاحبہ موصوفہ کے فرزند ہیں - اس طرح سے شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی، بہادر شاہ اول فرزند عالمگیر رحمۃاللہ علیہ کے پوتے تھے اور عفت آرا بیگم صاحبہ اُن کی نواسی -

اظفری کی والدہ حضرت ابوالعلاء خواجہ محمد نقشبندی کی اولاد میں تھیں - اظفری سنہ ۱۱۷۲ھ میں دہلی کے قلعۂ مبارک میں پیدا ہوے - وہیں نشو و نما اور تعلیم و تربیت پائی - وہیں شادی بیاہ ہوا، اور وہیں پہلی اولاد پیدا ہوی - غرضکہ تیس سال کی زندگی قلعۂ مبارک کے اندر قید سلاطینی میں گذری - جس کا تفصیلی ذکر آپ کو اس کتاب میں ملیگا - عربی، فارسی، ترکی زبانوں میں مہارت تامہ پیدا کی - اور اِن دونوں آخری زبانوں میں متعدد تالیفات بھی ہیں - اردو کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ اِن کے گھر کی زبان تھی - آخر عمر میں مدراس آکر انگریزی بھی سیکھہ لی تھی - اِن زبانوں کے علاوہ کئی علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے - مثلاً علم طب، رمل، عروض، قافیہ اور خصوصاً فن شعر و سخن - فارسی، اردو اور ترکی زبان کے نہایت اچھے ادیب و شاعر اور ان تینوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے - لیکن افسوس ہے کہ ان کے فارسی و ترکی دیوان کا آج کہیں پتہ نہیں - اردو کے بھی دو دیوان تھے، مگر قدیم نہیں ملتا - جدید دیوان کا انتخاب اس کتاب کے آخر میں مصنف نے شامل کیا تھا، جو الگ کتابی صورت میں شائع ہونے والا ہے -

واقعات اظفری کا ایک نسخہ لندن میں ہے اور دو نسخے مدراس میں - دیوان میں خاص قلعۂ مبارک کے محاورے، استعارے، کنایے وغیرہ نظم کئے ہیں -

اظفری شعر و شاعری کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن کا تذکرہ اُنھوں نے اِس کتاب کے آخر میں کیا ہے۔ درس و تدریس بھی حسب ضرورت کی ہے۔ فن تیر اندازی کے بھی ماہر اور فن موسیقی سے بھی آشنا تھے۔ ایک بزرگ سید اسراراللہ شاہ سے بیعت بھی تھے اور خلافت بھی حاصل کی تھی۔ مگر کسی کو مرید نہیں کیا۔ شجاعت و بہادری کے بھی مرد میدان تھے۔ قید سلاطینی میں، سنہ ۱۲۰۱ھ کے آخر میں غلام قادر رهیلے کا جو ہنگامہ پیش آیا، اُس میں کئی قابل قدر خدمات انجام دیں اور چاہتے تھے کہ اِس کے صلے میں قید سے آزاد کردیے جائیں اور حکومت کی کسی بڑی خدمت پر مامور ہوں تاکہ اس نازک وقت میں سلطنت کے کام آئیں۔ اور اظہار قابلیت کے موقعے ملنے پر اپنے طبعی جوہر دکھائیں۔ لیکن اِس اندیشے سے کہ آزاد ہوکر کہیں بغاوت پر آمادہ اور حکومت کے مقابلے میں برسر پیکار نہ ہوجائیں، جس طرح اور شاہزادے قلعۂ مبارک کی قید میں تھے، یہ بھی رہے۔ شاہ عالم بادشاہ نے اِس ہولناک ہنگامے میں، اِن کی جان نثارانہ خدمات کے صلے میں اِن سے بہت کچھہ وعدے کئے تھے۔ مگر ہنگامہ رفع ہونے کے بعد ایفاء وعدہ سے صاف انکار کردیا۔ اس کا اثر اُن پر بہت برا پڑا، اظفری بددل اور مایوس ہوگئے۔ انھوں نے قسم کھالی کہ جس طرح بھی ہوگا، اِس قید سے آزاد ہوکر رهینگے۔ آخر قلعے کے بعض ملازموں سے سانٹھہ گانٹھہ کی۔ هندوستان کے بعض راجاؤں اور مختلف مقامات کے نوابوں، امیروں، رئیسوں سے خفیہ طور پر خط و کتابت کرکے اپنی مدد پر اُنھیں آمادہ کرلیا، اور ایک رات موقع پاکر بھاگ نکلے۔ جےپور، جودھپور وغیرہ ہوتے ہوے لکھنؤ پہنچے۔ سات سال وہاں قیام کیا۔ نواب آصف الدولہ بہادر نے بیحد عنایتیں فرمائیں، مگر دکن کی دھن لگی ہوی تھی۔ حیدرآباد کے نواب آصف جاہ اور مدراس کے امیرالهند والاجاہ اول سے ملنے کا اشتیاق تھا، اور بہت امیدیں وابستہ تھیں۔ آخر لکھنؤ سے چل کھڑے ہوے اور قلعہ سے نکلنے کے نو سال بعد سنہ ۱۲۱۲ھ میں مدراس پہنچ گئے۔ یہاں بہت آؤبھگت اور قدردانی ہوی۔ پھر بال بچوں کو بھی لکھنؤ سے بلالیا، اور ایسے رہے کہ یہیں سنہ ۱۲۳۴ھ میں سپرد خاک ہوگئے۔

اس کتاب میں انھوں نے اپنی سیر و سفر کے علاوہ قلعۂ مبارک کے بھی بہت سے حالات لکھے ہیں، گویا یہ کتاب اُن کی سوانح عمری بھی ہے اور سفرنامہ بھی۔

اسی سے کتاب کا نام "واقعات اظفری" رکھا ہے- یہ جو کچھہ مختصر حالات محض تعارف کی طور پر ہم لکھہ رہے ہیں، اسی کتاب سے ماخوذ ہیں- اِن کی تفصیل آپ کو اس میں ملیگی-

کتاب کی تالیف کا سبب بھی خود انھوں نے شروع میں لکھدیا ہے، یہاں اعادے کی ضرورت نہیں- اس کی تالیف سنہ ۱۲۱۱ھ کے بعد سے شروع ہوتی ہے- اور سنہ ۱۲۲۱ھ تک کے واقعات پر ختم ہوجاتی ہے- گو مصنف کا ارادہ تھا کہ فرصت اور اطمینان نصیب ہو تو بقیہ واقعات اور اِن مجمل حالات کو ذرا پھیلا کر لکھیں گے- مگر پھر اپنی پریشانیوں کی وجہ سے موقع نہیں ملا- اسی سبب سے سنہ ۱۲۲۱ھ سے بعد کے حالات بہت کم معلوم ہوتے ہیں- اور جو کچھہ مختصر طور پر معلوم ہوے ہیں، وہ آخر میں شامل کردیے گئے ہیں-

یہ کتاب تاریخی اور جغرافی حیثیت سے اہمیت رکھتی ہے- شاہ عالم بادشاہ دہلی کی حکومت کے زمانے کے بہت سے ایسے حالات اس میں ملتے ہیں جو غالباً تاریخ کی اکثر کتابوں میں نہ ملینگے- گو بہت مختصر ہیں، یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت مغلیہ سلطنت کسقدر کمزور حالت میں تھی- ملک میں ہر طرف کیا ابتری پھیلی ہوئی تھی- غلام قادر رھیلے کے ھاتھوں کیا کیا تباھی عمل میں آئی- قید سلاطینی کیا چیز تھی- قلعۂ مبارک کے اندر اِن شاہزادوں کے قیام کا کیا انتظام تھا، اور وھاں کیا کیا عھدے تھے-

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ بادشاہ براے نام بادشاہ تھا، کئی صوبے آزاد و خود مختار ہو چکے تھے، خزانے خالی تھے- قوتیں سلب اور دماغی پستی عام تھی- بھولے بھالے شاہزادے جادو منتر اور عملیات میں اپنا پیسہ اور دولت برباد کرتے تھے-

بادشاہ کی ناعاقبت اندیشی، پھر باغیوں کے ھاتھہ اسیر ہونا، اندھا کیا جانا، پھر تخت حکومت پر واپس آنا، اس کی بےبسی اور صوبہداروں کی مرسلہ آمدنی پر گزارا، میرزا صاحب کے مفید مشورے، امراے دربار کی نیک صلاحیں اور اُن سے بےپروائی، شاہزادوں کی قید، غرض کہ شروع سے آخر تک عبرت پزیر نگاھوں کے لئے ایک سبق آموز مرقع ہے- اور اس عظیم الشان سلطنت کے زوال کا نقشہ آنکھوں میں پھرجاتا ہے-

قلعے سے فرار کے بعد اظفری جہاں جہاں گئے ہیں، وہاں کی عجیب چیزوں، رسوم و رواج اور معتقدات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہر جگہ پہنچنے اور وہاں سے روانہ ہونے کو تاریخ، ماہ و سال کی قید کے ساتھ لکھتے ہیں۔ راستوں میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں، اُنھیں بھی بیان کرتے جاتے ہیں۔ جن جن کے احسانات اور سلوک ہوے ہیں، اُن کا بھی ذکر ہے۔ اور جن قابل قدر لوگوں سے ملاقاتیں ہوی ہیں، اُنھیں بھی بیان کردیا ہے۔ آخر میں وہ عرضیاں اور شقے وغیرہ نقل کئے ہیں جو بڑے بڑے امیروں، نوابوں اور راجاؤں نے اِنھیں لکھے تھے۔ اِن سے اس دور کی خط و کتابت کا انداز عبارت اور آداب و انشا کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی کہ خود اظفری کس درجے کے آدمی تھے۔ پھر مدراس کے لوگوں کے طور و طریق، آداب و ہوا، عادات و اخلاق پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اُن حکیموں اور طبیبوں کا ذکر ہے، جن سے مصنف کو استفادہ کا موقع ملا ہے۔ یا جن کو اس فن میں وہ مانتے اور بہتر جانتے ہیں۔

اظفری نے اپنے زمانے کے مذاق کے موافق بعض غیر ضروری باتوں کو طول دیا ہے اور بہت سی ضروری باتوں کو بہت مختصر لکھا ہے۔ یہ کتاب ۲۰۲ صفحات پر ختم ہوتی ہے۔ عبارت سلیس اور عمدہ منشیانہ ہے۔ عبارت آرائی اور قافیہ پیمائی زیادہ نہیں ہے۔ چونکہ آجکل فارسی زبان کا مذاق ہمارے ملک میں بہت کم ہوگیا ہے۔ اس لئے یہ خیال ہوا کہ اصل کتاب کے بجائے اس کا اردو ترجمہ شائع کرنا زیادہ مفید ہوگا۔ نمونہ کی طور پر اصل کتاب کی چند سطریں دو ایک جگہ سے نقل کی جاتی ہیں:

”حضرت (بادشاہ) امتناع فرمودند و ارشاد نمودند کہ اگر پدر او چلنش کرد، ایں بیگناہ را چگونہ بکشتن دهم۔ اگر انتقام منظور است بضابطہ خاں بیا و بیزید و او را بکشید لہذا چوں مرحمت و شفقت در ذات اشرف و اقدس و اعلٰے بدرجۂ اقصے است، معرفت رازداران خفیہ طفل مذکور را معہ اخراج و اسباب شایستہ در وقت شب بسوے پدرش رہا فرمودہ بہ والدیلش رسانیدند۔ وبعد چندے بطوریکہ بار دیگر عفو تقصیر اتش گردید و بہ مرتبۂ بخشیگری و بہ ملک موروثی خود رسید ذکر آں مناسب ایں محل ندیدم اختصار پسندیدیم“۔

بعض جگہ عبارت زیادہ دقیق ہے، زور قلم دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً جودھپور کے متعلق لکھتے ہیں:

"شہرے دیدم ہمہ سنگ لاخ بصحاری لق و دق، در ریگستان بے پایاں، وحشت انگیز، ملامت آمیز، نہ سایۂ شجرے نہ نام ثمرے۔ بجاے آب ہمہ سراب و منزلۂ بحار جملہ تالاب۔ بمکان بلبل و باغ، اشجار مغیلان و زغن و زاغ"۔

غلام قادر کے ہنگامۂ بغاوت کے وقت قلعے کی حالت زار کا نقشہ کھینچنے میں بڑا زور قلم صرف کیا ہے۔ جن آیات قرآنی میں قیامت کے مختلف ہولناک مناظر دکھاے گئے ہیں۔ اُن کو جابجا صرف کرکے قیامت صغریٰ کا مرقع پیش کردیا ہے۔

اس کتاب کے مدراس میں دو قلمی نسخے موجود ہیں۔ پہلا نسخہ وہی ہے، جس سے ہم نے اس کتاب کا ترجمہ اور دیوان نقل کیا ہے۔ یہ نسخہ کتابت اور صحت کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔

دوسرا نسخہ بھی گورنمنٹ مدراس ہی کے قلمی کتب خانے میں ہے۔ یہ کسی قدر دیمک خوردہ ہے، مگر الفاظ ضائع نہیں ہوے۔ اِس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ غالباً خاص مصنف کے کتب خانے کا ہے۔ چنانچہ سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے:

"نام الکتاب واقعات اظفری، المتخلص اظفریؔ، المعروف بہ مرزا کلاں، المخاطب بہ میرزا علی بخت بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ تصنیف حضور مذکور سلمہ اللہ تعالیٰ"۔

آخر میں لکھا ہے:

"کاتب الحروف سید محمد ولد سید نتھو، ساکن بلدۂ نتھر نگر عرف ترچناپلی بتاریخ ہفدہم شہر ربیع الاول سنہ ۱۲۲۷ھ یک ہزار و دو صد و بیست و ہفتم ہجری نبوی در بندر ترمل کھیڑی تحریر یافت"۔

یہ عبارت کاٹ کر مٹائی گئی ہے۔ لیکن اچھی طرح صاف صاف پڑھنے میں آتی ہے۔ اس کو مٹا کر یہ لکھا ہے:

"بتاریخ بست نوزدہم شہر رجب المرجب......"۔

پھر اسے بھی قلم زد کر کے ایک سطر میں ذیل کی عبارت لکھی ھے :

"بتاریخ نوزھم شھر شعبان درسنه ۱۲۳۳ھ دربندر میلاپور تحریر یافت"۔

مگر یه کسی دوسرے شخص کی لکھی ھوی ھے۔ بھر صورت کتاب مصنف کی زندگی میں لکھی گئی ھے اور انھوں نے اپنے قلم سے کھیں کھیں خفیف ترمیم و اصلاح بھی کی ھے۔

دوسری خصوصیت یه ھے که تقریباً نصف کتاب تک بعض مشکل عربی فارسی الفاظ کے معانی بین السطور میں خفی قلم سے لکھے ھیں۔ ھر صفحے میں تین چار الفاظ ایسے ھیں جن کے معانی لکھنے کی ضرورت پیش آئی ھے۔ مثلاً گردان = چول، حراث = مزارع، (کسان)، مرکوبان = اسپان، مرتاض = ریاضت کیا گیا۔ شرفات = جمع کنگرہ ھا، والافلا = پس نھیں تو نھیں۔ احشام = فوج توپ خانه، علم تکسیر = تعویذ وغیرہ۔ قرینے سے معلوم ھوتا ھے که بین السطور خود اظفری کے لکھے ھوے ھیں۔ مگر اس نسخے میں املا اور کتابت کی غلطیاں جابجا نظر آتی ھیں، اور خط بھی مختلف ھیں۔

یه کتاب ترجمه کے لئے عبدالستار صاحب منشی فاضل کو دی گئی تھی، جو ری سرچ انسٹی ٹیوٹ آف مدراس یونیورسٹی میں وظیفه یاب طالب علم کی حیثیت سے کام کر رھے تھے۔ اُن کی مدت وظیفه ختم ھونے کے بعد ترجمه نظر ثانی کے لئے میرے حواله ھوا۔ خیال تو تھا که مجھے اِس میں کچھه زیادہ کام نه کرنا پڑیگا۔ لیکن اصل سے مقابله کرنے کے بعد معلوم ھوا که ابھی بھت کچھه کرنا ھے۔ کیونکه صاحب موصوف ترجمے پر نظر ثانی اور تکمیل نه کرنے پاے تھے که اُنھیں کام چھوڑدینا پڑا۔ اِنھوں نے زیادہ تر مفھوم لیکر اپنی زبان میں لکھدیا تھا۔ اور میرا خیال تھا که لفظی ترجمه ھو۔ کیونکه بعض ایسی چیزیں رہ جاتی تھیں جن کا باقی رکھنا ضروری معلوم ھوا۔ خاصکر مشکل اور اصطلاحی الفاظ کا ترجمه بالکل ھی چھوڑدیا گیا تھا۔ غرضکه مجھے اس نظر ثانی اور ترمیم سے خود پوری کتاب کا ترجمه کر لینا زیادہ سھل ھوتا۔ بھر حال میں نے ایک ایک لفظ کو اصل سے ملایا، اور جو کچھه فرق پایا اُسے دور کیا۔ نیز اصل الفاظ کی رعایت ھر جگه پورے طور پر پیش نظر رکھی ھے۔

ترجمہ کی تصحیح و تکمیل کے بعد نظر ثانی اور پھر پریس کاپی تیار کرنے میں بہت وقت لگا، اس کے علاوہ حسب ضرورت حواشی بڑھائے۔ اصل میں کہیں کہیں لغوی اغلاط تھے، اُن کو بھی درست کردیا ھے اور جہاں ضرورت سمجھی ھے بتا بھی دیا ھے۔ بعض مختصر تاریخی حواشی بھی اضافہ کئے ھیں۔ آخر میں سوانحات ممتاز اور مدراس کے بعض اور تذکروں سے مصنف کے جو حالات ملے ھیں، وہ بھی شامل کردیے ھیں۔ فہرست مضامین بھی لگادی ھے۔ دیوان اظفری پر ھم بسیط مقدمہ لکھہ چکے ھیں۔ اس لئے یہاں بالکل اختصار سے کام لیا جاتا ھے۔

۲۰ نومبر سنہ ۱۹۳۶ء
مدراس

محمد حسین، محوی، صدیقی، لکھنوی۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

پروردگار کی حمد اور رسول اکرم کی نعت اور درود کے بعد صلوٰۃ و سلام کا تحفہ آپ کی اولاد اور بزرگ اصحاب کو بھیجتا ہوں۔ پھر اپنے جم جاہ بادشاہ شاہ عالم (خدا اُن کے ملک اور سلطنت کو ہمیشہ رکھے' کہ اُن کی بھلائی اور احسان کا فیض تمام عالم تک پہنچا ہے) کی بے حد مدح کے بعد یہ دشت حیرت کا سرگرداں محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت گورگانی جس کا عرف بڑے مرزا اور تخلص اظفری ہے۔ اور جو حضرت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کے پوتے حضرت محمد معزالدین ولد بہادر شاہ کا نواسہ زادہ ہے۔ اِس طرح عرض پرداز ہے کہ شاہ جہاں آباد (دلی) کے قلعۂ مبارک سے نکلنے کے نو سال بعد جب میں مرشد آباد یعنے مقصود آباد بنگالہ کے علاقے میں پہنچا تو ذی حجہ سنہ ۱۲۱۱ ھ کا مہینا تھا۔ میرے ناقص دل میں یہ خیال گزرا کہ خاندان تیموریہ کی اُس بربادی کے کچھ مختصر حالات لکھوں' جو غلام قادر خاں یوسف زئی افغان کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ (یہ ضابطہ خاں کا بیٹا اور اعلی حضرت کے بخشی نجیب خاں کا پوتا تھا) اور یہ سوچا کہ کچھ حقیقت سلطانی قید سے اپنے نکلنے کی نیز چند ممالک اور شہروں میں اپنی سیر و سیاحت کے کچھ حالات بیان کروں۔ اور چند عرضیوں وغیرہ کی نقلیں بھی تحریر کردوں۔ اِن عرضیوں کی نقل کا منشا صرف یہ ہے کہ ہر جگہ کے منشی کی عبارت کا طرز و انداز معلوم ہوسکے۔ لڑکے پڑھیں تو اِنشا کا کام دے۔ اور اگر کبھی اتفاق سے اِس گنہگار کی اولاد و احفاد میں سے کوئی اِن شہروں میں پہنچے تو یہ عرضیاں قدیم دوستی اور آداب و خدمت گزاری کو یاد دلائیں۔ اِس کتاب کو میں نے "واقعات اظفری" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

حضرت شاہ عالم بادشاہ کی سلطنت کی بربادی کا بیان۔

فاعتبروا یا اولی الابصار حقیقت یہ ہے کہ اس عالی شان خاندان پر وہ بلائیں پڑیں جو نہ کہنے کے قابل ہیں نہ سننے کے۔ دھلی کی آنکھوں نے انہیں دیکھ لیا۔ اور جو کچھ دیکھا وہ ایک بلا تھی' اھل عبرت کو آگاہ کرنے والی! اور ایک ناگہانی آفت تھی صاحب بصیرت کو متنبہ اور بیدار کرنے والی۔ یعنے غلام قادر خاں یوسف زئی افغان نے سرکشی اور خودرائی کا علم بلند کیا۔ اور اس بلند مرتبہ خاندان کے تمام حقوق کو بالکل بھلا کر تہس نہس

کر دیا۔ اندھے پن اور بے حیائی کی بنیاد ڈالی۔ قدیم بنی ہوئی مستقل عمارت کو نئے سرسے ویران کر ڈالا۔ اور نہایت بے ادبی و بے پروائی سے میدان دغا میں اُترکر اس صاحب عزت و مرتبت بادشاہ (یعنے شاہ عالم ولد حضرت عالم گیر ثانی بادشاہ ملقب بہ حضرت عرش منزل ابن حضرت جہاندار شاہ عرش آرام گاہ محمد معزالدین بادشاہ بن حضرت بہادر شاہ یعنے شاہ عالم اول ولد حضرت اورنگ زیب بادشاہ عالمگیر اول* جو اس بندۂ درگاہ کے جد امجد ہوتے ہیں) کو ایذا رسانی اور اُن بیگناہوں کو ضرر پہنچانے پر آمادہ ہوگیا' جو اس فیض بنیان خاندان سے تعلق یا توسل رکھے تھے۔ نہایت نا معقول افعال اور کمینہ طریقے سے اپنے کوتاہ ہاتوں کو چھوتے بڑوں کے جان و مال پر دراز کیا۔ یہاں تک کہ اِس بادشاہ کی آنکھیں حلقۂ چشم سے نکلوادیں اور اُسے تخت سلطنت سے الگ کر دیا۔

شاہ عالم بادشاہ اور راقم کی ہم جدی کا بیان۔

۱. حضرت اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ غازی تک شاہ عالم بادشاہ کا نسب نامہ

میرزا عبداللہ علی گوہر مخاطب بہ شاہ عالم ثانی پادشاہ — اِن کے بچپن کا نام لال میاں تھا اور مرزا بلاقی بھی کہے جاتے تھے۔ ولد حضرت محمد عزیزالدین معروف بہ عالمگیر ثانی پادشاہ جو عرش منزل کے لقب سے مشہور ہیں۔ ولد محمد معزالدین جہاندار شاہ پادشاہ' ملقب بہ حضرت عرش آرام گاہ۔ ولد محمد معظم بہادر مخاطب بہ شاہ عالم اول* پادشاہ ابن حضرت اورنگ زیب عالم گیر پادشاہ غازی۔

۲. حضرت اورنگ زیب عالم گیر پادشاہ غازی تک راقم کا نسب نامہ۔

محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت معروف بہ میرزائے کلاں۔ ابن سلطان محمد ولی عرف منجھلے صاحب۔ ولد سلطان محمد عیسی پسر کلاں نواب عفت آرا بیگم۔ دختر کلاں محمد معزالدین پادشاہ مذکور۔ ولد بہادر شاہ بادشاہ۔ ابن حضرت اورنگ زیب عالم گیر پادشاہ غازی۔

شاہ عالم پادشاہ حال' محمد معزالدین بادشاہ مذکور کے پوتے ہیں۔ اور ہمارے حقیقی دادا یعنے سلطان محمد عیسی اسی بادشاہ مرحوم کے نواسے ہیں۔

*دونوں جگہ اصل کتاب میں " اولی " ہے جو عربی قاعدے سے صحیح نہیں۔

بادشاہ جم جاہ کی اُن عنایتوں کا بیان جو اس روسیاہ نمک حرام غلام قادر پر ازراہ کرم مبذول رہی ہیں اور اس دور از عافیت، عاقبت خراب کے آمادۂ انتقام ہونے کا سبب.

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ عالم نے اپنی تخت نشینی کے بارھویں سال الہ آباد سے اپنے دارالخلافہ شاہ جہاں آباد دھلی کو واپسی کا ارادہ فرمایا. ابھی وہ رستے ھی میں تھے کہ نجیب خاں بخشی، جس کو صوبۂ دھلی سپرد کیا گیا تھا اور بارہ سال تک نائب کی حیثیت سے اِن ملکوں پر قابض اور متصرف بھی رھا تھا. اپنے وطن غوث گڑہ میں طبعی موت سے اِس جہان فانی سے رخصت ہو گیا. حضرت قدر قدرت (بادشاہ) نے اُس کے بیٹے ضابطہ خاں کو باپ کی جگہ بخشی گری کی خدمت پر سرفراز فرمایا. ضابطہ خاں کی جانب سے شیخ قاسم نامی ایک ھزار سوار اور پیادوں کے ساتھ قلعۂ مبارک کا قلعہ دار تھا. جو وھاں کا بندوبست کرتا تھا. لیکن جب بادشاہ سلامت نے خان مذکور کی سرکشی کا ارادہ سنا تو مادھوجی پٹیل سندھیہ سے سازش کر لی اور قلعے میں اپنے داخل ہونے سے پہلے ھی پٹیل کی فوجوں کی مدد سے، توپوں اور بندوقوں کی جنگ کے بعد شیخ قاسم کو قلعۂ مبارک سے نکال باھر کیا. اس ھنگامے میں اسد برج نامی کو بھی صدمہ پہنچا، جہاں بادشاہ کا خاص محل تھا. حضرت سلامت نے واپس تشریف لانے کے بعد اُسکی مرمت کرائی. چند ھی سال میں بیحد روپیہ صرف ہونے کے بعد چابک دست اور ھشیار استادوں نے اس برج کی شکست و ریخت کو بالکل درست کر دیا. بادشاہ سلامت کے خیریت کے ساتھ قلعۂ مبارک میں تشریف فرما ہونے کے بعد پھر ضابطہ خاں کی بغاوت اور سرکشی کے ارادے جاسوسوں اور اخبار نویسوں کی زبانی مختلف طریقوں سے سننے میں آنے لگے. لھذا اس کی گوشمالی کے لئے ذوالفقارالدولہ میرزا نجف خاں بہادر اور مجدالدولہ عبدالعھد خاں بہادر کی سرکردگی میں دکنی فوجوں کے ساتھ خود بدولت سکرتال میں نہضت فرما ہوے. یہ مقام غوث گڑہ اور پتھر گڑہ کے نواح میں ھے. ضابطہ خاں نے شاھی فوجوں کا مقابلہ کیا، مگر بہت جلد شکست پائی اور تباہ ہو کر بھاگ گیا. اس کا سارا مال و اسباب کچھ تو بہادر سپاہ کی لوٹ مار میں آیا اور تھوڑا بہت سرکار دولت مدار میں پہنچا. اس کے بعد تکوجی ھولکر دکنی وغیرہ کے ذریعے اور سفارش سے حضور نے اِس کا قصور معاف کر دیا. اور پھر اُس کی موروثی خدمت اور معمولی ممالک پر سرفراز

فرما کر خود بادشاہ دارا سپاہ قلعۂ مبارک میں مراجعت فرماہوے ۔ تھوڑے دنوں بعد پھر اِس شکست زدہ نے سرکشی اختیار کی ۔ آخر حضرت قدر قدرت اس کی گوشمالی اور تنبیہ کے لئے مقام غوث گڑہ میں اُسکے سر پر جا پہنچے ۔ بد انجام رھیلوں نے پھر ہزیمت اُٹھائی اور بھاگ کھڑے ہوے ۔ اس باغی کے بال بچے دولت قاھرہ کے بہی خواھوں کے ھاتوں میں قید و اسیر ہوے ۔ اور اُن کا سارا خانمان لوٹ میں آگیا ۔ اس ھنگامے کے وقت غلام قادر آٹھ دس سال کا تھا ۔ کسی مصلحت کی بنا پر اس نمک حرام کو رکاب مبارک کے ساتھ لے آئے اور رھیلوں کے باقی بال بچوں کو غوث گڑہ کے قلعے سے باھر نکال کر اجازت دیدی کہ جہاں چاھیں چلے جائیں ۔ حضرت سلامت نے جب اس نمک حرام کو اپنی مبارک آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا تو نہایت شفقت کی ۔ پورے آرام و حفاظت کے ساتھ دلی میں لاکر قدسیہ باغ میں رکھا ۔ اور چوکی پہرہ مقرر کردیا ۔ روزانہ تین وقت اُسکے لئے قسم قسم کے کھانوں کے کئی خوان بھجواتے تھے اور اکثر حضور میں طلب فرما کر اُسکے حال زار پر بیحد رحم اور عنایت مبذول فرماتےتھے ۔ اُس کی پیٹھ پر محبت سے اپنا مبارک ھاتھ پھیرتے ۔ اُس کی تعلیم و تربیت کیلئے بہت کچھ تاکید فرماتے رھتے ۔ یہاں تک کہ اُسے اپنا بچہ کہنے لگے ۔ اور روشن‌الدولہ کا خطاب دیا ۔ جب کبھی وہ اپنے ماں باپ کی یاد میں روتا تو اُس سے رھائی کا وعدہ فرماتے ۔ مگر وقتی مصلحتوں کی بنا پر بعض اُمرا نہیں چاھتے کہ یہ رھائی پائے اور اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائے ۔ وہ اس نمک حرام کی رھائی سے حضرت قدر قدرت کے مانع آتے رھتے ۔ یہ بھی ھوا کہ جب اس نمک حرام کے باپ نے امیر نگر اور دوسرے گانؤوں پر فوج کشی کر کے اِس نواح کو تاراج و برباد کردیا تو اُس کی مدافعت کے لئے مجدالدولہ عبدالعہد خان مذکور کا بھائی ابوالقاسم خاں فوجیں لے کر روانہ ھوا ۔ بہت سی لڑائیوں کے بعد خان مذکور افغان کے ھاتھوں شکست کھا کر امیر نگر کے قلعے کی پناہ میں چلا آیا ۔ لیکن جلد ھی ھفتوں میں خوراک اور گھاس چارہ میسر نہ آنے کی وجہ سے بہت سے سپاھی اور سوار نیم جان ھوکر خان شجاعت نشان کے ھمراہ قلعے سے باھر نکل آئے اور دوبارہ افغانوں سے جنگ چھیڑدی ۔ سپاہ کی قلت کے باوجود بھی دلاوری کے خوب خوب جوھر دکھائے ۔ بہت سے زخمی ھوے اور بہت سے کام آئے ۔ آخرکار یہ بے باک افغان قلب لشکر میں گھس آئے ۔ اور بہادر مذکور کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے گئے ۔ لاش وھیں اُنھیں کی پالکی میں چھوڑدی ۔ یہ خبر دھلی میں

پہنچی تو مجدالدولہ عبدالعہد خاں بہادر جو حضور پرنور کے وزیر دوم تھے. بہت غضب‌ناک اور بیتاب ہوگئے. اِس زمانے میں حضور اس نمک حرام کی بہت مانتے تھے. اُسکی ہر درخواست بہت زیادہ قبول فرماتے تھے. اس لئے کہ اسے فرزند خاص سے مخاطب فرما چکے تھے. ایک با اس باغی کی مہمانی اور نذرانے کے موقع پر اپنی نوازش خاص سے حضور پرنور نے اُس کے متعلق اردو زبان میں چند شعر بھی کہے تھے، جو مجھے یاد ہیں، حوالۂ قلم کرتا ہوں:

آباد رکھیو یارب فدوی کا گھر ہمارے	فرزند خاص ہے یہ اورهیں غلام سارے
ہرگز خزاں نہ پھٹکے اس باغ کے کنارے	پھولا رہے ہمیشہ باغ مراد اس کا
ہے آفتاب جب لگ انور فلک کے تارے	سایے میں پرورش ہو ظل اله کے یہ

فوراً مجدالدولہ نے حضور میں التماس کی کہ ضابطہ خاں غلام کے بھائی کا قاتل ہے. اسلئے اسکا بیٹا غلام قادر جو سرکاری اسیر ہے، غلام کو عنایت ہو تاکہ مقتول ابوالقاسم خاں کے بدلے اُس کو قتل کردوں. حضرت نے منع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اگر باپ نے ایسی حرکت کی ہے تو میں اس کے بے گناہ بیٹے کو کیونکر دیدوں، انتقام ہی لینا ہے تو ضابطہ خاں سے جا کر لڑو اور اس کو مارڈالو.

اُس کے بعد حضور والا نے اپنے چند خاص رازداروں کی معرفت اس لڑکے کو کافی مصارف اور سامان کے ساتھ رات کے وقت رہا فرماکر اس کے ماں باپ کے پاس بھجوادیا. کیونکہ ذات والا میں رحم و شفقت انتہا درجے کی ہے. چند روز بعد دوبارہ حضور والا نے ضابطہ خاں کی خطائیں معاف کیں. اور پھر اس کے موروثی ملک اور بخشی گری کے منصب پر بھیجدیا. اُس کی تفصیل مناسب مقام نہیں سمجھتا اس لئے اختصار سے کام لیتا ہوں.

جب غلام قادر کا باپ ضابطہ خاں اپنی طبعی موت سے مرگیا اور یہ نمک حرام اپنے باپ کا جانشین ہوا تو بالکل ہی فرعون بن گیا. سر پر تیڑھی ٹوپی رکھنے لگا کمینہ پن اور شرارت پر زبان کھولی. کھلم کھلا کہنے لگا کہ بہت جلد میں شاہ جہاں آباد پہنچتا ہوں اور اپنا بدلہ لیتا ہوں. جس طرح بھی ہو مکر و فریب سے کام لوں گا اور اس قلعے کو جمنا میں غرقاب کروں گا. یہ خبریں برابر پہنچتی تھیں، ہرخاص و عام کے زباں زد ہوگیا تھا کہ عنقریب غلام قادر دلی پہنچنے اور اُسے تہ و بالا کرنے والا ہے. آخرکار چند مہینے کے عرصے میں اس نمک حرام نے

اپنی فوجوں کے ساتھ دھاوا کیا۔ شاھدرہ اور اندھیاؤلی تک پہنچ گیا۔ شاھدرہ قلعۂ مبارک سے پورب جانب اور اندھیاؤلی اُتر جانب ایک قریہ ھے۔ یہ دونوں موضعے دریاے جمنا کے اُس پار واقع ھیں۔

وھاں سے قلعۂ مبارک پر گولے برسنے لگے۔ اسی دوران میں چند شرطیں طے پا گئیں' لڑائی بند ھوئی اور یہ اپنے وطن کو روانہ ھو گیا۔ اِس وقت اس نمک حرام کے ارادۂ فساد کے متعلق راقم نے بھی ایک عرضی لکھ کر خفیہ طور پر اپنی پھوپی صاحبہ کے ھاتھ حضور میں بھجوائی۔ ملاحظہ کے بعد ارشاد ھوا "ھم نہیں سمجھتے کہ اس یتیم غلام قادر سے ھر خاص و عام کو کیوں عداوت ھے"۔ پھر ھماری پھوپی صاحبہ سے فرمایا کہ "مورے بچوں سے کہدیجے کہ تم ابھی بچے ھو۔ ان باتوں کو کیا جانو" غلام قادر تو ھمارا خانہ زاد اور نمک پروردہ لڑکا ھے۔ اِس کی کیا مجال کہ گستاخی سے قدم باھر نکالے۔ یہ سب خلق اللہ کا بہتان ھے۔ سب بچے خاطر جمع رکھیں۔" سبحان اللہ حقیقت آگاہ سالک کیا ٹھیک فرما گئے ھیں: (بیت)

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود ۔ آں دوا در راہ خود گمرہ شود

ایک سال بعد دوسری مرتبہ وہ پھر دھلی پہنچا اور تم نے سنا ھوگا کہ اس کے ھاتھ سے کیا کیا انقلاب ھو گئے۔

اِس نمک حرام بد انجام کی صورت و سیرت کا بیان۔

رات دن قسم قسم کا نشہ کرتا تھا۔ خاصکر بھنگ' گانجہ' چرس' زیادہ پیتا تھا۔ کہا جاتا ھے کہ علت اُبنہ میں بھی گرفتار تھا۔ اس وقت اسکی عمر بیس سال کی تھی۔ سبزہ آغاز' نوخیز جوان تھا۔ خوش رو لیکن بد خو' بد مزاج' قد مائل بہ پستی' نہ زیادہ موٹا نہ دبلا' آنکھیں بڑی بڑی' ناک بھی اونچی' مگر ناک کی نوک باریک اور کسی قدر نیچے کو زیادہ جھکی ھوی تھی۔ علم قیافہ کی رو سے ایسا آدمی فتنہ پرداز ھوتا ھے۔ اس کے بچپنے ھی میں مجدالدولہ نے جو ایک امیر کبیر اور بہت سے علوم و فنون کے ماھر تھے۔ اُس کے باپ کو یہ بات بتادی تھی کہ تمھارے اِس لڑکے کے ھاتھ سے جوانی کے زمانے میں ایک بڑا فتنہ برپا ھوگا۔ جو یادگار زمانہ رھےگا۔ اُن کی زبان سے جیسا نکلا تھا ویسا ھی ھوا۔

پھر ہم اپنے مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

محمد بیدار بخت فرزند احمد شاہ بادشاہ ولد محمد شاہ فردوس آرام گاہ ولد جہاں شاہ بن بہادر شاہ بادشاہ ابن حضرت عالمگیر اول کو غلام قادر خاں کا قید سے نکالنا اور تخت سلطنت پر بٹھانا۔

ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۰۱ھ کی اُنتیسویں تاریخ کو محمد بیدار بخت عرف مرزا کوچک ابن احمد شاہ بادشاہ ولد محمد شاہ فردوس آرام گاہ کو غلام قادر نے سلاطینی قید سے نکال کر سلطنت کے تخت پر بٹھایا۔ اور جہاں شاہ ثانی کا لقب دیا۔ اُن کے سکّے کا مضمون یہ تھا: (بیت)

"بزر سکہ زد وارث تاج و تخت - محمد جہاں شاہ بیدار بخت"

یہ سلطنت چند روز بچوں کا کھیل تماشا سا دکھا گئی، دو دن کے بعد کچھ نہ تھا۔

اس ہنگامے کی ہولناک مصیبتوں کا تھوڑا حصہ بھی بیان کیا جائے تو سننے والے کے کان بہرے ہو جائینگے۔ اگر قوت سامعہ نے یاری کی اور سامع صاحبِ درد ہوا تو اس کا پتّا پھٹ جائے گا۔ لیکن اِس سے تجاہل کرنا شیوۂ عقل سے دور اور اِس سے چشم پوشی کرنا بھی ایک بڑا قصور ہے۔ بمصداق "العاقل تکفیہ الاشارہ" صرف چند سخت مصائب مختصراً لکھتا ہوں:

جس روز شاہ عالم بادشاہ مکر و فریب سے گرفتار کئے گئے تھے۔ وہ دن "یوم یفرالمرء من اخیہ و صاحبتہ و بنیہ" کا پتہ دیتا تھا۔ اور ہم اہل قلعہ کی حالت "یوم یکون الناس کالفراش المبثوث" کی تفسیر کرتی تھی۔ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۲۰۲ھ کی بارھویں تاریخ دو گھڑی دن کو مظلوموں کے دل کے دھویں کی آگ سے باروت خانہ، اور اُس کوٹھے کے اُڑنے کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں گولہ باروت اور سیسہ کا بڑا ذخیرہ محفوظ تھا، یہ کوٹھا راقم کے محل سے ملا ہوا تھا۔ اِس کی آواز صور اسرافیل اور آیت "القارعۃ ماالقارعہ" کی ترجمان تھی۔ اِس کوٹھے کے دیوار و در اُڑنے سے ہر طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ گرد و غبار نے فضا کو بالکل دھندلا کر دیا تھا۔ یہ حالت آیت "إذاالشمس کوّرت" کے معنے بیان کررھی تھی۔ گولے بارود کے اُڑنے، ہوا کے باھم

تکرانے، اور اِس مقام کی زمین و زمان کے لرزنے سے "اِذَازُلزِلَتِ الاَرضُ زِلزَالَھَا" کی شرح نمایاں تھی. قلعے کے کنگروں کا گرنا اس کے در و دیوار کا شق ہونا، اِسکے مضبوط کوٹھوں اور انکے اطراف کا ڈھانا "وتکون الجبال کالعھن المنفوش" کی تاویل آشکار کر رھا تھا. ھمارا محل اِس کوٹھے سے بہت قریب تھا. اس سبب سے ھماری ایک پھوپی صاحبہ اور کئی بھائیوں کے پاؤں اور سروں میں ذرا ذراسی چوٹیں آئیں، لیکن جانیں سلامت رھیں. خدا اِن سب کو سلامت رکھے.

اُس وقت کی حالت کا مختصر بیان یہ ھے کہ جو جو مکان چھپروں کے تھے، اُن کا بند بند ٹوٹ کر جدا ھوگیا. اور اُس کی گھاس دھنے کی دھنکی ھوی روئی کی طرح ھر طرف بکھر گئی تھی. مٹی کا تیغہ جو ھم نے اپنی اناج کی کوٹھیوں پر دو مہینے پہلے کر رکھا تھا، وہ بھی پُھٹ پھٹ گیا. جن جن دروازوں کی زنجیریں چڑھی ھوی تھیں ٹوٹ گئیں. جن دروازوں کی زنجیریں کلدوں میں لگی ھوی نہ تھیں اُنکے دونوں پٹ دونوں طرفسے آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چوکھٹوں سے نکل کر دور جا پڑے. چار گھڑی تک تاریکی رھی. گولے، پتھر، گچ اور اینٹیں آسمان سے برس رھی تھیں. قلعے والوں کی آہ و فریاد کی آواز آسمان تک پہنچتی تھی. آواز پہچاننے کے سوا ھم ایک دوسرے کی صورت تک نہ دیکھ سکتے تھے. آوازوں ھی سے تسلی پاتے تھے. اس ھولناک دھماکے کی آواز بہادرگڑہ تک پہنچی. جو دھلی سے بارہ کوس پر ھے. ھر شخص اپنی اپنی جگہ پر کانپ رھا تھا. اور کہتا تھا کہ ارے یہ آسمان کہاں زمین پر گررھاھے.

س بد حواسی اور بھگدر کی حالت میں لوٹنے والے بھاری بھاری مال و اسباب کے سبب بوجھل ھوگئے تھے. سخت گیر دشمنوں کے ھاتھوں سے بچنے اور چھپنے کی جگہ ڈھونڈتے پھرتے تھے. اِن کی یہ حالت "و اِذَاالعِشَارُ عُطِّلَت" کی آیت یاد دلارھی تھی. برسات کے سبب دریا پار جانا بھی دشوار تھا. اِس وجہ سے اِن کے ھوش و حواس پر رنج و ملال کے بادل چھا گئے تھے. ھر ایک نے اپنے باقی ماندہ بوجہ کو سنبھالنے سے مجبور ھوکر کچھ چیزیں تو دریا میں ڈبو دیں اور کچھ چیزیں جو جلانے کے قابل تھیں، وہ جلا دیں. مثلاً دوائی خانہ، کیلی خانہ، فرش اور خیمے وغیرہ. اسی قسم کا اور جو سامان توڑ پھوڑ دینے کے قابل تھا، مثلاً چینی خانہ، آئینہ خانہ، سنگ سماق، سنگ یشب، اور اسی قسم کی دوسری چیزیں تو اُن کو وھیں چکناچور کر دیا. کچھ چیزیں بھاگنے اور جان

بچانے کی جلدی میں قلعے کے میدان ہی میں اس طرح چھوڑ بھاگے جیسے کسان اپنے کھیتوں میں بونے کے لئے بیج بکھیرتا ھے۔

دشمن ہر چند ہم شاہزادوں کے قتل کی فکر میں تھے' مگر اُس حافظ حقیقی نے بچالیا۔ ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو باروت خانے کا کوٹھا یوں اُڑا کہ اس بلائے ناگہانی میں ہزاروں رھیلے جلکر خاک اور اُنھیں کوٹھوں میں ہلاک ہوگئے۔ جو کچھ بچے اُن کے حواس پریشان تھے' دلوں میں سخت رعب طاری ہوگیا۔ وہ نیلی چھتری کی راہ سے بھاگ گئے' جسے سلیم گڑہ بھی کہتے تھے اور نورگڑہ اُس کا لقب تھا۔

اُن کے بعد مرھٹوں کے پنڈارے یعنے اِس قوم کے لٹیرے قلعے میں گھس آئے اور ہم پر ٹوٹ پڑے۔ بقول شخصے : '' چیزے کہ از دزد ماند' رمال برد'' بچا کھچا اور رھا سہا یہ ظالم لے اُڑے' خوب کھایا اُڑایا۔ تعجب کی بات ھے کہ ہم لوگ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی بہ ہزار جد و کد محض اپنی بر محل ہمت و جرأت کی بدولت اس آفت سے محفوظ رھے۔ یہ بھی اسی ناصر حقیقی کی نصرت اور حفاظت کی برکت تھی۔ الحمد للہ علے ذ لک۔

غلام قادر افغان کی اسیری اور نہایت سختیوں کے ساتھہ اُس کا قتل۔

یہ بدبخت اس ہنگامے میں بہت سے شاہزادوں کو قید کر کے قلعے سے لے گیا اور پرگنۂ میرٹھہ میں لےجاکر رکھا تھا۔ مثلاً محمد بیدار بخت اور اُن کے کئی بھائی' مرزا اکبر شاہ بہادر اور اُن کے چند بھائی یعنے میرزا سلیمان شکوہ' میرزا سکندر شکوہ' میرزا احسن بخت اور کئی شاہزادے' جیسے میرزا اعلی اختر فرزند طالع اختر بن محمد بلند اختر - یہ بلند اختر محمد شاہ بادشاہ فردوس آرامگاہ مرحوم کے حقیقی بھائی تھے۔ اِن کے علاوہ بادشاہ سلامت کے کئی بھانجے بھی اسکے اسیر تھے' جیسے میرزا بچو' میرزا مکھو' ولد محمد عزت افزا' عرف میرزا مدو' ابن ہمایوں بخت ابن محمد عظیم الشان ولد بہادر شاہ بادشاہ وغیرہ۔

لیکن ابھی اس ہنگامے کو پورے چھے مہینے کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ یہ کم بخت اپنی فوجوں کو نہ سنبھال سکا۔ اُن کا رشتۂ جمعیت اسنے اپنی حماقت سے پراگندہ کردیا' اور سندھیا پٹیل کی فوجوں کے ہاتھوں پنجۂ تقدیر میں گرفتار ہوا۔ مرھٹوں نے اس کو قید کرلیا اور سارے شاہزادوں کو قلعۂ مبارک میں واپس پہنچادیا۔ اس کا مال غنیمت کچھہ تو پٹیل کی سرکار میں داخل ہوا' اور کچھہ اُسکی فوجوں کی لوٹ کھسوٹ میں آیا۔

اس موقع پر کسی شاعر کی ایک بیت یاد آئی جو غلام قادر ملعون کے حسب حال ہے۔ بیت : دیدی کہ چہ کرد مردک خر - خود مظلمہ برد دیگرے زر۔

آخر قہرمان حقیقی کی غیرت کو جوش آیا، اور یہ ملعون متھرا میں اپنے کمینہ اعمال کی سزا کو پہنچا۔ طرح طرح کے عذاب اور ذلت کا مزہ چکھہ کر جہنم واصل ہوا۔ مرہٹہ مذکور نے اُسکے دونوں کان، ناک اور نیچے کا ہونٹ کٹوا ڈالا اور آنکھیں بھی نکلواکر الگ الگ ڈبیوں میں رکھوائیں۔ پھر یہ چیزیں تحفۂ مبارکباد کی طور پر اس مجبور بادشاہ کے حضور میں بھجوائیں۔ اُس وقت اپنے تمام بھائیوں کے ساتھہ میں بھی شاہ جہاں آباد کے قلعے میں اسیر تھا، ہم سب اپنی جانوں سے ہاتھہ دھوئے بیٹھے تھے، حضرت قدر قدرت کے حکم سے یہ تحفے ہم سب شاہزادوں کی نظر سے بھی گزرے، اور ہم خدائے واحد کا شکر بجالائے۔

اُس خدائے منان نے، اِن دیونما افغانوں کی مصیبت اور پنجۂ ستم سے ہم سبکو جس طرح بچایا اور اپنی حمایت و حفاظت کے مضبوط قلعے میں محفوظ رکھا، اگر اسکی تفصیل کی جائے تو نہ جاننے والے ''المرء یقیس علے نفسہ'' کے مصداق، جھوٹ سمجھیں گے اور فضول بکواس پر محمول کرینگے۔ لیکن جو لوگ قلعہ اور دہلی میں موجود تھے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ اپنی زبان سے تعریف اور تصدیق کرینگے۔ یہی نہیں بلکہ تیز رفتار خبر رسانوں کی پامردی، اخبار گزاروں اور وقائع نگاروں کی ہمت اور جرأت سے یہ خبریں دور دراز کے رئیسوں تک پہنچ گئیں اور مخفی نہ رہ سکیں۔ اس موقعے پر دل میں ایک سانحہ گزرا جو حوالۂ قلم ہے:

اظفری! ''ہمت مرداں مدد خدا'' بالکل صحیح مقولہ ہے۔ ہم نے بھی آزمالیا۔ غلام قادر کے اِس ہنگامے اور گورگانی خاندان کی بربادی کے عالم میں ہم سب گلہکار شاہزادے محض اپنی ہمت کی بدولت افغانیوں کی ذلت رسانی سے محفوظ اور مامون رہے۔ یہ ہمت محض خدا کی رحمت تھی۔ اسکی تفصیل لکھوں تو اندیشہ ہے کہ اہل دنیا اپنی عادتوں کے موافق فضول بات یا محض ایک قصہ کہانی قرار دینگے۔ قطعہ:

اظفری! چیست ہمت مرداں؟ - مدد کردگار بے ہمتا است
کوہ کاہ است و خار پیشش گل - در مصوبات حافظ جانہا است

ولی عہد بہادر مرزا اکبر شاہ کی اپنے چچاؤں اور چچیرے بھائیوں کے ساتھ میرے مکان پر تشریف آوری۔

اس نمک حرام غلام قادر کے مزاج میں ایک قسم کا خبط تھا۔ اس نے پرگنۂ میرٹھہ میں بیدار شاہ کو سلطنت سے معزول کر کے میرزا اکبر شاہ ولی عہد کو بادشاہ بنایا۔ وہ تیرہ روز بادشاہ رہے۔ یہ خبر جب دھلی پہنچی تو اُن کے احباب کے لئے باعث مسرت ہوی۔ میں نے اُن کے نام نامی کے سکے کیلئے ایک بیت کہی، اور لکھہ کر اپنے پاس بحفاظت رکھہ چھوڑی، تاکہ جب موقعہ ہوگا پیش کروں گا۔ مگر بہت جلد جناب ولی عہد بہادر دوسرے شاہزادوں اور سلاطین کے ساتھہ میرٹھہ سے نجات پاکر قلعۂ مبارک میں تشریف لے آئے۔ اور دو تین روز بعد اپنے چند بھائیوں، چچاؤں اور چچیرے بھائیوں کے ساتھہ میرے گھر آئے۔ اپنی مبارک تشریف آوری سے ھمارے گھر کو روشن اور معطر فرمایا۔ اور اپنے الطاف شاھانہ سے نوازا۔ اگلے دستور کے موافق میرا ھاتھہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور گلے لگانا چاھا۔ مگر میں نے سر جھکا کر قدمبوسی کا ارادہ کیا۔ ولی عہد بہادر نے فوراً اپنے دونوں ھاتھوں سے بہ جبر مجھے اوپر اُتھاکر گلے سے لگالیا۔ اس طرح کہ میرے اور جناب موصوف کے رخسارے ایک دوسرے کے رخساروں سے رگڑ گئے۔ پھر اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد ہوا کہ آج خلاف معمول اِن تکلفات کی کیا ضرورت تھی، ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کی: حضور بادشاہ سلامت ہوگئے ہیں۔ رشتہ داری کے سب تعلقات الگ رھے، ابتو ھم سب خانہ زاد غلام ہیں، حضور نوازیں، یا مارڈالیں "اختیار بدست مختار" ھماری کیا مجال جو مثل سابق برابری کا دم ماریں، اور مساوات کا قدم زمین پر رکھیں۔

مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ: "خدا کی قسم میں آپکو اب بھی ویسا ھی اپنا فرزند جگر بند سمجھتا ہوں، اور خدا نے چاھا تو ھمیشہ سمجھونگا" اسکے بعد میں جناب کو اپنے مکتب خانے کے بنگلے میں لایا، ولی عہد بہادر نے میرا ھاتھہ کھینچ کر اپنے پاس بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں آداب بجالاکر بیٹھہ گیا۔ اور اب وہ کاغذ پیش کیا، جسپر ضرب سکہ کی بیت لکھہ رکھی تھی، بیت یہ ھے:

بزد بقرص مہ و مہر ضرب سلطانی - خدیو شاہ جہانگیر، اکبر ثانی

ملاحظہ فرما کر بہت مسرور ہوے۔ اب وہ کاغذ میں نے دست مبارک سے لے لیا تو فرمایا کہ: "ھائیں یہ کیا بات ھے، دی ہوی چیز کو واپس لیتے ہو" میں نے

عرض کی: ''کیا مجال! مگر یہ ادب کا موقعہ ہے۔ خدائے تعالیٰ حضور شاہ عالم کو سلامت رکھے، خانہ زاد کے پاس یہ بیت امانت رہے گی۔ خدا نے چاہا تو وقت آنے پر جناب میں بھجوا دونگا۔ کیا حضرت وعدہ فرماتے ہیں کہ یہی بیت حضور اپنے سکۂ مبارک پر ضرب فرمائیں گے؟'' ارشاد فرمایا کہ ''تمہاری درخواست قبول ہے'' میں آداب بجالایا، اور میرزا مغل میرزا طغل وغیرہ دیگر شاہزادوں کو بھی گواہ بنایا جو ساتھ تھے۔

اس وقت کے علاوہ اور کئی بار ولی عہد بہادر اپنے بھائیوں، میرزا سلیمان شکوہ اور سکندر شکوہ بہادر وغیرہ کے ساتھ اس گنہگار کے غریب خانے پر تشریف لا چکے ہیں اور بیحد نوازشیں فرماتے رہے ہیں۔ اور یہ دونوں شاہزادے آجکل لکھنؤ میں رہتے ہیں۔

خاکسار کی ڈیوڑھی پر، شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ حضرت قدر قدرت کی تشریف آوری۔

ملعون غلام قادر کے ہنگامے میں، اُن دردناک حالات پر میں نے ایک تاریخی رباعی اردو زبان میں، اخرب کے وزن پر بطور قطعہ کہی تھی۔ ہنگامے کے فرو اور غلام قادر کے قتل ہونے کے بعد پھر شاہ عالم تخت سلطنت پر سرفراز و متمکن ہوئے۔ وہ مجھ پر بیش از بیش خسروانہ توجہ مبذول رکھتے تھے۔ کمال محبت اور فرزند نوازی فرماتے تھے۔ چنانچہ اسی سال عید الفطر کے دن، ازراہ نوازش چتر و تخت اور نہایت شاہانہ تجمل سے خاکسار کی ڈیوڑھی پر رونق افروز ہوئے۔ غلام قادر رھیلے کا ہنگامہ جس وقت شدید تھا اسکے دوران میں، میں نے بادشاہ زادہ میرزا اکبر شاہ ولی عہد بہادر کی معرفت، اور شہزادہ میرزا مغل اور شہزادہ میرزا طغل سلمہما کے توسط سے (جو محمد علاء الدولہ معروف بہ میرزا بابا مرحوم کے فرزند تھے، اور یہ بادشاہ سلامت کے حقیقی چچازاد بھائی) کئی عہد و پیمان استوار کر لئے تھے۔ اس موقع پر وہ عہد و پیمان یاد دلائے۔ حضرت قدر قدرت نے نہایت تسلی تشفی دی۔ اور امید دلائی کہ ضرور پورے کئے جائینگے۔ چنانچہ از سر نو وہ عہد و پیمان مضبوط اور استوار فرمائے۔ پھر نہایت الطاف کے ساتھ خاص اپنے دست مبارک سے ایک گراں قدر رقم میرے ہاتھ میں رکھدی۔ اور میری مٹھی بند فرماکر اپنے شاہانہ اخلاق سے حد درجہ مسرور و سرفراز فرمایا۔

غلام قادر کے نا مبارک حادثے کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضور اپنے "محل معلے" سے برآمد ہوے۔ اور ہماری ڈیوڑھی پر تشریف لائے تھے۔ حضرت اقدس، میرے اشعار کو بہت شوق سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ اکثر و بیشتر اپنا کلام مبارک عنایت فرماتے اور جواب لکھنے کی فرمائش ہوتی تھی۔ اسی عادت کے موافق حضور کی فرمائش پر راقم نے اپنے فارسی، ترکی، اردو کے چند شعر سنائے۔ اور وہ قطعۂ تاریخ بھی دست اقدس پر رکھدیا، جو اِس جانکاہ حادثے کے متعلق کہا تھا، قطعہ یہ ہے :

چوں من ذھب کریمتی کا مژدہ - امسال ہوا نصیب شاہ عالم
تھا فکر میں تاریخ کی، بولا ھاتف - ہے اظفری تاریخ یہ 'عالم کا غم'
۱۲۰۲

اس تاریخ میں ایک عدد زیادہ ہے۔ یعنے ایک سال بڑہ جاتا ھے۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ وہ سال ختم ہو رہا تھا، چند روز بعد ھی دوسرا سال شروع ہوگیا۔

حضرت قدر قدرت کے اُن عہد و پیمان کا ذکر جو راقم سے ہوے تھے۔

افغانیوں کے ہولناک اور مصیبت خیز ھنگامے میں جبکہ عین شدت کی حالت تھی، میں نے حضور کی قابل قدر خدمتیں انجام دی تھیں۔ اور ولی عہد بہادر نیز مرزا مغل، مرزا طغل کی معرفت ایک عرضی پیش کی تھی کہ ان خدمات کے صلے میں میرا دلی مدعا پورا کیا جائے۔ حضور نے منظوری کے دستخط فرمادئے تھے۔ وہ عرضی میں نے اپنے پاس احتیاط سے رکھہ لی تھی، وقت کا منتظر تھا۔ درخواست کا ماحصل یہ تھا کہ اگر خدا اپنا فضل فرمائے اور امور سلطنت کی باگ پھر حضور کے دست مبارک میں آئے تو اِس خانہ زاد کو اپنی خدمتوں کے صلے میں قید سلاطینی سے آزاد کیا جائے اور اُمراء کے سلسلے میں منسلک فرمایا جائے۔ راقم ہمیشہ حضور کی ہر ممکن خدمت کی بجا آوری میں سرگرم رہیگا۔ کبھی یہ تصور بھی نہ کریگا کہ سلطنت میں ہمارا کوئی حصہ ہے، نہ کبھی اپنا دامن حد ادب سے آگے پھیلائیگا اور نہ کبھی بغاوت و سرکشی کی طرف قدم بڑھائیگا۔

اِس وقت اِس سے زیادہ اُن عہد و پیمان کو تحریر میں لانا فضول ہے، طول نگاری کے سوا کوئی نتیجہ نہیں کیوں کہ :

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

حضرت قدر قدرت ظاہری بصارت سے محروم ہوجانے کے بعد بھی محض دست مبارک کے اشارے سے' عرضیوں کو اپنے دستخط خاص سے مزین فرماتے ہیں۔ ایسی چند عرضیاں راقم کے پاس بھی موجود ہیں۔ غرضکہ حضرت اقدس نے وہ تمام وعدے جو راقم سے کئے تھے' تخت سلطنت پر دوبارہ متمکن ہونے کے بعد ٹھکرا دئے۔ ایک بھی پورا نہ فرمایا بلکہ صاف انکار کردیا۔ میںنے بھی شرعی قسم کھالی کہ وعدے پورے نہ کئے گئے تو میں بھی ہرگز قید سلاطینی میں نہ رہونگا۔ اس کے بعد میں اپنے محل سے نکلا اور اُس مسجد میں آیا جو نو محلے کے قریب اور دلی دروازے سے متصل ہے۔ اب تک حضرت قدر قدرت بھی دیگر سلاطین کے ساتھہ اُسی محل میں تشریف رکھتے تھے' جس میں غلام قادر ملعون نے رکھا تھا۔ ہنوز اُس محل میں تشریف فرما نہیں ہوے تھے جو بادشاہ کے لئے مخصوص ہے۔ میں نے مسجد میں بیٹھہ کر خدا کو گواہ کر کے احمد علی خاں اور راجہ رام ولد کنور شنکر ناتھہ کی معرفت حضور میں پیام نیاز بھیجا۔ دونوں کو سخت تاکید کردی کہ خبردار! میرا پیام ضرور بالضرور حضور کے گوش گزار کردینا۔ ورنہ ضرور ایک دن ایسا آئیگا کہ بحول و قوت الہی مجھہ سے یہ جرأت عمل میں آئے گی۔ تم نے اگر اس پیام کے پہنچانے میں خیانت سے کام لیا تو تمہیں ندامت کا منہ دیکھنا پڑیگا۔ پھر میں نے اپنے جی میں سوچا کہ اس وقت میں بہادروں کی طرح اپنا دلی راز زبان پر لے آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ میری پیٹ پیچھے دغابازی سے منسوب کریں۔ اور میرے حق میں ملامت سے کام لیں۔ احمد علی خاں نے یہ بات سنکر عرض کی کہ: گستاخی معاف! شاید جناب اس قید خانے سے اُڑ جائینگے' میں نے جواب دیا: خدا کی قسم جس طرح بھی اللہ چاہیگا میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔ سننے والوں نے میری باتوں کو غصے پر محمول کیا۔ اور میری خیرخواہی کے خیال سے حضور میں کچھہ عرض نہ کی۔ آخرکار دل میں جو بات جمی ہوی تھی' ظہور میں آئی' اور جو کچھہ میری زبان سے نکلا تھا' پورا ہوکر رہا! اِن لوگوں کو پشیمانی اُٹھانا پڑی۔

چند صاحب کمال و کرامت اور ارباب استدراج کا ذکر جنھیں میں نے قلعۂ مبارک میں دیکھا تھا۔

شاہزادوں کو قید میں رکھنے کی رسم' ہمارے جد امجد یعنی حضرت

معزالدین بادشاہ (جو جہاندار شاہ عرش آرامگاہ کے نام سے معروف ہیں) کے زمانے سے، نئے سر سے زندہ ہوئی ہے۔ اُس دور سے لیکر اِس نسخے کی تحریر تک تقریباً ایک سو سال کا زمانہ ہوتا ہے، ہنوز یہی رسم جاری اور تیموری نسل پر ایک آفت کی طرح طاری ہے۔ میں خدا کو گواہ کر کے لکھتا ہوں، یہ حقیقت ہے کہ ہمارے محترم چچاؤں میں سے دو بزرگوار اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ ''ہم تیرھویں صدی کو نہ دیکھینگے۔ اِسی بارھویں صدی میں، جس میں ہم موجود ہیں، اس گوشۂ خفا سے چل بسینگے اور زیر زمیں زاویۂ فنا میں جا چھپینگے۔ خاطر جمع رکھو کہ اِس بیوفا دنیا سے ہمارے رخصت ہونے کے بعد یقیناً تم لوگ اس قید سے نجات پاؤگے۔ اور اپنے دلی مقاصد کو پہنچوگے۔'' ہم لوگ اُن سے یہ پوچھتے کہ بھلا یہ غیر ممکن بات ظہور میں کیوں کر آئیگی تو جواب دیتے کہ اِن جزئی باتوں کا علم صرف اس ذات خدا کو ہے جو تمام مخفی اور راز کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جو کچھ اِن بزرگوں نے ارشاد فرمایا تھا، وہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں دو تین سال باقی تھے کہ میرے چچا نے انتقال کیا اور جوار رحمت الٰہی میں پناہ لی۔ پھر سنہ بارہ سو شروع ہوتے ہی ماہ محرم الحرام کی ۲۸ تاریخ کو میرے والد بزرگوار نے اس دار فانی سے روضۂ نعیم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔ وفات جس وقت ہوی ہے، شب جمعہ کے تین پہر گزر چکے تھے، اور وہ شاہ جہاں آباد کی اسی قید سلاطینی میں اسیر تھے۔ جناب کا اسم گرامی سلطان محمد ولی اور عرف منجھلے صاحب تھا۔ خدا اُن کی اور اُن کے ماں باپ کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ میں نے حضرت مرحوم کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ کہا تھا، جو درج کیا جاتا ہے۔ قطعہ:

گر تو تاریخ وفات آں ولی را طالبی
برکن از تاریخ هر دو حرف علت اظفری!*

در محرم، هم شب آدینه دنیارا گذاشت
روز جمعه شد بخواب اندر مزار انوری

---

* معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعۂ تاریخ بعد کو کہا گیا ہے کیوں کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس وقت اظفری کا تخلص ظہور تھا۔

اُسی زمانے میں، ایک بزرگ محمد پناہ نامی تھے۔ انھوں نے بھی والد مرحوم کے حادثۂ وفات پر چند شعر کہے تھے، جو درج ذیل ہیں:

آں ولی حق ز حق آگاہ شد - پیش حق باعزت و با جاہ شد
بسکہ کامل بود در تقویٰ و دیں - با خدا و مصطفےٰ آگاہ شد
در شریعت، در طریقت مستقیم - در حقیقت عارف باللہ شد
در عبادت، در ریاضت بے نظیر - در سخاوت فی سبیل اللہ شد
دائما در ذکر حق مشغول بود - روز و شب وردش کلام اللہ شد
گر بخوانی جملہ اش اسم شریف - با محمد آں ولی همراہ شد
از جہان بیوفا چوں ایں سفر - روز آدینہ محرم ماہ شد
یک هزار و دو صد از هجری گزشت - کاں ولی در سوے جنت راہ شد
جسم پاکش چوں فرو رفتہ بخاک - خلق راچوں یوسف اندر چاہ شد
روح پاکش عالم بالا گرفت - بر سپہر هفتمیں چوں ماہ شد
دوستاں را از فراق آں ولی - سوز دل، اشک رواں، پر آہ شد
گر همی پرسی مرازیں واقعہ - بر دل من سخت غم جانکاہ شد
لیک جز صبرے نہ دیدم چارۂ - چونکہ هریک را گذر زیں راہ شد
بہر تاریخ وفات آں ولی - بندہ را سوے خدا دل خواہ شد
گفت هاتف سال تاریخ وفات - داخل جنت ولی اللہ شد

اُنہیں بزرگ کا ایک تاریخی شعر یہ ھے:

اے آنکہ تو بر جمال حق شیدائی - تاریخ وصال از رخت پیدا شد
۱۲۰۰

غرضکہ والد مرحوم کی وفات کے تین سال دو ماہ بعد هم کو قید سلاطینی سے نجات ملی اور جس طرح ملی اس کا تفصیلی بیان اس مختصر کتاب میں درج ھے۔

ایسا هی اور ایک واقعہ: اس زمانے میں میاں غلام چشتی ایک باکمال درویش تھے۔ اپنی رهائی سے سات سال پہلے هم چند نوجوان بھائیوں نے حکیم عنایت اللہ کی معرفت، اپنی تمنائے رهائی کے متعلق اِن بزرگ سے سوال کیا کہ آیا هماری رهائی هوگی یا نہیں۔ اِن بزرگ نے حکیم صاحب کے ذریعے جواب بھیجا کہ: ایسا معلوم هوتا ھے، آج سے سات سال بعد دهلی اور اُسکے بادشاہ پر کوئی سخت آفت آنے والی ھے۔ ایسی سخت مصیبت کہ سلطنت

تیموریہ کے آغاز سے لیکر ابتک ایسی مصیبت کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ اِس ہولناک آفت کے دوران میں ہر چھوتے بڑے پر زلزلے سے پڑینگے۔ قلعے کی دیواریں اور کنگرے تک ہل جائینگے۔ ممکن ہے کہ گر بھی جائیں۔ سلطنت کے تمام نظم و نسق میں تغیر رونما ہوگا۔ بلکہ تہ و بالا ہو جائیگا۔ اِن حوادث کے بعد تم نجات پاؤ گے، اور اپنی مراد کو پہنچوگے۔ راقم نے اس خوش خبری کی تاریخ ایک کتاب کی پشت پر لکھہ کر رکھہ لی۔ آخر غلام قادر افغان کا ہنگامہ رونما ہوا اور اسکے بعد مجھے قلعے سے بھاگ نکلنے کا موقعہ ملگیا۔ پھر میرے فرار اور اس ہنگامے کی بدولت سب شاہزادوں کی رہائی ہوئی۔ یہ سب حالات ٹھیک اُسی تاریخ کے موافق ظہور میں آے، جو درویش موصوف نے بتائی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اِس نامبارک واقعے سے چند روز پہلے درویش موصوف اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ

مجھے خوب یاد ہے، والد ماجد کی وفات کے چند روز بعد ایک دبلے پتلے مرتاض درویش کسی تقریب سے ہماری ڈیوڑھی پر آنکلے۔ ان کا نام شاہ عظیم تھا۔ مجھہ عاصی پر بہت توجہ فرماتے رہتے تھے۔ رمضان کا مہینا تھا، ایک روز اُنہوں نے مجھے تنہا پاکر فرمایا کہ: ''آپ کے لئے ایک تحفہ لایا ہوں''۔ میں نے پوچھا: کیا چیز ہے، اور اسکے فوائد کیا ہیں؟ فرمایا کہ جو چاہو اس سے کام لے سکتے ہو۔ میںنے کہا: میرا تو اہم مقصد یہ ہے کہ کسی طرح قید سلاطینی سے رہائی ہو اور اپنی مراد کو پہنچوں۔ ارشاد ہوا کہ یہ سب ممکن ہے۔ پھر میںنے کہا: الحمد للہ یہ تو بڑی غیر مترقبہ نعمت ہے، اچھا تو عنایت فرمائیے۔ شاہ صاحب نے کہا: آپ ہمیں اس کا کیا صلہ دینگے۔ میںنے کہا: جو کچھہ جناب فرمائیں۔ مسکراکر شاہ صاحب نے فرمایا کہ: ہم تو اس زمانے تک زندہ نہیں رہینگے۔ اس جواب سے میں یہ سمجھا کہ غالباً ابھی ہماری رہائی میں طویل مدت باقی ہے۔ بیتاب ہوکر پوچھا کہ: تو کیا عاصی کے حصول مقصد میں ابھی بہت دیر ہے؟ فرمایا: نہیں آپ بہت جلد نکل جائینگے۔ میں نے پوچھا: تو کیا آپ اس سے بھی پہلے دنیا سے کوچ کر جائیں گے، ایسا ہوا تو میں اپنی کامیابی کے بعد آں جناب سے کیوں کر سلوک کر سکتا ہوں؟ فرمایا کہ مجھہ فقیر کی ایک بیٹی اور اس کا شوہر منصف علی خاں نامی موجود ہیں-

میری عوض اُن پر نظر کرم رهے۔ جو کچهه خدا توفیق دے، اُنهیں پهنچاتے رهئیگا۔ میں نے قبول کرلیا۔

اس گفتگو کے بعد اِن بزرگ نے عمل سکھایا اور یہ بھی کہا کہ میں نے اس کو عمل میں لانے کے لئے جو جو نزاکتیں بیان کی هیں، ان سب کا ضرور خیال رهے۔ میری هدایات کے موافق اگر پڑها تو ضرور آپ اپنے مدعا کو پهنچینگے ورنہ نهیں۔ اور یہ اسم جمالی هے، جلالی نهیں، کسی صورت بھی آپ کو ضرر نہ پهنچیگا۔ عمل سیکهہ لینے کے بعد میں نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ عمل مجھے هبہ کیا؟ کہا کہ نهیں بلکہ رخصت دی هے۔ تین بار میں نے هبہ کے لئے پوچھا، مگر تینوں بار اُنهوں نے یهی کہا کہ نهیں رخصت دی هے۔ پھر فرمایا کہ اجازت بھی نهیں صرف رخصت هے۔ آپ جانتے هیں رخصت اور اجازت میں کیا فرق هے؟ میں نے کہا نهیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ صرف آپ کرسکتے هیں، دوسروں کو نہ سکھائیں۔ اجازت دیدیتا تو آپ اوروں کو سکھانے کے حقدار اور مختار هوجاتے۔

راقم نے اِن باتوں کو فضول بکواس پر محمول کیا، کہ ظاهری فقیروں اور عام بھک منگوں کی یهی عادت هوتی هے۔ لیکن اس بات چیت کو دو مهینے هی گزرے تھے کہ شاہ صاحب کا انتقال هو گیا۔ یہ خبر سنکر میں هشیار هوا اور دل میں سوچا کہ بیشک یہ شخص پکّا ولی تھا۔ دو مهینے پہلے مجھے اپنی موت سے آگاہ کر گیا۔ اُس اِسم اعظم کا اثر بھی غالباً ضرور هوگا۔ تاهم اِس وجہ سے عرصے تک عمل موقوف رها کہ اُس کے وقت کی تعیین میں بڑی دشواری تھی، ورنہ پڑھنے اور کرنے میں تو آسان تھا۔ غرض رهیلے کا هنگامہ سر پر آگیا۔ عام طور پر یہ خبر پھیل گئی کہ غلام قادر خاں، شاہ عالم بادشاہ کے بیٹوں کے ساتھہ دوسرے دولت مند اور ذی عزت شاهزادوں کو بھی پکڑ کر لے جانے والا هے۔ یہ خبر سنکر سب پریشان تھے۔ اکرم احمد خاں عرف مرزا مغل اور محمد عبدالمقتدر عرف مرزا طغل دونوں شاهزادے مجھہ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے اور نازک معاملات میں مجھپر بھروسا کرتے تھے۔ اُنهوں نے یہ وحشتناک خبر پاکر، مخفی طور پر مجھے لکھا کہ "اے همارے یارِ غمگسار! آپ کے پاس جو عمل هے اُسے همارے کام میں لائیے، تاکہ رهیلا دوسرے شاهزادوں کے ساتھہ همیں قلعے سے نہ لے جائے۔" میں نے اُن کے اصرار پر عمل اسم اعظم شروع کردیا۔ خود بھی اسکا اثر دیکھنا اور آزمانا تھا۔ خدا کے فضل

سے کچھہ ایسا مؤثر نکلا کہ رھیلا دوسرے شاھزادوں کو لے گیا مگر اِن دونوں
کو ذرا سی حرکت بھی نہ دی. حالانکہ یہ بھی بڑے عزت دار اور دولت
مند مشہور تھے. یہ اثر دیکھکر میری ھمت اور بڑھی- اور اپنے مقصد کے لئے
سرگرم ھوگیا. چند روز بعد پھر رھیلا آیا، اُدھر اُس نے سلاطین، شاھی محل، اور
قلعے کے رھنے والوں کو لوٹنا شروع کردیا، ادھر راقم نے اپنے اھل وعیال کی
عزت، بچوں کی جانیں، اور اپنا مال و اسباب بچانے کے لئے دوبارہ یہ عمل
شروع کیا. خداے برتر کا ایسا فضل ھوا کہ ھماری آبرویں، اور بال بچوں کی
جانیں، سب محفوظ رھیں. ھمارا تمام مال و متاع بھی سلامت رھا، کچھہ
نقصان نہیں پہنچا. اس اجمال کی تفصیل اس مختصر نسخے میں دشوار اور
باعث طول ھے. غرضکہ جب میں مکرر اس عمل کا اثر دیکھہ چکا تو پورا اطمینان
ھوگیا. اور اس ھنگامے کے فرو ھونے کے بعد نکل بھاگنے کیلئے پھر شروع کی.
دو تین چلّوں کے بعد ھی اس کے اثر کی برکت سے دشواری آسان ھوگئی.
ابتو مجھے یقین ھوگیا کہ ضرور وہ بزرگوار کامل ترین اولیاءاللہ میں سے تھے.
صورت میں انسان لیکن سیرت میں فرشتہ تھے. اُن کی ذات گرامی
بہت سی عمدہ صفات اور پسندیدہ اخلاق کی حامل تھی. کتب آثار میں
جو صفتیں میں نے اولیاے سلف کی دیکھی اور پڑھی ھیں، وہ ان میں پائی جاتی
تھیں. یہ بات تو خاص طور پر پائی کہ کبھی انھوں نے اپنی زبان کسی شخص
کی مذّمت سے آلودہ نہ کی- ادنیٰ ھو کہ اعلیٰ، مردہ ھو یا زندہ لیکن کبھی
کسی کی غیبت اُن کی زبان سے نہیں سنی گئی- جب کبھی بات چیت یا زید،
عمرو کے ذکر اذکار میں کسی کے عیب اور برائی کا کچھہ ذکر آجاتا تو فوراً خاموش
ھوجاتے اور فرماتے تھے کہ فلاں کیا اچھا آدمی تھا، یا کیا اچھا انسان ھے.
غرضکہ اُن میں بہت سی عمدہ صفات تھیں، مگر میں طول کتاب کے خوف سے
لکھنا مناسب نہیں سمجھتا. [رحمۃ اللہ علیہ] قلعے سے نکلنے کے بعد سے لیکر
آج تک پھر کہیں میں نے ایسا صاحب کمال نہ دیکھا. اتفاقاً اگر کبھی کسی
بزرگ کا ذکر سنا تو اپنے قدیم ذوق کی بنا پر فوراً اُن کی ملاقات کو پہنچا،
مگر سچ تو یہ ھے کہ ریا کی بو اور طلب دنیا کے سوا کچھہ نہ پایا. آخر اپنی
لغو حرکت پر نادم ھونا پڑا-

اور ایک واقعہ

جس زمانے میں جے پور کے راجہ سے خط و کتابت، اور اُس کے ذریعے عہد و
پیمان مضبوط ھو رھے تھے، میں خفیہ طور پر اپنے فرار ھونے کی فکر میں لگا ھوا تھا،

تو اِسی قسم کے ایک اور کامل نجومی سے ملنے کا اتفاق ہوا- یہ شخص سرکار والا کے فوجی توپ خانے میں نوکر تھا، مہتاب رائے اُسکا نام تھا۔ وہ کسی تقریب سے ایک روز ہماری ڈیوڑھی پر نکل آیا۔ سرسری طور پر میں نے اُس سے پوچھا کہ: سنتا ہوں آپ نجوم خوب جانتے ہیں، اچھا یہ تو بتائیے کہ اِن دنوں ہماری قسمت کا ستارہ کس حالت پر ہے؟ اِس نے پہلے تو ایک تنکے سے طلوع آفتاب کی بلندی ناپی، پھر کاغذ کے ایک پرزے پر میرا نام اور سوال سے میرے طالع کا زائچہ نکالکر لکھا۔ پھر اُس کو دیکھہ کر ہنسا اور کچھہ سوچنے لگا۔ میں نے پوچھا کہ بتاؤ تو کیا پتہ چلا۔ اُس نے جواب دینے میں ذرا توقف سے کام لیا۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید زائچے میں طالع کی کمزوری نظر آئی، جبھی یہ بتانا نہیں چاہتا، خاموش ہے۔ پھر میں نے کہا: تمہیں اپنے دھرم کی قسم ہے، جو کچھہ بھی نجوم کی روسے معلوم ہوا ہے، صاف صاف کہدالو، اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہ کرو۔ نجومی کہنے لگا "کیا کہوں، جس شخص کے طالع میں تین ستارے حالت شرف میں ہوں، وہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اِس وقت آپ کے طالع کے ڈھائی ستارے مقام شرف میں ہیں۔ وزارت کے درجے سے ترقی کر چکے ہیں۔ اِس عرصے میں جناب والا اگر ارادہ کریں گے تو سلطنت بھی مل جائیگی۔ اس سے زیادہ میں کیا کہوں"- میری سمجھہ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ قید سلاطینی میں یہ صورت کیوں کر ممکن ہے۔ کیوں کہ اس قید خانے میں تو لفظ سلطنت بھی زبان سے نکالنا نہایت خطرناک اور بڑا جرم ہے۔ خواجہ سرا اور شاہی پیادے ہم پر مسلط ہیں، جو ہر وقت حاضر اور ہماری نگاہیں تاڑتے رہتے ہیں۔ یہ سوچکر میں بجائے خود خوف زدہ سا ہوگیا۔ اور بات کا رخ پھیر کر اُس سے کہا: "میاں! ہم سے کیا دل لگی کرتے ہو، ہم قیدیوں سے اس قسم کے مذاق کی باتیں اچھی نہیں، دیوانے تو نہیں ہوگئے ہو، جو اس طرح کی لغو باتیں بک رہے ہو۔ خدائے تعالیٰ شاہ عالم بادشاہ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ یوں بھی گویا یہ سلطنت ہماری ہی ہے۔" یہ کہہ کر جھٹ پٹ پان کا بیڑا دے کر نجومی کو رخصت کیا اور اب میں اِس نیک فال کے انتظار میں رہنے لگا۔ آخر یہی ہوا کہ دو مہینے کے قلیل عرصے میں مجھے قلعے سے نکل بھاگنے کا موقعہ مل گیا۔ جے پور اور جودھپور کے راجاؤں نے میرے لئے تخت اور چتر بھی بنوائے اور بہت قابل قدر خدمتیں انجام دیں۔

ایسا ہی اور ایک واقعہ

جس زمانے میں اس گمنام کے والد ماجد اور کئی محترم چچا، اس زندگی مستعار کی قید میں تھے، میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ علامۂ روزگار تھی. فارسی علوم اور قدرے عربی میں بھی دخل رکھتی تھی. علم تکسیر میں بے نظیر تھی، شکستہ خط خوب لکھتی تھی، اور اپنے کو سیدانی بتاتی تھی. اتفاق سے کٹنیوں کے فریب میں آکر، ہمارے چچیرے بھائیوں میں سے ایک صاحب نے اسکی بیٹی کے ساتھہ نکاح کرلیا. لیکن چند ہی دنوں میں میاں بیوی میں ان بن ہوگئی، رات دن لڑائی جھگڑے رہنے لگے. یوں تو اس نااتفاقی کے اور بھی بہت سے اسباب تھے. مگر سب سے بڑی وجہ دولھا کی ماں کی بد مزاجی اور سختی تھی۔ اکثر عورتوں کی عادت ھے کہ اپنی بہو کے ساتھہ دشمنی کرنے لگتی ھیں، جھگڑے فساد کراتی رھتی ھیں میاں بیوی میں اختلاف پیدا کرانے سے کبھی چوکتی ھی نہیں، بہو ساس کے گھر میں آئی اور فتنوں کا دروازہ کھلا۔ غرض اُدھر یہ سختی تھی، اِدھر دلھن کی ماں اور خالہ اپنی بیٹی کی حمایت پر اُتھہ کھڑی ہوئیں۔ یہاں تک کہ چند مہینے کے بعد ھی اپنے داماد کو خفیہ طور پر زہر دیکر مارڈالا اور ایک ھی رات میں ہمیشہ کیلئے دفع کردیا۔ بڑی عجیب بات یہ ھے، جو ھماری سمجھہ میں نہیں آتی کہ خدا جانے کس فریب یا جادو، یا علم تکسیر کے زور سے اُسی رات مرحوم کی ماں، باپ، بھائی اور چچاؤں کو کچھہ ایسا رام کیا کہ مرحوم کے دفن ہونے تک سبکو اپنی بیٹی کا مطیع بنالیا۔ حالانکہ دفن میں زیادہ سے زیادہ آدھا دن صرف ہوا ہوگا۔ مطیع بھی ایسا کہ ھر ایک کی طبیعت بس دلھن کی رضاجوئی اور خوشنودی پر متوجہ تھی۔ مرنےوالے کا غم بالکل بھول گئے تھے کئی ھفتے تک میلے یہ رنگ دیکھا تو مجھے بڑا تعجب ھوا۔ آخر ایک روز مرحوم کی ماں سے پوچھا کہ آپ نے اتنی جلدی اپنے پیارے بیٹے کا غم کیوں کر بھلادیا۔ جس بہو سے رات دن لڑائی جھگڑا رھتا تھا، جوان بیٹے کے مرتے ھی اُس کی اس قدر مطیع ھوگئیں، اور خوش خوش زندگی بسر کررھی ھیں۔ یہ کیا ماجرا ھے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "میں تم پر واری! روئے اور غم کرے تو وہ جس کا بیٹا مرگیا ھو، میں خداکی قسم کھا کر کہتی ھوں کہ میرا بیٹا تو روزانہ رات کو خوب بن ٹھن کر اپنے گھر آتا ھے اور مرصع چھپرکھٹ پر دلھن کے ساتھہ سوتا ھے۔ قسم قسم کے کھانے اور طرح طرح کے میوے مہیّا رھتے ھیں۔ ھم بھی کھاتے اور خوش ھوتے ھیں"۔ رفتہ رفتہ راقم

نے دیکھا کہ اِس ظالم کے جادو یا عمل تسخیر کا اثر اس درجے تک پہنچا کہ بہادر شاہ بادشاہ کے بیٹے شہزادۂ رفیع‌الشان کی بیٹی بھی اُس کی تعظیم کے لئے اُٹھہ کھڑی ہوتیں اور ادب سے سلام کرتی تھیں - یہاں تک کہ یہ جادو بھری باتیں مزے مزے کے ساتھہ نقل ہو ہوکر حضرت قدر قدرت کے کانوں تک بھی پہنچیں- بادشاہ بھی متأثر ہوے اور اُس کی منہ مانگی مرادیں پوری کر کے اُسے قلعۂ مبارک سے باھر نکلوا دیا- یہ قصے بہت طول چاھتے ھیں- اِس مختصر کتاب میں اِن کی گنجائش کہاں-

<u>ایساھی اور ایک واقعہ</u>: مرزا مغل اور مرزا طغل کے والد ماجد شاھزادہ مرزا بابا علاءالدولہ کی وفات کے بعد' کم و بیش ایک ھفتے کے اثنا میں یقین شاہ نامی ایک پردیسی جادوگر و عزیمت خواں یہاں آیا- بعض تقریبات کے سلسلے میں اس کی رسائی قلعۂ مبارک میں بھی ہوگئی- یہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا- اپنے مکر و فریب اور شعبدہ بازی کی بدولت مرزایان موصوف اور راقم کی ڈیوڑھی پر بھی آپہنچا اور اپنی کرامتیں دکھانے لگا- مگر یہ کرامتیں نہیں بلکہ حقیقت میں استدراج تھیں- اس کی بہت سی عیّاریوں میں سے اِس وقت ایک شعبدہ یاد آیا وہ حوالۂ قلم کرتا ہوں:

"ایک رات مرزایان مزکور نے اپنے مرحوم باپ کو خواب میں بالکل برھنہ دیکھا- بہت متفکر ہوے اور صبح اس مکّار سے اپنے خواب کی تعبیر چاھی- اِس نے کہا کہ مرحوم کے جوڑوں میں سے کچھہ کپڑے کسی بزرگ فقیر کو دیدیجئے- اُنھوں نے ایسا ھی کیا- مگر دوسری رات کو پھر دونوں نے اپنے باپ کو خواب میں ویسا ھی ننگا دیکھا- صبح کو پھر اسی عیار سے تعبیر پوچھی- اس نے جواب دیا کہ آپ لوگوں نے جس شخص کو مرحوم کے کپڑے دیے ھیں وہ غالباً مستحق نہ ہوگا' کسی اور کو دیجئے- جو اس سے زیادہ بزرگ اور صاحب کمال ہو' تب ضرور آپ اپنے والد مرحوم کو لباس پہنے ہوے دیکھینگے- دونوں عزیز بیٹوں نے مرحوم کے لباس فاخرہ میں سے چند کپڑے نکالکر اُسی کی خدمت میں پیش کئے' اور کہا کہ ھمیں تو جناب سے بہتر کوئی اور بزرگ نظر نہیں آتے- آپ ان کو قبول فرمائیے- بیحد اصرار کے بعد شاہ یقین نے وہ کپڑے لے لئے' اور اپنے گھر رکھہ آیا- اِسی رات دونوں مرزاؤں نے خواب میں دیکھا کہ مرحوم باپ وھی لباس پہنے ہوے ھیں- ابتو وہ بہت خوش ہوے اور صبح ہوتے ھی یہ خواب اپنے عزیزوں کو سنایا- سب کے سب خوش اور

مسرور ہوے' اور اس مکار کے زیادہ عقیدت مند ہوگئے- دوسری رات پھر مرحوم خواب میں نظر آئے' اپنے بیٹوں سے اپنی تلوار اور دوسرے ہتھیار طلب کئے اور کہا کہ جو کچھہ تم یقین شاہ کی معرفت میرے نام بھیجوگے' اُسی وقت مجھے پہنچ جائیگا- صبح ہوتے ہی اِس خانہ خراب کی ہدایت کے موافق فرزندوں نے باپ کے سب ہتھیار اُسی عیار کے پاس پہنچادئے- القصہ جو کچھہ مکر و فریب وہ جانتا تھا' سب کرڈالے- متوفیٰ کا تمام قیمتی سامان' اور نقد روپیہ اُن کے وارثوں سے گھسیٹ لیا- اِس کے بعد جو کچھہ سرمایہ مرزا مغل کے پاس تھا' وہ بھی اِس کے فریب میں آکر کھو بیٹھے- اپنے آپ کو اُس کے ہاتوں بالکل مفلس بنالیا،،-

یقین شاہ کا دستور یہ تھا کہ وہ ہمیشہ دھلی کے تمام مشائخ کی ہجو کرتا رھتا' بلکہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی حددرجہ بیہودگی اور حقارت کا اظہار کیا کرتا تھا- یوں وہ اپنی عقیدت اور ارادت بڑھاتا رھتا تھا- اس کا یہ اثر ہوا کہ مرزا مغل' مرزا طغل اور اُن کی بہن فقیرہ بیگم عرف جیونا بیگم کی طبیعتیں دھلی کے دوسرے بزرگوں مثلاً خواجہ میر درد' مولانا فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی عقیدت سے ایسی برگشتہ ہوگئیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں بزرگوں کا کچھہ مرتبہ ہی نہ رہا-

یاد رہے کہ مرزا مغل و مرزا طغل رشتے میں گو میرے چچا ہوتے ہیں- لیکن دونوں اپنے ذاتی نازک معاملات اور راز کی باتوں میں ہمیشہ مجھہ سے مشورہ لیتے تھے- ترکی زبان سمجھنے اور اپنے طبع زاد اشعار کی اصلاح کیلئے بھی میری ہی طرف رجوع کرتے تھے- مگر اس نامبارک دنوں میں جبکہ اِن پر یقین شاہ کا اثر تھا- میرے ساتھہ اِن دونوں کا وہ سلوک نہ رہا- پھر بھی میں انہیں اس مکار سے ہشیار رہنے کی تاکید اور نصیحت کرتا رھتا تھا- یہ خبر اُس مردود کو بھی پہنچ گئی- وہ میرا جانی دشمن ہوگیا اور اک دم مجھہ سے ملنا جلنا ترک کردیا- تاہم مرزا مغل ومرزا طغل مجھے برابر متواتر خط لکھتے اور روزانہ آگاہ کرتے رھتے تھے کہ آج شاہ صاحب کی یہ کرامت دیکھی' اور کل یہ معجزہ مشاھدے میں آیا- آپ ہی فرمائیے پھر ہم شاہ صاحب کے کیوں کر معتقد نہ ہوں- ایک روز مرزا مغل نے مجھے لکھا کہ: اے ہمارے دوست شاہ صاحب کی بہت سی کرامتیں دیکھنے میں آئیں- اُن میں سے ایک یہ ہے کہ جو تماشا میں دیکھنا چاھتا ہوں' شاہ صاحب سے کہتا ہوں' وہ ایک

تعویذ دیتے ھیں- اور ھمیں اسکے عمل میں لانے کی ترکیب بتاتے ھیں- اُن کی سمجھائی ھوی ترکیب کے موافق ھم ایک حجرۂ خلوت میں بیٹھکر عمل کرتے ھیں- تو سیکڑوں سفید و سیاہ رنگ کے پستہ قد آدمی نظر آتے ھیں- اور عجب عجب تماشے دکھاتے ھیں- جس رات ھمارا جی چاھتا ھے شاہ صاحب کی ھدایت کے موافق عمل کر کے یہ تماشے دیکھہ لیتے ھیں- 'استغفراللہ منہا' غرض اس خبیث کا استدراج بار بار دیکھہ کر مرزاؤں کا اعتقاد اِس درجے کو پہنچ گیا کہ مرزا مغل بے اختیار اسکے مرید ھوگئے- لیکن ابھی مرید ھوے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ یکایک دونوں بھائیوں کی آنکھیں کھلیں- عقیدت اور ارادت' عداوت و نفاق سے بدل گئی- دوستی' دشمنی کی حد تک پہنچ گئی- ناگاہ مجھے مرزا مغل کا ایک نہایت طویل خط ملا، جو انھوں نے خفیہ طور پر ترکی زبان میں لکھکر کمال احتیاط کے ساتھہ ناظر عنایت رسول خاں کے ھاتھہ میرے پاس بھیجا تھا- اس خط کا لفظ لفظ اور حرف حرف بے ایمان شاہ یقین کی شعبدہ بازی و عیاری کی شکایت' دغابازی اور ابلہ فریبی کے گلے سے بھرا ھوا تھا- اُنھوں نے لکھا تھا کہ: اے یار غم گسار! اس عیار کے جادو کا اثر اب ھم سے دور ھوچکا ھے' ھم سمجھہ گئے کہ اُس مردود نے ناحق ھمارا حال برباد کیا- اب ھماری جان لینے کا ارادہ رکھتا ھے- اِس وقت ھماری بڑی بہن قتلق بیگم عرف جیونا بیگم کو مالدار دیکھکر فریب میں لایا ھے- جو مرزا جواں بخت ولی عہد بہادر کی محل خاص ھیں- ھر روز اُن کا مال اُڑائے لئے جاتا ھے- خدارا جس طرح بھی ھوسکے اس موذی کو شہر سے دفع کرائیے- ورنہ اگر یہ راز ظاھر ھوگیا تو ھماری جانوں کی خیر نہیں''-

بات یہ ھے کہ جیونا بیگم کے شوھر میرزا جواں بخت ولی عہد بہادر' بادشاہ کی بغیر اجازت قلعۂ مبارک سے فرار ھوکر چلدیے تھے' اور اِن دنوں لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے- جیونا بیگم اپنے شوھر سے ملنے کے لئے دیوانہ وار بیقرار تھیں- وہ چاھتی تھیں کہ خواہ کتنا ھی زیادہ روپیہ خرچ ھو' مگر وہ کسی طرح اپنے شوھر کے پاس پہنچ جائیں- عورتوں کے مذھب کے موافق وہ ھر وقت تعویذ گنڈوں کی تلاش و طلب میں' پیرزادوں کی طرف متوجہ رھتی تھیں- مکار شاہ یقین حقیقت حال کو تاڑ گیا- اُس نے بیگم صاحبہ موصوفہ سے سوال و جواب کر کے اقرار کر لیا کہ میں رات کے وقت غیبی موکلوں کے ذریعے آپ کو لکھنؤ پہنچاے دیتا ھوں- یہ میرا ذمہ ھے- اس حیلے سے تقریباً سال بھر تک

اُن کو طرح طرح کے شعبدے دکھاتا اور لکھنؤ پہنچانے میں ٹال مٹول کرتا رہا۔ اس سلسلے میں اُس نے بیگم صاحبہ کی سرکار سے ایک بڑی رقم کھینچ لی اور خوب مالدار بن گیا۔ آخری استدراج یہ تھا کہ ایک روز اُس نے بیگم صاحبہ کو ایک تعویذ دیا۔ اور ترکیب بتائی کہ اس طرح عمل کر کے آدھی رات کو پیچھے کے کوٹھے پر اپنے سونے کے پلنگ پر اپنا جڑاؤ زیور اور ضروری گراں قدر سامان جتنا بھی پلنگ پر سماسکے، لیکر بیٹھہ جائیے۔ اور ہرگز خوف نہ کھائیے، خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے کہ غیبی موکل کیوں کر آتے ہیں۔ اور پلنگ سمیت آپ کو لے جاکر منزل مقصود پر پہنچاتے ہیں۔ جب رات ہوی تو بیگم صاحبہ اس مکار کی ہدایت کے موافق تیار ہوگئیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ پلنگ چھت کی سطح سے کوئی ایک گز بلند ہوا۔ مگر پھر اُتر کر وہیں آگیا۔ اِسکے بعد وہ دیر تک اِس امید و انتظار میں رہیں کہ اب پلنگ روانہ ہوتا ہے، مگر پھر کچھہ نہ ہوا۔ صبح ہوتے ہی بیگم صاحبہ نے رات کا سارا ماجرا لکھکر اُس مکار کے پاس بھیجا، اُس نے جواب دیا کہ میں نے جو طریقے بتائے تھے، ضرور آپ سے اُن میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ خیر کچھہ مضائقہ نہیں، گھبرائیے نہیں، میں پھر آپ کی خاطر اپنے اوپر اور ایک چلّے کی محنت اُٹھاتا ہوں اور جلد آپ کو منزل مقصود پر پہنچادیتا ہوں۔ اِس کے بعد بیگم صاحبہ سے دس روز کیلئے سفر کی اجازت لیکر کسی طرف چلدیا۔ اور ایسا غائب ہوا کہ ہرچند بیگم صاحبہ نے لوگوں کو تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑایا مگر کہیں اُسکا پتہ نشان نہ چلا، سب ناکام و نامراد واپس آئے۔

علم تکسیر کے جاننے والے کہتے ہیں کہ اِس فن کی کتابوں میں گوشت وغیرہ کھانا ممنوع لکھا ہے۔ لیکن اِس مکار کو جب دولت نصیب ہوئی تو یہ گوشت وغیرہ کھانے سے باز نہ رہ سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا عمل کامیاب نہ ہوا۔ اور جب اِس نے یہ دیکھا کہ اب کچھہ نہیں ہوسکتا پردہ فاش ہونے والا ہے تو کہیں بھاگ گیا، اور آرام سے کسی گوشۂ گمنامی میں جاچھپا۔ میں اگر مکار کی پوری پوری حقیقت لکھوں تو ایک مستقل کتاب مرتب ہوجائے گی، اور بہت طول ہوگا۔ اِن واقعات کے دھرانے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ جب سے میں قلعۂ مبارک سے نکلا، پھر کہیں کوئی ایسے کمالات والا آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔ نہ علم علوی میں اور نہ علم سفلی میں۔ البتہ فسانوں کی طور پر بہت کچھہ سننے میں آیا۔

ایسا ہی اور ایک واقعہ: حضرت خواجہ ابوالعلاء خواجہ محمد ماہ اور خواجہ نوراللہ نقشبندی، اکبر آبادی رحمۃاللہ علیہم بڑے کامل و بزرگ اولیاء اللہ گزرے ہیں- اِن حضرات کی کرامتوں اور خرق عادات کے تذکرے متأخرین مصنفوں کی کتابوں میں بہت کچھ مذکور اور مشہور ہیں- اِس مختصر کتاب میں اُن کے بیان کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجایش- میری والدۂ ماجدہ اِنھیں بزرگوں کی اولاد میں تھیں- اکثر اوقات اس قسم کی کرامتوں کی باتیں حضرت والدۂ ماجدہ اور دوسری عصمت مآب مستورات سے متواتر سرزد ہوتی رہتی تھیں- خاصکر نواب تاج محل بیگم صاحبہ سے جو محمد شاہ فردوس آرام گاہ کی محل عالیہ اور میری والدہ کی نانی تھیں- اِن خواتین کی عصمت و عفت کے متعلق عجیب عجیب روایتیں ہیں- اُن میں سے صرف ایک واقعہ لکھتا ہوں- میں نے یہ واقعہ اپنی والدۂ ماجدہ کے ماموں اور بیگم صاحبہ موصوفہ کے حقیقی بھانجے سے سنا ہے- وہ کہتے تھے کہ "ہماری خالہ صاحبہ نواب تاج محل مرحومہ نے اپنے بیٹوں، حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد میں سے کسی دودھ پیتے بچے تک کو اپنی گود میں نہیں لیا- وہ فرماتی تھیں کہ مجھے مرد کی ذات سے حیا آتی ہے- ننھا اور کمسن بچہ ہی کیوں نہ ہو- اپنے بالغ ہونے سے مرنے تک کبھی بیگم صاحبہ نے، کسی حکیم کو اپنی نبض اور قارورہ نہیں دکھایا- جس وقت وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئیں، اُن کے بیٹے احمد شاہ بادشاہ کا عہد حکومت تھا- فرزند عزیز نے جناب عالیہ کے حضور میں عرض کی کہ اِس وقت حکیموں کو نبض دکھانا ضروری ہے تاکہ ٹھیک علاج ہوسکے تو فرمایا کہ اے نور چشم! میری ساری عمر اس طرح گذری ہے کہ تمھارے والد مرحوم کے سوا کبھی کسی غیر مرد کا ہاتھ میرے ہاتھ کو نہیں لگا- اب کہ زندگی کا آخری وقت ہے، خدا نہ کرے ایسا ہو- اتنا فرمایا اور اپنی جان عزیز خازنان بہشت کے حوالے کردی"-

ایسی ہی عصمت و عفت میں نے اپنی آنکھہ سے، اپنی والدہ ماجدہ کی دیکھی ہے- مجھے یاد نہیں کہ کبھی اُنھوں نے اپنے بھتیجوں کو محبت سے گود میں لیا ہو- بلکہ لڑکے جب چار سال سے زیادہ عمر کے ہوتے تھے تو اُن سے اپنا چہرہ چھپانے لگتی تھیں- پھر کبھی آمنا سامنا نہ ہوتا تھا- ماں اور باپ دونوں کی جانب سے ہماری نسل و اصل میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا- مگر تقویٰ اور طہارت میں بڑا قصور ہوتا رہا ہے- نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید

کی اِس نص قطعی کے بموجب ''اقربکم اتقاکم'' تقویٰ اور طہارت نہ ہونے کی وجہ سے' کرامات اور خرق عادات کی راہوں سے ہم سب دور جا پڑے ہیں- ہم نے اپنے اوپر گمراہی کے دروازے کھول لئے ہیں- بھلا پھر ہم سے کرامت اور خرق عادت کیا ظاہر ہو- البتہ شاہ عالم بادشاہ اور چند دوسرے بزرگوں کے بہت سے ایسے واقعات ہیں' جو کرامت کہے جا سکتے ہیں- لیکن اُن کا بیان بھی طوالت بیجا سے خالی نہیں- صرف اپنے چند خواب اس مختصر کتاب میں لکھتا ہوں' ''واللہ الہادی الی سبیل الرشاد''-

راقم کے چند خواب

قلعۂ مبارک سے نکلنے سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک رات میں نے یہ خواب دیکھا کہ ''قلعے کی مغربی دیوار شق ہوگئی ہے اور میں باہر نکلکر جنوب جانب روانہ ہوگیا- چلتے چلتے شام کے وقت ایسی جگہ پہنچا' جہاں کسی بزرگ کی درگاہ تھی- یہ عمارتیں عالی شان ہیں' شان و شوکت کے کارخانے ہیں- مزار کے آس پاس بلند کٹھرے ہیں- اتنے اونچے کہ میں مزار شریف پر پھول چڑھانا چاہتا ہوں تو میرا ہاتھ نہیں پہنچتا- بارے بہزار دشواری میںنے اس کام کو انجام دیا''- قلعۂ مبارک سے نکل کر جب میں اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ کی درگاہ پر پہنچا تو بے کم و بیش وہی حالات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے جو خواب میں دیکھے تھے-

<u>ایک اور خواب</u>: اپنے فرار سے تین چار مہینے پہلے کا ذکر ہے کہ ایک رات مینے خواب میں دیکھا کہ قریب قریب شام کا وقت ہے- ہمارا دروازہ معمول کے موافق بند ہوچکا ہے- اتنے میں کوئی عورت میرا نام لیکر پکارتی ہے کہ لچھمی دروازے پر کھڑی ہوی تمھیں بلارہی ہے- (لچھمی ہندووں کے عقائد کے موافق دولت کی دیوی کا نام ہے) پھر کسی دوسرے شخص نے کہا: کیا لچھمی صرف بڑے مرزا کو بلاتی ہے' یا اوروں کو بھی- تب میں نے سنا کہ لچھمی نے پکارکر کہا: میں بڑے مرزا ہی کے پاس آئی ہوں- میں اسی وقت اپنے گھر سے نکل کر لچھمی کے پاس گیا- اُس نے دروازے کے باہر سے' کواڑ کی درزوں میں سے مجھے دیکھکر کہا کہ میں تمھارے ہی پاس آئی ہوں' کیا ابھی آجاؤں- مینے کہا آؤ- لچھمی بولی کہ آجاؤں تو میرے ساتھ کیا سلوک کروگے؟ مینے کہا:

جو کچھہ مجھہ سے ہوسکیگا - لچھمی نے کہا: بہت اچھا میں آتی ہوں- اتنی ہی بات چیت ہوی تھی کہ میری آنکھہ کھل گئی-

چند ماہ کے بعد میں قلعے سے نکلا- جےپور پہنچا تو راجاؤں نے مجھے سلطنت کی دعوت دی- میرے لئے تخت اور چتر بنوائے- لیکن نہ معلوم مجھہ سے کیا بد سلوکی عمل میں آئی، اور لچھمی کی خدمت میں کیا کوتاہی ہوی کہ بہت جلد حالات بدل گئے- سلطنت کا معاملہ یونہی مبہم اور مہمل رہ گیا-

ایک اور خواب: ماہ محرم کی دسویں تاریخ کی رات تھی، قلعۂ مبارک کا باروت خانہ نویں کی صبح کو جل چکا تھا- ہم سب لوگ غلام قادر کے ھنگامے کی وجہ سے بیدار تھے- قسم قسم کی آفتیں اور بلائیں نازل ہورھی تھیں- اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کیلئے کمرباندھکر تیار و ھشیار تھے- غلام قادر اپنی فوجوں کو لیکر قلعے سے فرار ہونے کا ارادہ کر رھا تھا- آخر آدھی رات کے بعد قلعۂ مبارک کے دروازے اندر کی جانب سے، لوھے کی میخوں سے بند کر کے نیلی چھتری کے رستے سے باھر نکل گیا- اپنا لشکر اور اسباب بھی لے گیا- قلعہ غنیم سے خالی ہوچکا تھا- پھر کیا دیکھتا ہوں کہ چار گھڑی بعد اِس کمبخت کی راے بدلی- پھر ھم سب سلاطین کے قتل کے لئے اپنی فوجیں لیکر قلعۂ مبارک میں گھس آیا- اِن دیو صفت افغانوں کی ھو ھا سے سارا قلعہ لرزرھا تھا- قیدیوں میں سے ہر ایک کو اپنی عزت اور جان کے لالے پڑے تھے- اسی حالت میں میرے دماغ پر اونگھہ کا غلبہ ھوا، جو نیند کی پیش خیمہ ھے، جو حواس ظاھری کو درھم و برھم اور بیکار کر دیتی ھے- میں اُسی طرح کمر کسے ہوے بستر پر پڑ جاتا ھوں، اور جیسے ھی غافل ھوتا ھوں، کیا دیکھتا ھوں کہ کسی شخص نے پوری قوت سے تلوار کا ھاتھہ یا چابک میری پیٹھہ پر مارا- مجھے بہت درد محسوس ھوا، اُسی وقت آنکھہ کھل گئی، نیند سے ھشیار ھوکر اُٹھہ بیٹھا اور یہ سمجھا کہ ضرور کسی دشمن نے وار کر کے مجھے زخمی کردیا ھے- فوراً اپنی پیٹھہ پر ھاتھہ پھیرا تو زخم کا کوئی نشان و اثر نہ پایا- لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھی اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ رھا- مگر جیسے ھی ذرا غافل ھوا، ایک ھولناک آواز سنائی دی- کیا دیکھتا ھوں کہ فضا تاریک ھوگئی ھے- پتھر اور اینٹیں آسمان سے برس رھی ھیں- صورتیں تو نظر نہیں آتیں- مگر ایک دوسرے کی ھاے واویلا کی آوازیں کانوں میں

پہنچ رہی ہیں- پھر دوبارہ میں گھبراکر جاگ پڑا- اسکے بعد نہ سویا' دیکھا کہ نماز صبح کا وقت ہے- پھر کیف فریضۂ صبح کی دو رکعتیں ادا کر کے چھت پٹ حفاظت کے خیال سے ڈیوڑھی پر پہنچ گیا- اور منتظر تھا کہ دیکھئے غیب سے کیا لطیفہ ظہور میں آتا ہے- اتنے میں اکدم وہی بھیانک آوازیں وہی فضا کی تاریکی' وہی پتھروں اور اینٹوں کی بارش' وہی لوگوں کی واویلا ظہور میں آئی' جو خواب میں دیکھی تھی-

اس قسم کے سچے خواب اکثر قلعۂ مبارک میں مجھے دکھائی دیتے تھے- ابتو مدت سے ایسا کوئی اتفاق پیش نہیں آیا-

میں علم رمل میں بھی تھوڑا بہت دخل رکھتا ہوں- اور میرے نکالے ہوے اکثر احکام ایسے مطابق واقعہ ثابت ہوے کہ حیرت ہوتی تھی- چار مہینے پہلے ہی شاہ یقین کے دفع ہونے کا مہینا لکھکر مرزا مغل اور مرزا طغل کے پاس بھیجدیا تھا- اور غلام قادر کی گرفتاری' پھر شاہ عالم کی تخت سلطنت پر واپسی کا حال بقید ماہ و تاریخ رمل کے قرعے سے نکالکر دو مہینے پہلے ہی ایک تختی پر لکھہ لیا تھا- اپنے تمام بھائیوں کو بھی دکھادیا تھا کہ پریشانی دور ہو- یہی نہیں بلکہ خفیہ طور پر شاہ عالم بادشاہ کے حضور میں بھیجدیا تھا- غرض کہ ویسا ہی وجود میں آیا- ایک بار اکبر شاہ ولی عہد بہادر' مرزا مغل' مرزا طغل کے ساتھہ اپنے بھائیوں اور چند چچاؤں کو لیکر میرے مکان پر تشریف لاےتھے- اُس وقت وہ لوح اُنہیں بھی دکھائی تھی- جب غلام قادر غدّار کا ہنگامہ گرم ہوا' عین شدت کی حالت تھی' وہ غدار بڑے بڑے شاہزادوں کی عزت لے رہا تھا- اُن کے گھروں کو لوٹ کر مال و اسباب بالکل غارت کر رہا تھا' تمام بھائیوں نے اصرار کیا کہ رمل کے ذریعے قرعہ نکالنا چاہئے کہ آخرکار ہم پر کیا بپتا پڑنے والی ہے- گو میں نے بہت انکار کیا کہ غیب کی باتوں اور رازوں کو جاننے والی صرف پروردگار کی ذات ہے- مگر جب اِن کا اصرار بہت زیادہ ہوا اور تکرار حد سے بڑھگئی تو ناچار نہایت عاجزی و زاری کے ساتھہ اپنے پیدا کرنے والے خدا کی بارگاہ میں اپنی آئندہ حالت کے متعلق سوال کیا' اور قرعہ ڈالا- دیکھا کہ تمام شکلیں خیریت اور سلامتی حال کی خبر دیتی ہیں- مجھے بہت حیرت ہوئی' دم بخود رہ گیا' مگر یقین نہیں ہوا- دل میں سوچا کہ جو کچھہ حالات بظاہر نظر آرہے ہیں' اُنہیں کے موافق بیان کروں- قرعے میں جو کچھہ نکلا ہے' اِن لوگوں سے نہ کہوں- میں اسی

سوچ میں تھا کہ میری خاموشی اور تردد کو ان لوگوں نے بد فالی پر محمول کیا۔ اور نہایت سخت قسم دیکر کہا کہ خدارا امانت داری سے کام لیجئے اور اشکال رمل کے موافق حالات بیان کیجئے' اپنی طرف سے کچھہ نہ کہئے۔ اُن کے قسم دینے پر مجھے بھی تنبہ ہوا۔ اپنے دل میں سوچا کہ غیب سے جو کچھہ بیان کرنے کا مجھے حکم ہوا ہے' وہی کہنا چاہئے۔ بے شک اُسکے خلاف بیان کرنا خیانت ہے۔ غرض کہ جوش مسرت سے میں چلا پڑا کہ آپ سب صاحبوں کو خوش خبری ہو۔ قرعہ اور رمل کی تمام شکلوں کے ذریعے غیب سے مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ ہم پر کسی قسم کے نقصان کا اثر نہ پڑے گا۔ بلکہ جو ہماری پناہ میں آجائیگا وہ بھی محفوظ اور صحیح و سلامت رهیگا۔ آگے چلکر واقعات اُسی قرعے کے مطابق پیش آئے۔ ہم لوگ اُس منعم حقیقی کا شکریہ بجالائے۔ اِن حالات کو دهلی میں خاص و عام سب جانتے هیں اور جرأت و همت کے مواقع پر مثال کی طور پر بیان کرتے هیں۔

اِن حالات سے دو سال پہلے کا ذکر ہے کہ ہماری ڈیوڑھی پر ایک خواجہ سرا غلام محمد نامی متعین تھا۔ یہ نہایت متقی اور فقیر دوست آدمی تھا۔ ایک روز صبح سویرے وہ میرے پاس آیا اور عرض کی کہ حضور آج رات میں نے خواب میں ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہے۔ مینے دریافت کیا ور کہا خیر تو ہے؟ غلام محمد نے بیان کیا: میں نے یہ خواب دیکھا کہ "دهلی میں ایک قیامت خیز ھنگامہ اور شور و غل برپا ہے۔ سلطنت برباد ہوئی اور ہر ایک مصیبت میں گرفتار ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو جھنڈے بلند ہوے۔ اور ایک شخص پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ پہلا جھنڈا بڑے مرزا علی بخت کا ہے اور دوسرا مرزا جان کا۔ (یہ مرزا همایوں بخت کے علاتی بھائیوں میں سے تھے۔) جو کوئی اِن جھنڈوں کے نیچے آجائیگا' ہر آفت سے محفوظ رهیگا۔ یہ سنتے ہی میں دوڑا' اور قریب پہنچا تو دیکھا کہ پہلے جھنڈے کے نیچے آپ خدم و چشم کے ساتھہ کھڑے ہیں۔ دوسرے جھنڈے کے نیچے مرزا جان بڑی شان و شوکت کے ساتھہ قیام پزیر ہیں۔ لوگ آآکر دونوں جھنڈوں کے نیچے پناہ لیتے ہیں اور مصائب سے نجات پاتے ہیں"۔ یہ خواجہ سرا معتبر آدمی تھا۔ اسکی زبانی یہ واقعہ سنکر میں نے یہ سمجھلیا اور بہت مسرور ہوا کہ میرے حق میں یہ خواب غیبی خوش خبری ہے۔ خواجہ سرا کو میں نے یہ تعبیر بتائی کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

انشاء اللہ تم فدویوں کے اس خواب ہی کے موافق ہوگا اور تمام خلق اللہ کی سلامتی رہیگی- اس کے بعد جب یہ قیامت خیز ہنگامہ برپا ہوا تو یہ خواجہ سرا اپنے خواب کے بھروسے پر اپنا کئی ہزار کا سامان اور زر نقد عاصی کے پاس بطور امانت رکھہ گیا- خود بھی ہماری پناہ میں آرہا- اُس کے علاوہ قلعۂ مبارک کے اور بہت سے دولت مند لوگ اپنا اسباب، نقد و جنس وغیرہ ہماری حفاظت میں رکھہ گئے- غرض ہر ادنیٰ و اعلیٰ کا گھر اور محل جو بھی ہماری ڈیوڑھی کے قریب یا سامنے تھا، اُس خدائے بےہمتا کے فضل اور ہم گناہگاروں کی جرأت سے محفوظ رہا- خصوصاً مرزا اعلےٰ اختر ولد طالع اختر ولد بلند اختر، عرف اچھے میاں کو ذرا بھی آنچ نہ آئی- یہ محمد شاہ فردوس آرامگاہ کے سگے بھائی تھے- اِن کے محل کی دیوار ہمارے مکان کی دیوار سے لگی ہوی تھی- انھیں ہم نے نہایت سعی و کوشش اور ہمت سے رھیلے کی لوٹ مار سے محفوظ رکھا-

اسی طرح عنایت رسول خاں ناظر کے گھر کو بھی بربادی و غارت سے بچا لیا- ہنگامہ فرو ہونے کے بعد تمام مال و دولت اور جنس جو کچھہ بطور امانت ہمارے پاس تھا، حبہ حبہ مالکوں کو پہنچا دیا- اور بار امانت سے سبک دوش ہوے- اس ماجرے کو سن کو حضرت قدر قدرت نے بہت افسوس اور ندامت و حسرت کا اظہار کیا- فرمایا کہ کاش سرکار والا کے زر نقد اور قیمتی جواہرات میں سے تھوڑا بہت اظفری کے پاس امانت رکھدیا ہوتا کہ آج کام آتا اور ضروریات میں صرف ہوتا-

---

قلعۂ مبارک کی سلاطینی قید سے ہمارا نکل جانا اور خفیہ طور پر جےپور و جودھپور پہنچنا، اور اُس وقت کی سرگزشت

اِن حالات کو دیکھنے کے بعد جنکا ذکر اوپر کیا گیا ھے، کچھہ اِس قدر غیرت و شرم دامنگیر ہوی اور ایسا صدمہ دل پر گزرا کہ صبر کا گریبان دامن اضطرار تک چاک ہوگیا- آخر ایک سال دو ماہ گذرنے کے بعد جس طرح بھی مجھہ سے بن پڑا، اپنی جان پر کھیل گیا- جانباز رفیقوں سے سازش کر کے انھیں اپنی امداد پر تیار کرلیا- مگر اس وقت اُن کے نام لکھنا مصلحت وقت کے

خلاف ھے۔ کیونکہ دھلی میں اِن لوگوں کی املاک اور جائداد ھے۔ ایسا نہ ھو کہ نام معلوم ھونے کے بعد، اِن کے دشمن، اِن کے گھر بار کو لوٹ ڈالیں۔ اس اندیشے کا قوی سبب یہ ھے کہ حکومت کو پہلے چند لوگوں کے ناموں کا پتہ چل گیا تھا، مثلاً مرزا فاضل بیگ خانساماں اور حکیم عنایت اللہ خاں وغیرہ۔ تو اِن کے گھر لوٹ لئے گئے اور یہ بیچارے قید کر کے جیل خانے میں ڈالدئے گئے۔ نیز ھماری ڈیوڑھی کے چند دربانوں کو کوڑے لگا لگا کر لہو لہان کر دیا گیا۔ سخت سزائیں دیگئیں۔ خدانے چاھا اور کبھی کامل اطمینان نصیب ھوا تو اور ایک مفصل کتاب لکھوں گا، اُس میں اپنے دوستوں اور رفیقوں کے نام اور اس ماجرے کی پوری حقیقت بیان کرونگا۔ اس فرار سے پہلے میلے ایک سرکاری سقہ، میردھہ اور چوبدار کے دو لڑکوں کو بھی کچھہ رشوت دیکر راز فرار سے آگاہ کردیا اور اپنا موافق بنالیا تھا۔ یہ دونوں ھماری ڈیوڑھی میں قفل لگانے پر مامور تھے۔ اِن تینوں کے علاوہ پچاس گوجروں کو نوکر رکھہ لیا تھا جو ھر طرح سے بھروسے کے قابل تھے۔ اِن میں سے چند نفر کو ڈاک کی طور پر لوھا منڈی میں تعینات کیا۔ دو میانے، سولہ کہار اور چند گوجر اس سے آگے، اسی قدر کہار وغیرہ ھر سرو کی گڑھی میں، اس سے دگنے آدمی پٹودی میں مقرر کردئے تھے۔ بارہ پور بیے برقنداز، ایک گھوڑی اور چند راس گھوڑے، ایک بہنگی کپڑوں کی اور خاص کاٹھی، چند جانباز خواص کے ھمراہ ریواڑی میں متعین کر رکھے تھے۔ اور اس انتظام سے پہلے ھی جےپور اور جودھپور کے راجاؤں سے اچھی طرح سازش کر رکھی تھی۔ اسلئے کہ وہ مجھے طلب کرنے اور ھر خدمت بجا لانے پر ھرطرح آمادہ تھے، اُن کی پوری سرگرمی کا مجھے اندازہ ھوچکا تھا۔ اب میں نے یہ راز اپنے چھوٹے حقیقی بھائی میرزا محمد جلال الدین بہادر کو بتایا۔ جن کا عرف چھوٹے مرزا ھے۔ اِن کے سوا، دو تین دوسرے چچیرے بھائیوں کو بھی سخت قسمیں دیکر اپنے ارادے سے آگاہ کردیا۔ جن میں میرزا ابوالقاسم ھمایوں بخت خاص طور پر قابل ذکر ھیں۔ میں نے ان سب بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کر کے وعدہ لے لیا تھا کہ جس طرح بھی ھو سکے، کم از کم چوبیس گھنٹے تک اس راز کو ضرور چھپائے رکھیں، تاکہ میں پوری طور پر باطمینان دشمنوں کی عملداری سے باھر ھوجاؤں۔ پھر تو خدا کے فضل سے کچھہ اندیشہ نہیں، سب کچھہ ھوسکتا ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ اگر یہ شفیق بھائی بھاگنے میں میری مدد نہ کرتے اور رازداری سے کام نہ لیتے تو مشکل تھا کہ شاھد مقصود اپنا چہرۂ زیبا دکھاتا۔

میرے ساتھ اِن تمام بھائیوں کو اتحاد و محبت ہے۔ اور در حقیقت اس کی کئی وجہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ اول تو یہ لوگ میرے اخلاق سے بہت مسرور اور شکرگزار تھے۔ اسکے علاوہ اِن تمام بھائیوں اور چچاؤں کا لکھنا پڑھنا تعلیم و تربیت سب میرے قبضۂ اختیار میں تھی۔ ان کے متعلق جو کچھہ بھی ادنیٰ یا اعلیٰ سوال جواب حضور کی جانب سے ہوتا، وہ مجھی سے ہوتا تھا۔ مرزا ھمایوں بخت وغیرہ کو تعلیم بھی میں ھی دیا کرتا تھا۔ اگرچہ کند ذھنی کی وجہ سے اُنھیں کچھہ زیادہ فائدہ نہ پہنچا۔ ایک سبب یہ بھی ھے کہ میں، مرزا جلال الدین، اور مرزا ھمایوں بخت وغیرہ چند سلاطین ایک ھی دن سید اسرار اللہ قادری [ادام اللہ تعالیٰ ذاتہ و افاض علی المسلمین برکاتہ] کے دست مبارک پر بیعت ہوے تھے۔ یہ بزرگ جامع مسجد کے واعظ تھے۔ اِنھوں نے مجھے اپنے مسند خلافت پر بٹھایا اور میرے بھائیوں کو مخاطب فرماکر خود اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد کیا کہ اِن کی تعظیم و توقیر کا بیش از بیش خیال رکھنا، انھیں میرا خلیفہ اور میری ھی طرح سمجھنا۔ اِن کے خلاف کوئی بات نہ کرنا۔ سب نے دل و جان سے قبول کیا۔ پھر اسی مجلس میں اپنی مہر، اپنا نسب نامہ، اور سلسلۂ پیری و مریدی کا شجرہ عنایت فرماکر مرید کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ لیکن مینے مصرع ذیل کے مصداق ابتک اس قسم کی جرأت نہیں کی کہ:

او خویشتن گم است کرا رھبری کند

پھر ھم اپنے مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں

فرار سے ایک ماہ پہلے نہ مینے خط بنوایا اور نہ سر کے بال کٹوائے، تاکہ یہ چیز بھاگنے کے دن کام آئے۔ صورت ایسی بدل جائے اور ھیئت ایسی بگڑ جائے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ غرض یہ سب اندرونی انتظامات پورے ہوگئے، مقررہ دن قریب آگیا۔ اتفاق سے اُنھیں دنوں میں میری آنکھیں آشوب کر آئیں۔ کسی نے سچ کہا ھے کہ: "اذا اراداللہ شیئاً فہیأ اسبابہ" یہ بھی ایک طرح سے غیبی تائید تھی۔

عنایت رسول‌خاں خواجہ سرا، ھماری ڈیوڑھی کا نائب ناظر تھا۔ یہ خوجہ تھا۔ حکم شاھی سے ھمیں دیکھنے اور سلام کرنے کیلئے روزانہ دروازے پر حاضر ہوا کرتا تھا۔ مینے اسے اپنی آنکھیں دکھائیں۔ حددرجہ بیقراری و تکلیف

کا اظہار کیا- دونا بیمار بن گیا اور اُس سے بیان کیا کہ آشوب کی شدت بہت زیادہ ہے- ابتک مجھے آفتاب کی روشنی دیکھنے کی تاب نہیں ہے- دو تین روز تک اندھیری کوٹھری میں بیٹھوں‌گا- میرے دیکھنے کی تکلیف نہ اُٹھاؤ-

---

دھلی کے تمام اگلے بادشاھوں کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ خوجے رات اور دن میں ھر وقت حکم حضور سے خاص شاھی محل اور دیگر محلات میں آتے جاتے تھے- مگر جب اُن کی بد اعمالیاں بہت زیادہ ظاھر ھوئیں، شادیاں کرنے لگے، اور بیویاں گھروں کی زینت بننے لگیں، تو بادشاہ جم‌جاہ شاہ‌عالم ثانی کے عہد حکومت میں محلوں کے اندر آنے جانے سے روکدیے گئے- لیکن دھلی کے بادشاھوں میں نظامت کی خدمت ھنوز انھیں خوجوں سے متعلق ھے- معتبر بادشاھوں کے نزدیک خوجے دو قسم کے ھوتے ھیں- ایک تو وہ جس کا عضو مخصوص کٹنے کے بعد کسی قدر باقی رھتا ھے- اُنھیں بادامی کہتے ھیں- دوسرے وہ جن کا عضو مخصوص بالکل جڑ سے صاف ھوتا ھے، اُن کا عرف صندلی رکھا گیا ھے- بادامیوں کو دربانوں کی طور پر دروازوں پر مقرر کرتے ھیں- اور اِن کا لقب درباری قرار دیا گیا ھے- صندلیوں کو محل کے اندر جانے آنے کی اجازت ھے- انھیں محلی کے خطاب سے سرفراز فرماکر اعلٰی مرتبے تک پہنچادیا ھے-

---

محل‌دار بیگم کی طرف سے نائب کی طور پر ایک عورت مقرر ھے، جو سلاطین کے محلوں میں جاتی آتی ھے- ھم کسی حالت میں ھوں، رات اور دن میں چار مرتبہ ھمیں اپنی آنکھوں سے دیکھتی ھے- اور ھمارے محل کے اندر کی ھر اچھی بری بات کئی بار حضور میں لکھتی ھے- یہ عورت اتفاق سے کئی ھفتوں سے کچھہ ایسی بیمار اور درد کمر میں گرفتار تھی کہ اُٹھہ بھی نہیں سکتی تھی- میں نے اپنی آنکھیں اس کو دکھا کر کہا کہ دیکھو میری یہ حالت ھے- دو تین روز کیلئے اندھیری کوٹھری میں بیٹھتا ھوں، اپنی لونڈی کو منع کردو کہ مجھے کوٹھری کے باھر سے آواز بھی نہ دے- ھم سلاطین کی ڈیوڑھیوں کا یہ بھی معمول تھا کہ تین پہر کو دن ڈھلے بند ھوجاتی تھیں- اور ھر دروازے میں اندر اور باھر سے تین تین قفل لگادئے جاتے تھے- اُن کی کنجیاں ناظرکلُ کے پاس بھیجدی جاتی تھیں، جس کا نام منظور علی خاں تھا-

---

مجھے یاد ھے کہ اپنے فرار کا ارادہ سب سے پہلے میں نے حکیم عنایت‌اللہ خاں کے سامنے بیان کیا تھا اور چاھا کہ اس نازک معاملے کو حکیم صاحب کی معرفت

انجام دیا جائے کیوں کہ عقلمند آدمی ہیں۔ مگر حکیم صاحب ٹہیلوں
ٹال مٹول کرتے رہے۔ میں اُن کے انداز کلام سے سمجھہ گیا کہ حکیم ہیں،
ایسا خطرناک کام جس میں مال اور جان کا خطرہ ہے، اِن کے ذریعے تکمیل کو
پہنچنا ممکن نہیں۔ آخر ایک روز بجد ہوکر پوچھا کہ: آپ کو ہمارے نمک کی
قسم ہے، ہوسکے تو اس کام کو کردالئے ورنہ انتظار میں نہ رکھئے۔ حکیم صاحب
نے ذرا دیر سوچکر کہا: ''قصور معاف ہو تو اصل بات عرض کروں'' میںنے کہا:
بخدا میںنے معاف کیا۔ اِس وقت آپ کی صرف اسی قدر خدمت کافی ہے کہ
سچائی کا رستہ اختیار کیجئے۔ دھوکے، فریب اور حیلے حوالے کو چھوڑئے۔
حکیم صاحب نے کھڑے ہوکر، دونوں ہاتھہ باندھکر عرض کی کہ ایسے کام
حکیموں کے ہاتھوں نہیں ہوسکتے۔ میںنے اُسی وقت اپنا ہاتھہ موچھوں پر پھیر
کر کہا: ''و من یتوکل علی اللہ فہو حسبہ'' خدا نے چاہا تو میں یہ کام نادانوں
سے لوں گا۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ جس کام پر کمر ہمت باندھلی تھی، وہ بیوقوں
اور نادانوں کے ہاتھوں قوت سے فعل میں آگیا۔ بیشک کسی نے کیا خوب
کہا ہے: بھر کارے کہ ہمت بستہ گردد - اگر خارے بود گلدستہ گردد۔

اس حکیم مطلق، خداے برتر کی قدرت و کارسازی پر جس قدر ناز کروں
بجا ہے کہ وہ ایسے حیلہ بازوں کی زبان سے اُن کے دل کی بات نکلوادیتا ہے۔
اور چند ناتجربہ کاروں کی کوشش سے، بڑے سے بڑا کام بنا دیتا ہے۔ اس کے
مصداق ایک خیال دل میں گزرا، بصورت قطعہ درج ذیل ہے:

اظفری ہست کار فرما گر - آدمی کارش ازدواب شود
وربعکس است، وائے برحالش - ہرچہ فرمایدش خراب شود

اپنی ہیئت اور صورت بدل کر بھاگنے کی تاریخ اور دن کا بیان

ربیع الاول سنہ ۱۲۰۳ھ کی تیسری تاریخ کو اتوار کے دن، رات کے تین پہر
گذرنے کے بعد، اس مہم فرار کا سلسلہ شروع ہوا۔ تبدیل لباس کے خیال
سے ایک رازدار سقہ نے اپنی کمر کی لنگی میرزا ہمایوں بخت کے ہاتھہ خفیہ
طور پر میرے پاس بھیجی۔ انہوں نے بدررو یعنے موری دروازے سے لاکر
مجھے دی۔ ہمایوں بخت میرے چچیرے بھائی ہیں، اور میری بہن بھی اُن سے
منسوب ہیں۔ اور ان کے حقیقی چچا کی بیٹی میرے سگے بھائی مرزا جلال الدین
کے عقد میں ہیں۔ اِن رشتوں کے علاوہ میںنے اُنھیں تعلیم بھی دی ہے۔ میں

اُنھیں اُس زمانے میں فوائدالمبتدی پڑھاتا تھا، جو میری ہی تالیف ہے- غرضکہ یہ میرے رازدار اور غمگسار تھے- انھوں نے للگی دیکر روتے ہوے میرا ھاتھہ اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ یہ آخری ملاقات ہے، بغل گیر ہونا چاھئے- میں نے اپنا ھاتھہ کھینچ لیا اور کہا: "میں نے خداے تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ اپنی اس اولیں ھجرت میں آپ عزیزوں کی محبت میں ایک آنسو بھی نہ بہاؤں گا، نہ بغل گیر ہوں گا- امید قوی ہے کہ خدانے چاھا تو پھر کبھی بامراد ملاقات کریں گے- یہ رفاقت کا وقت ہے، اِس مہجور کی جدائی کا غم ضبط کرنا بہت ضروری ہے- رازداری کا دامن ھاتھہ سے نہ جائے اور راز افشا نہ ہو"- اس کے بعد میں اپنی کوتھری میں چلا آیا- ایک عرضی اپنے بھاگنے کی معذرت اور دوسرے بھائیوں کی بےگناھی کی سفارش میں لکھی- اور اپنی مہر لگا کر اپنے تکئے کے نیچے رکھدی- رازدار بھائیوں کو سمجھادیا کہ میرے بھاگنے کو جب پورا ایک دن گزر جائے، تب یہ عرضی حضور والا میں بھجوادیں کہ فلاں کے تکئے کے نیچے پائی ہے- عرضی کا مضمون یہ ہے:

"غلام قادر نمک حرام کے ھنگامے میں عاصی نے حضور پرنور کی ایسی ایسی قابل قدر خدمتیں انجام دی ھیں، جو سعادت مند فرزندوں کے شایان شاں ہوسکتی ھیں- اور اسی وقت مرزا مغل و مرزا طغل کی معرفت اپنے مدعا کی عرضی پر، حضور سے اقرار نامے کی طور پر دستخط لےکر رکھہ لی تھی- مگر جب خداے تعالیٰ نے سلطنت کی باگ پھر ذات اقدس کے ھاتھہ میں عطا فرمائی، تو وہ وعدے پورے نہ کئے گئے- اب تک تال متول ہوتی رھی- اِس وجہ سے عاصی کا دل توت گیا اور اب عزم سفر کا دامن کمر ھمت سے باندہ‌لیا ہے- عاصی کو خالق اکبر کی قسم ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ جانے کے بعد امور سلطنت کو شرکت کی آنکھہ سے ھرگز نہ دیکھوں گا- اس وقت اپنی وفاداری کا صلہ صرف اسی قدر چاھتا ہوں کہ میرے باقی ماندہ بھائیوں کو حضور کی جانب سے کوئی اذیت نہ دلوای جائے- اُنھیں بےقصور سمجھیں، اُن کی جاگیریں اور تنخواھیں جو کچھہ جاری ھیں وہ بند نہ کرائیں"-

یہ سب لکھنے کے بعد میں نے اپنے سارے چھرے پر افیون ملی، تاکہ اُس کی سیاھی سے چھرے کی سپیدی چھپائی جاسکے- سردی کا موسم نہایت سخت تھا ماہ دے کے پالے نے درختوں تک کو خشک کردیا تھا- پانی جم کر برف

ہو رہا تھا- جو پوشاک میں پہنے تھا، وہ اُتاری اور بازاری لونڈوں کی طرح ایک پگڑی سر پر باندھلی- جس کے پیچ منھ پر اِدھر اُدھر بکھر رہے تھے- ایک تہ پوش اور ایک دوتہی قبا پہن لی- پشت ماہی کی زرد رنگ کی رضائی جلدی سے سر پر ڈال لی- بہشتیوں کی طرح ایک لنگی کمر پر لپیٹی اور سقّہ کے سخت اور موٹے جوتے پاؤں میں پہنے، حالانکہ ایسے جوتے شائد کبھی اپنی آنکھ سے بھی نہ دیکھے ہونگے- کمر میں اشرفیوں کی ہمیانی، دستار کے ایک گوشے میں چند اشرفیاں اور دوسرے گوشے میں چند روپے باندھ لئے- اپنے ہمراہیوں کی کمروں میں بھی اشرفیاں اور روپے باندھ رکھے- اِس خوف سے کہ نصیب اعدا کہیں کوئی پہچان لے تو رشوت کے تیر کمر کے ترکش میں موجود رہیں، وقت پر کام آئیں اور ہم اس حربے سے دشمن کا کام تمام کرسکیں- اِس چکنے چپڑے لقمے سے بھونکنے والے کتے کا گلا گھونٹ سکیں- غرضکہ اِس ہیئت سے میں اپنے محل کی اُس دیوار پر چڑھا جو کوٹھے سے ملی ہوی، شتر گلو برج سے جنوب جانب واقع تھی- وہیں ایک نہر کا چشمہ اور ایک شہید کا مزار بھی ہے، جن کا نام حاجی الحرمین مشہور ہے- یہ دیوار شکستہ ہونے پر بھی ۵ - ۶ ہاتھ بلند تھی- اُس روز اتفاق سے شتر گلو برج کا چوکی خانہ چوکیداروں سے خالی تھا- چوکی کے پوربیے اپنی تنخواہوں کے لئے بلواکر کے حضوروالا کے جھرو کے کے نیچے چلے گئے تھے- میرے جانباز ہمراہی اپنی اپنی مقررہ جگھوں پر میرے انتظار میں چھپے بیٹھے تھے- چند دیوار کی جڑ میں چپکے ہوے تھے- اِن میں سے ایک خانہ زاد جانباز نے میرے پاؤں کے مقابل اپنا سر اور پیٹھ جھکا کر عرض کی: نصیب دشمناں ایسا نہ ہو کہ حضور کو نیچے اُترنے میں کوئی صدمہ پہنچے، حضور اپنے کو بے تکلف اس غلام پر ڈال دیں- میں نے کہا: میں موٹا تازہ اور تو دبلا پتلا آدمی ہے، میں اگر تجھ پر گرا تو تیرا خاتمہ ہوجائیگا- آج کی رات نیک شگون کی رات ہے، پہلے کسی دشمن کا کام تمام ہونا چاہئے- یہ نامناسب ہے کہ پہلے ہی قدم میں تجھ جیسے ہمدرد رفیق کا خاتمہ ہو- مگر اس خانہ زاد نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو میں دیوار کے اوپر سے اس طرح نیچے کودا کہ کچھ بار اسکی پیٹھ پر اور باقی حصہ زمین پر رہا- سقا وغیرہ چند آدمی صفدر جنگ کے پیش خانے کے پاس اجائن کے درخت کے نیچے ایک ویران چار دیواری کی کمین گاہ میں حاضر تھے- جب میں وہاں پہنچا تو

رازدار سقا نے میرے کاندھے پر ایک خالی مشک ڈالدی- ایک اپنے کاندھے پر ڈال لی- اور عرض کی کہ صاحب عالم! یہ همت کا وقت هے، بے جھجک هم غلاموں کے ساتھہ ساتھہ قدم اُٹھاے چلے آئیے- اب هم روانہ هوے- آگے پیچھے یہ همراهی چل رهے تھے- ایک پرتاب تیر کے فاصلے پر پہنچے هوں گے کہ تیز روی کے سبب هماری ڈیوڑهی کے ایک میر دهه کے لڑکے کو کچھہ بدگمانی هوی- اس نے همارے همراهیوں میں سے ایک سے پوچھا: یہ کون لوگ هیں اور اس قدر تیز تیز کہاں جارهے هیں- اس نے بڑی چالاکی سے کام لیا- چوبدار کے لڑکے کا هاتھہ پکڑکر اپنی طرف کھینچ لیا، اور کہا کہ یہ عیش محل کے بہشتی هیں- محلوں میں پانی بھر کر اپنے اپنے گھروں کو جارهے هیں- بیچارے بھوکے پیاسے هیں- یہ کہتے هوے اسے مذاق میں کھینچتا هوا لے گیا اور ایک دوسری گلی کے راستے پر لگا کر هم سے بہت دور کردیا- یہ بلا اِس طرح همارے سر سے ٹلی ورنہ افشاے راز کا اندیشہ تھا- اتفاق سے اُسی دن لوهاری دروازے کی چول کی مرمت هورهی تھی، جو پہلے سے شکستہ تھی- اس وجہ سے اس دروازے سے کوئی شخص نہیں گزرتا تھا- چارو ناچار هم نے بھی دهلی دروازے کا رستہ اختیار کیا اور بغیر کسی نقصان کے قلعۂ مبارک سے باهر نکل گئے- جامع مسجد کے نیچے پہنچکر ڈاک کے آدمیوں کی تلاش میں کوئی آدھہ گھنٹہ لگا- اس اثنا میں همیں مسجد کی سب سے نیچے کی سیڑهی پر بیٹھنا پڑا- تبرکاً هم نے وهاں کی تھوڑی سی خاک پاک اُٹھاکر اپنی پیشانی پر ملی- اس خدا کی بارگاہ میں جو سب حاجتمندوں کی حاجتیں پورے کرنے والا هے، منزل مقصود پر پہنچنے کی دعا کے لئے هاتھہ اُٹھائے- اِسکے بعد دوڑ دهوپ کر کے هم اجمیری دروازے کی کھڑکی سے باهر نکل گئے- لوهاری منڈی بلکہ اِس سے بھی آگے چلد پرتاب تیر تک هم کو پیدل هی چلنا پڑا- قلعہ سے یہاں تک کوئی ڈیڑہ کوس کی مسافت هے- یہاں پہنچکر میں نے اپنے پاؤں کی خبرلی- دونوں جوتے میرے تلوے اور ایڑی کے خون سے بھرے هوے تھے- سقا کے یہ غیر مانوس جوتے کچھہ اسقدر سخت تھے کہ میرے پاؤں کی کھال نکل گئی تھی- آخر انھیں پاؤں سے نکال کر دور پھینکا، اور همراهیوں سے کہا کہ اب میں پیدل نہیں چل سکتا- اپنے کاندھوں پر بٹھاکر مجھے لے چلو- اس خانہ‌زاد نے فوراً اپنی پگڑی کی دهجیاں کر کے میرے دونوں پاؤں پر لپیٹ دیں، اور عرض کی کہ ڈاک اور میانوں کے گوجر ابھی یہیں حاضر هوتے هیں-

سرکار اطمینان رکھیں- اِس عرصے میں اور جو جو مصائب پیش آئے، اُن کا قصہ بہت طویل ہے- مثلاً ڈاک والوں کی غلطی، اور اُن کا دیر تک نہ ملنا، نا امیدی کی حالت میں ہمارا متردد ہونا، پھر اُنہیں پانا- الغرض ڈاکیوں کی جستجو اور مختلف مقررہ جگہوں سے اسباب بہم پہنچنے پہنچانے میں ایک پہر گزر گیا- اسکے بعد ہم بسم اللہ کہہ کر میانے میں بیٹھہ گئے- اب ذرا دل جمعی حاصل اور حواس درست ہوے تو سردی کی شدت سے بے حال تھے- کمری اور روئی دار قبا ساتھہ تھی- چاہا کہ اُسے پہنوں- ایک آستین بائیں ہاتھہ میں پہنی، دوسری آستین تنگ ہوئی- اس کا سرا یونہی کاندھے کے اوپر سے لاکر گریبان کے بند میں باندھدیا- قلعۂ آنبیر تک آستین پہننے اور کمر کھولنے کی فرصت نہ ملی- اِس کے بعد چالاک گوجروں کی ہمراہی میں پہاڑوں، گھاٹیوں اور ویرانوں کے راستوں سے اِس اندھیری رات میں نہایت جوانمردی کے ساتھہ ریواڑی کا رستہ لیا- توڑہ دار بندوقیں پاس تھیں اور سب بہادر ہتیاروں سے لیس تھے- میانے کی سواری ہی میں چلتے ہوے، اشاروں سے عشا کی نماز ادا کی اور وظیفہ پورا کیا- رات کو سردی کی شدت اور جنگل کی ٹھنڈی ہوا سے جو کچھہ مصیبت دیکھی ہے، وہ شاید کرۂ زمہریر میں بھی نہ ہوگی- بہر حال صبح کی نماز ھرسرو کی گڈھی کے دروازے پر، ظہر کی نماز پٹودی میں، عصر و مغرب کی قضا اور عشا کی ادا ریواڑی میں پڑھی- اب ہم حفاظت اور امن و امان کے ساتھہ مرھٹوں کی عملداری سے نکلکر راجہ سوائے پرتاب سنگھہ کی سرحد میں داخل ہوچکے تھے- یہاں پہنچکر راحت و اطمیان کی سانس لی- اور خدائے واحد کی درگاہ میں شکریہ بجالائے- دلی سے ریواڑی تک پکّے ۳۵ کوس کا فاصلہ ہے- پہلی شامِ غریبی ہم نے اِسی موضع میں دیکھی-

قلعۂ آنبیر میں پہنچنا، اور اسی دن جےپور کے راجہ کو ہمارے بھاگنے کی خبریں ملنا، اور اُس کا ہماری آمد سے آگاہ ہوجانا

ریواڑی سے روانہ ہوکر ہم اطمینان کے ساتھہ اسی سنہ اور اُسی مہینے کی نویں تاریخ کو قلعۂ آنبیر میں داخل ہوے- وہ عجب مستحکم قلعہ نظر آیا- بے شمار توپوں، گولوں، اور کافی سیسا باروت کے ذخائر سے ہر وقت معمور اور لڑائی کے لئے تیار ہے- جس روز ہم قلعۂ آنبیر میں داخل ہوے ہیں، اُسی روز دہلی

کی لکھی ہوی خبریں جےپور کے راجہ کو پہنچیں کہ ایک شہزادہ جس کا فلاں نام اور فلاں عرف ہے- اور جو حضرت آرام گاہ محمد معزالدین بادشاہ کے نواسوں میں سے ہے، قلعۂ مبارک شاہجہاں آباد کی قید سلاطینی سے نکل کر فلاں تاریخ، فلاں دن بھاگ گیا ہے- قلعۂ دلی کے تمام دروازے اور شہر کی تمام دکانیں بند ہوگئی ہیں- شہر میں منادی اور محلوں میں جستجو جاری ہے کہ جہاں کہیں پائیں پکڑکر لے آئیں- مگر اب تک پتا نہ چلا کہ کس طرف گیا ہے- دہلی کے ناظم شاہ نظام الدین عرف شاہ کوڑی خود سوار ہوکر اُس کی تلاش میں ہر طرف دوڑچکا ہے- ہر سرو کی گڑھی تک دوڑ دھوپ کر کے دیکھہ آیا ہے، مگر ہنوز کوئی سراغ نہیں ملا- میرا قلعۂ آنبیر میں داخل ہونا اور مہاراجہ کو یہ خبر ملنا حسن اتفاق سے دونوں باتیں ایک ہی وقت میں واقع ہوئیں- راجہ میرے نام و نشان اور حسب و نسب سے واقف ہو گیا- اس نے رات کے دو پہر گزرنے کے بعد اپنے بخشی میٹھا لال اور اس کے بھائی گنگا بشن کو میرے پاس بھیجا- یہی بخشی راجہ کی منشی گری کی خدمت پر بھی سرفراز تھا- جےپور کے راجہ کا معمول ہے کہ تمام دن سوتا ہے، پچھلے دن کو بیدار ہوتا اور دو پہر رات تک دربار کرتا ہے- اسکے بعد ہوا محل کی خلوت میں چلاجاتا ہے، گانے بجانے اور عیش و عشرت میں مشغول ہوتا ہے- اور صبح کے قریب سوتا ہے- ہوا محل ایک خاص محل کا نام ہے جو خلوت، ناچ، رنگ اور کھیل کود کے لئے آراستہ کیا گیا ہے- غرض کہ بخشی پہنچا اور نہایت شائستہ طریقے سے ہمارے خاندان کے طور پر آداب و مجرا بجالایا- راجہ کی طرف سے بھی آداب پیش کیا- پھر عمدہ نذر اور مہمانی پیش کی- اس کے بعد میری زبان سے دلی سے نکلنے کا ماجرا سنا اور میرا حسب و نسب پوچھا- میں نے کل حقیقت بعینہٖ، تاریخ، دن اور وقت کے ساتھہ بیان کردی- اس نے میرا بیان دہلی کی خبروں کے موافق پایا- رخصت کے وقت اِسے اور اِسکے بھائی کو میں نے دوشالے مرحمت فرمائے- اِسنے جاکر تمام حالات مہاراجہ دھراج سوائے پرتاب سنگھہ سے بیان کیے- یہ راجہ کچھوا قوم سے ہے- اِس نے اپنا ایک محل جس کا نام مادھوبلاس ہے، میرے لئے آراستہ کرایا اور وہیں مجھے اُتارا- اِس محل کا آدھا حصہ اِسکے باپ مادھوسنگھہ کا بنایا ہوا ہے اور باقی آدھا اِس نے تیار و آراستہ کرایا ہے-

---

جےپور کے راجہ سے راقم کی ملاقات

اور اُس شہر کے کچھہ حالات، جو هندوستان کے بہترین شہروں میں ھے

اسی مہینے کی تیرھویں تاریخ، چودھویں کی آدھی رات کو خود راجہ نے همارے یہاں آکر نہایت شایستہ طریقے پر ملاقات کی- همارے خاندان کے آداب کے مطابق سلام گاہ میں جاکر مجرا ادا کیا- پھر نزدیک آکر ایک سو ایک اشرفیاں نذر گزرانیں- پھر آداب گاہ میں جاکر آداب بجالایا- میں نے اشارے سے اپنے پاس بلایا- مگر جب دیکھا کہ بہت دیر سے کھڑا ہوا ھے اور طول طویل داستان چھیڑدی ھے، تو بیٹھہ جانے کا اشارہ کیا، مگر وہ نہ بیٹھا- میں نے بہت اصرار کیا، آخر جس شہ نشین پر میں بیٹھا تھا، اُسی کے ایک زینے پر کھڑے ہونے والوں کی طرح آداب بجالاکر اپنا ایک سُرین رکھہ کر بیٹھہ گیا- اور عرض کی کہ "المأمور معذور" کے مطابق اتنی بے ادبی کی ھے- پھر بہت منت، سماجت اور انکسار کا اظہار کیا- میں نے دیکھا اس راجہ کی عمر ۳۵ سال کی تھی، خوش رو، خوش خو، اور مرزایانہ لباس میں تھا- بات چیت میں ایسا خوش مقال کہ سننے والے کے دل سے زنگ غم دور کردیتا تھا- کامل ایک پہر تک خلوت کی ملاقات ہوئی، اور رازداری کی باتیں رھیں- اِس خلوت میں مہاراجہ کے ساتھہ امراء میں سے چھہ نفر اور آئے تھے، جو سب کے سب اِس وقت مہاراجہ کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے- تفصیل یہ ھے: کنور بھیرو سنگھہ، اور کنور گیان جی مل کے هاتھوں میں، جو مہاراجہ کے مُمیرے بھائی تھے، اُگالدان اور پوشاک کی ایک گٹھڑی تھی- دوزجی خواص کے هاتھہ میں مرصع شمعدان، اور حکیم شوئیر کے هاتھہ میں مہاراجہ کی تلوار اور ڈھال تھی، یہ ایک انگریز تھا- بخشی میٹھالال اور اُس کے بھائی گنگا بشن نے چوبداروں کی طرح همارے خاندان کے معمول کے موافق بلند آواز میں مہاراجہ کا مجرا پیش کیا- اس ملاقات میں مہاراجہ نے مجھے مہاراجہ راج راجیشر بجے سنگھہ بہادر کے پاس جودھپور جانے کی صلاح دی- اور عرض کی کہ مہاراجہ موصوف اِس غلام کے بزرگ اور اس خدمت کی بجاآوری میں بہت سرگرم ھیں- ھم دونوں گویا حضور کے غلام ھی ھیں- حضور کی خدمت کا بار عظیم اپنی مضبوط عقیدت کے کاندھوں پر اُٹھانے کو آمادہ ھیں- میں نے یہ مشورہ قبول کیا- پھر راجہ نے چند کشتیاں پوشاک اور هتیاروں کی پیش کیں- میں نے سر سے اپنی دستار کا طرہ، اور کاندھے سے دوشالہ اُتار کر

راجہ کو عنایت کیا۔ راجہ نے پھر آداب بجا لا کر چند اشرفیاں نذر دیں۔ اور رخصت ہوکر اپنے محل کو چلاگیا۔ اس کے بعد مہاراجہ کی التماس کے بموجب میٹھالال بخشی کے ہمراہ ہم نے اِس محل کی سیر کی۔ عجیب اور نئی تیاریاں دیکھیں۔ طرح طرح کی تصویریں، نقاشی، آئینہ بندی، منبت کاری اور بچی کاری تھی۔ محل کا فرش سماق، مرمر، یشب، اور عقیق کے پتھروں سے چوپڑ کا بنایا گیا تھا۔ اِس کے وسط میں ایک حوض دیکھا، جو پوری تیاری کے ساتھ ایسا آراستہ تھا کہ چاندنی رات میں جنّت کے حوضوں کا گمان ہوتا تھا۔

جےپور کو میں نے نہایت صاف ستھرا شہر پایا۔ عین برسات کے عالم میں کیچڑ اور دلدل کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ چوپڑ کا بازار توگویا پرکار سے ناپ کر بنایا گیا ہے۔ عالی شان پختہ گچ اور پتھر کی جالیدار عمارتیں ہیں۔ ہرطرف سے مساوی فصیل اور یکساں حدیں، نہایت روح افزا، مقطع، چاروں طرف سے آراستہ اور تیار ہیں۔ شہر کے گلی کوچوں کی سیر سے بھی طبیعت کو مسرّت اور روح کو راحت حاصل ہوتی تھی۔ جےپور کے سوا پھر کوئی ایسا مقطع اور مصفّا شہر دیکھنے میں نہ آیا۔

لکھنؤ کے مضافات میں میں نے ایک اصفہانی سے، جس نے جےپور کو دیکھا تھا، پوچھا کہ: عمارتوں کی ترکیب اور شہر کی صفائی کے لحاظ سے آپ کا شہر بہتر ہے یا جےپور؟ کہنے لگا کہ خدا کی قسم جےپور ہمارے اصفہان سے بدرجہا بہتر ہے۔

پھر ہم اپنے مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں

صبح ہوتے ہی راجہ نے دس راس گھوڑے، ایک زنجیر ہاتھی، چار عدد اونٹ، ایک رتھ، خیمہ، ہتھیار اور کئی ہزار روپے نقد جودھپور کے کوچ کے لئے پوری تیاری کے ساتھ سارا انتظام و سرانجام کر کے ہمارے حضور میں بھجوائے۔ ایک خریطہ بھی میرے پاس بھیجا، جس میں والی جودھپور کے نام کا خط تھا، یہ راجہ راتھور قوم سے ہے۔ اِس خط میں ہمارے ساتھ اپنی مضبوط عقیدت مندی کی اطلاع دی تھی۔ راجہ نے یہ خط ہندی میں اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور ہم سے التماس کی تھی کہ یہ خریطہ بھی ہم رکاب رہے۔ جس وقت مہاراجہ راجیشر بہادر ملاقات کی سعادت حاصل کریں تو اِس غلام کا یہ لفافہ اُنھیں مرحمت فرمایا جائے۔ خانگی خطوط کے ذریعے بھی الگ اطلاع دیتا ہوں۔

جے پور کے راجہ کا ایک تخت سلطنت تیار کر کے میرے پاس بھیجنا اور راقم کا اُسے نالکی کی صورت میں بدل لینا

اِس کے دو ھفتے بعد راجہ نے ایک تخت تیار کر کے بھیجا۔ اور چند انگریزی قلمیں [پنسلیں] جن سے خاص طور پر بادشاہ سرمئی دستخط فرماتے ھیں، پیش کیں۔ تخت کی صورت دیکھہ کر میں نے سمجھہ لیا کہ یہ راجہ اِس بارعظیم کے متحمل ہونے کی لیاقت نہیں رکھتے۔ اِس منصب کو قبول کرنے کا نتیجہ خفت اور ندامت کے سوا اور کچھہ نہ ہوگا۔ ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اُسی وقت میں نے انکار کردیا۔ اور کہا کہ نصیب اعدا تم لوگ مجھے بیدار شاہ اور اپنے کو غلام قادر خاں نہ بناؤ۔ مرھٹہ فوجیں محاصرہ کئے ہوے ھیں۔ یہ گڑیا کا کھیل کچھہ کام نہ دیگا۔ ھوسکا تو خدا کی مدد اور قوت سے پہلے میں جنوبیوں کا خاتمہ کروں گا۔ اِسکے بعد وقت کے لحاظ سے جو بات ھمارے اور تمھارے حق میں مفید ھوگی، مشورہ کر کے وھی عمل میں لائی جائیگی۔ پھر اُسی تخت میں ڈنڈے لگا کر میںنے اُسے نالکی کی صورت میں بدل دیا۔ اور یھیں سے میں نے اپنے خیریت سے پہنچنے کا خط اور مدد خرچ کی طور پر کچھہ روپیہ ھنڈوی کر کے سرکاری ھرکارے کے ساتھہ اپنے بھائیوں کی خدمت میں دھلی روانہ کیا۔

تنبیھہ: تخت کو نالکی کی شکل میں بدل دینے کی خبر سنتے ھی مھاراجہ نے اپنے بخشی کو میرے پاس بھیجا۔ اس نے خلوت چاھی۔ خلوت کا حکم دیکر میں نے بخشی کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ بخشی نے عرض کی: غلام کو ایک نقل یاد آئی ھے، حکم ھو تو عرض کروں۔ میں نے کہا بہت خوب۔ بخشی نے کہا:

نقل: کہتے ھیں کہ ایک بار ایک بادشاہ کو اپنے سب امیروں کی حاضری پر بہت مسرت حاصل ھوی۔ اُس نے وزیر سے کہا: خدائے تعالے نے ایسی کیا خوبی دیکھی جو تمھیں منصب وزارت حوالہ کیا۔ وزیر نے کہا: اے عالم پناہ، خدائے تعالے اپنے علم قدیم میں ھر ایک کے ظرف اور حوصلے کو جان چکا ھے، اسی کے موافق یہاں خدمت دیتا ھے۔ غلام میں فکر و خیال کی باریکی اور ملکی معاملات میں دقیقہ رسی دیکھی، اسلئے وزارت کے درجے پر پہنچایا۔ بادشاہ نے کہا: تم نے ٹھیک کہا۔ اسکے بعد یہی سوال

بخشی سے کہا۔ اُس نے عرض کی: عالم علوی کے کارکنوں نے اس غلام کی ذات میں بہادری اور دلیری کے آثار بدرجۂ اتم دیکھے، اس وجہ سے اِس کام کے لئے انتخاب کیا۔ اس کے بعد کوتوال سے سوال ہوا۔ وہ حضور میں یوں گویا ہوا کہ: سونے جاگنے والوں کی حفاظت اور رکھوالی کے کام میں مجھے ہشیار اور کامل پایا تو اِس خدمت پر مامور کیا۔ غرض اِسی طرح تمام امراء سے اُن کے حالات پوچھے۔ اور ہر ایک کا معقول جواب سن لیا۔ وزیر نے جب بادشاہ کو خوش پایا تو باہم مشورہ کر کے عرض کی کہ اگر جان بخشی ہو اور قصور معاف کیا جائے تو ہم بھی کچھہ گستاخی کی جرأت کریں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے معاف کیا۔ جو کچھہ دل میں ھے کہہ ڈالو۔ وزیر نے کہا: قربانت شوم، ہم تمام بندوں کی عرض یہ ھے کہ بادشاہ ازل و سلطان لم یزل نے حضور کی ذات میں اس امر اھم یعنے سلطنت کے لائق کون سی بات دیکھی جو حضور کو تخت و تاج کا مالک بنادیا۔ اس سوال پر بے اختیار بادشاہ مسکرا دیا، اور جواب دیا کہ مالک حقیقی نے مجھے ہر کام میں ناکارہ پایا، اسلئے اِس تخت پر ڈالدیا۔

بخشی یہاں تک کہکر اُتھہ کھڑا ہوا اور ھاتھہ باندھکر عرض کی کہ قصور معاف ہو۔ اسی طرح حضرت کی ذات گرامی ھے کہ تخت سلطنت کے سوا کسی اور چیز کے لئے زیبا نہیں۔ مہاراجہ نے عرض کی ھے کہ یہ کام اگر حضور کو منظور نہیں تو پھر فرمائیے کہ ہم اور کونسی خدمت بجالائیں۔ اور کس امید پر اپنا جان و مال قربان کریں۔

میں نے کہا: مجھے یہ گوارا نہیں کہ محض اپنے حظّ نفس کے لئے اتنے بھائیوں اور عزیزوں کو صریحاً دشمنوں کے پنجے میں گرفتار اور تباہ و غارت ہونے کے لئے چھوڑوں۔ دکھنیوں کے فیصلے کے بعد جو کچھہ مناسب ہوگا، عمل میں لایا جائیگا۔ اسکے بعد میں نے اپنی ھیئت و حالت درست کر کے اپنے ہمراھیوں کو نقد، خلعت اور سواریاں صلے میں دیکر خوش کیا۔ اور اب ہم اسی مہینے کی اٹھائیس تاریخ کو جودھپور روانہ ہوگئے۔ پہلی منزل "لون کرن باغ" میں کی، جو جے پور سے ڈیڑہ کوس کے فاصلے پر ھے۔ یہاں چند ضروریات کی تیاری کے لئے مقام کیا۔ اِس اثنا میں مہاراجہ کی ڈاک کے ہرکارے اور ہماری سرکار کے ہرکارے ھنڈوی کی رقم کی رسید اور خطوط لیکر دھلی سے پہنچے۔ اور یہ خبر سنائی کہ حضور کے بھاگنے کی خبر

سلسلے پر بڑی جستجو اور بے حد تلاش کے بعد شاہ کوڑی، ناظم دھلی حضرت کے بھائیوں کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ اُس نے نہایت تشدد سے کام لیا، سخت دھمکیاں دیں اور ناگوار سلوک کیا۔ صاحبزادوں کے دروازوں پر قفل ڈالکر آب و دانہ بند کردیا ھے۔ خدا ھی جانے کہ وہ اب تک کس دام بلا میں گرفتار ھیں- یہ خبر ھے کہ اگر حضور جےپور میں تخت سلطنت پر جلوس فرمائینگے تو تمام بھائیوں کو قتل یا نہایت بے عزتی سے شہر بدر کردیا جائیگا- جاگیریں ضبط اور تنخواھیں سب بند ھوگئی ھیں- یہ وحشت اثر خبر سنتے ھی میں نہایت درجہ بیتاب ھوگیا- کھانے پینے کی سُدہ بُدہ نہ رھی- میں نے دوبارہ دلاسا اور تسلی کے خطوط، اور مدد خرچ کیلئے کچھہ روپیہ ھنڈوی کر کے روانہ کیا- مہاراجہ نے یہ خبر سن کر میری تسلی و تشفی کے لئے اپنے بخشی کو بھیجا- اِس نے میری دل‌جوئی اور تشفی خاطر کیلئے بہت سی مثالیں دے کر عرض کی کہ جب حضور کی همت بلند کے سامنے ایک زبردست کام ھے تو اِن سب معاملات کو تلافی کے موقع کے لئے اُٹھا رکھئے- غرضکہ ھر طرح سے دل‌جوئی اور دلداری کی باتیں کرکے بخشی چلاگیا- پھر اس کا بھائی گنگابشن آیا، وہ بھی تمام رات میری دل‌جوئی و دلداری کرتا رھا- صبح کے وقت میرے رنج و اندوہ کو دیکھہ کر مہاراجہ کے رمنے میں لے گیا- وھاں مجھے ھرنوں کا تماشا دکھانے میں مشغول رکھا- غرضکہ شام تک میری خاطرداری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا-

یہ دونوں بھائی قوم کے کایتھہ ھیں، نہایت لطیفہ گو اور حد درجہ خوش بیان ھیں- اسکے بعد ھم آگے روانہ ھوے- مہاراجہ ھر منزل پر ھمارے حضور میں مہمانی اور نذرانہ بھیجتا رھتا تھا- سانبھر کا عامل بھی بہت شایستہ طور پر نذرانہ اور مہمانی کی رسم بجالایا-

---

سانبھر کی سیر

اس شہر میں ھم نے ایک عجیب رواج یہ دیکھا کہ نمک فروخت نہیں کیاجاتا- کوئی دکاندار دھیلے کا نمک بھی بیچے تو پچاس روپیہ جرمانہ راجاؤں کے خزانے میں داخل کرنا پڑتاھے- نمک کے ڈھیر شہر سے باھر ٹیلوں اور پہاڑوں کی طرح لگے ھوے ھیں- جس شخص کو جتنی ضرورت ھو اُٹھالائے، کوئی مانع نہیں-

ہم نے دریاے سانبھر کی بھی سیر کی، جس سے نمک نکلتا ھے- اس کا پانی کھاری ھے- اور اس کے کنارے قسم قسم کے رنگوں کی عجیب و غریب چھوٹی بڑی چڑیاں، پرے کے پرے جماے بیٹھی رہتی ھیں- اِن کی سیر دیکھہ کر نگاھیں سیر نہیں ہوتیں- یہاں سے جانے کے بعد پھر کبھی ایسی خوب صورت چڑیاں ھماری نظر سے نہ گذریں- راجہ کی شدید ممانعت ھے کہ ہرگز کوئی شخص اِن چڑیوں کو شکار نہ کرے- شہر میں راجہ پرتاب سنگھہ، اور راجہ بجے سنگھہ کا برابر کا راج ھے- خراج دونوں راجہ برابر برابر بانٹ لیتے ھیں-

---

اجمیر

جس وقت میں اجمیر پہنچا، یہاں مہاراجہ بجے سنگھہ کا عمل تھا- اُن کے حاکم نے مہمانی اور نذرانہ پیش کیا- یہاں ھمارا تین دن قیام رہا- جی بھر کے خواجہ معین الدین چشتی، قدس اللہ سرہ العزیز کے مرقد منور کی زیارت کی- درگاہ پر نذر و نیاز بھی چڑھائی- یہ درگاہ نہایت شان دار اور پر شوکت ھے- اور اس کے متعلق بہت سے مختلف کارخانے ھیں، وہ سب ھماری نظر سے گذرے- پھر ہم پوکھر کے راستے سے جو ھندوؤں کی مشہور تیرتھہ ھے، میرتھہ پہنچے- یہاں کے عامل نے بھی مہمانی اور نذرانہ کی رسم ادا کی-

---

جودھپور میں ھمارا ورود اور اس پر انصاف و پر امن شہر کی سیر

اسی طرح منزلیں طے کرتے ہوے ماہ ربیع الثانی سنہ مذکور کی تیرھویں کو ہم جودھپور میں داخل ہوے- شہر کو دیکھا- لق و دق جنگل کے مانند ایک پتھریلا ملک ھے- ہر طرف حد سے زیادہ تکلیف دہ ریگستان اور وحشت انگیز میدان ھے- کوسوں نہ کہیں درخت کا سایہ ھے نہ پھل کا نام و نشان- پانی کی جگہ تمام تر سراب، اور ندیوں کے بجاے صرف کہیں کہیں تالاب ھیں- باغ و بلبل کی جگہ ببول کے خاردار درخت اور چیل کوے نظر آتے ھیں- مگر عجیب بات یہ ھے کہ اِن برائیوں کے باوجود اِسکی بھلائیاں غالب ھیں- راجہ بجے سنگھہ کی عمل داری میں یہ چوروں اور ڈاکوؤں سے بالکل پاک ہوگیا ھے- یہاں تک ہم نے دیکھا کہ اندھیری رات اور جنگلوں میں لوگ

سر راہ پڑے ہوے میٹھی نیند سورہے ہیں، اور اپنے مال و اسباب کی گٹھریاں بے کھٹکے الگ ڈالدی ہیں۔ نہ چور کا ڈر نہ رہزنوں کا اندیشہ، سبحان اللہ۔ اس ملک کے مسافر ہمیشہ رات ہی کو سفرکرتے ہیں۔ زیادہ تر اونٹ اور چھکڑوں کی سواری کا رواج ہے، اونٹ ہو یا چھکڑا اِنہیں لیکھہ یعنے گاڑی چلنے کے کچے راستے پر لگا کر مسافر سوجاتے ہیں۔ وہ رات بھر چلتے رہتے ہیں، اور یہ رات بھر سوتے ہوے چلے جاتے ہیں۔ اِنہیں یہ بھی اندیشہ نہیں ہوتا کہ کہیں ایسا نہ ہو، کوئی مسافر رستے میں پڑا سوتا ہو اِن چوپایوں کے پیروں یا گاڑی کے پہیوں سے اِس کا پاؤں یا سر کچل جائے۔ اور سوار راجہ کے عتاب میں گرفتار ہو۔ اِس اندیشے سے سوار کو تو نیند حرام ہونا چاہئے۔

رعایا میں سے اگر کوئی آدمی ایک جوں بھی مار ڈالے، کوئی دیکھہ لے اور جاکر کہدے تو گیارہ روپیہ جرمانہ لےلیاجاتا ہے۔ شکار اور جانور کشی بھی اِس راجہ کے عمل میں بالکل ممنوع ہے۔ گوشت کھانے والے لوگ چوری چھپے سے اپنی ضرورت پوری کرلیاکرتے ہیں۔ اِس جرم میں راجہ نے سردربار اپنے بعض خاص امرا کو قتل کردیا ہے۔ اور خود راجہ نے کم و بیش بیس سال سے اپنے اور اپنے متعلقین پر گوشت حرام کرلیا ہے۔ رات دن بتوں کی پرستش میں مشغول ہے، اور تین سال سے قلعے کے باہر خیموں میں رہتا ہے۔

بات یہ ہوی کہ اس کی ایک محبوبہ تھی، اُس سے ایک بیٹا پیدا ہوا اور وہ ہمیشہ کے لئے اِس جہان فانی سے چل بسا، اُسکی ماں کپڑے پھاڑکر جنگل کو نکل گئی۔ راجہ اُسے بہت چاہتا تھا، وہ بھی اُسی کے پیچھے ہولیا۔ یہ حال دیکھہ کر اُمرا کو حد درجہ غیرت آئی، باہم مشورہ کیا اور ہرچند راجہ کو اِس حرکت سے باز رکھنا چاہا، مگر ممکن نہ ہوا، آخر سخت گفتگو کے بعد رانی کو اِس بات پر راضی کرلیا کہ راجہ کے ساتھہ شہر کے باہر خیموں میں رہا کرے۔ اِسی سبب سے راجہ نے بھی اسکے ساتھہ خیمہ کی بود وباش اختیار کرلی ہے۔ رات اور دن میں دوبار بتوں کی پوجاپات کے لئے قلعے کے مندروں میں جاتا ہے۔ اس کی عملداری میں کہیں اور کبھی کسی بھیڑئے نے کسی بھیڑ، یا بچے تک کو نہیں پکڑا۔ انسان اپنی چیز کہیں بھی بھول جائے یا اُسکی کمر سے کچھہ گرجائے، مگر دوسرا نہیں اُٹھاتا۔ بلکہ مالک اپنا پڑا ہوا مال وہیں پالیتا ہے۔ ہماری سرکار کے آدمیوں کو ایسے کئی تجربے ہوے۔

غرضکہ راجہ بکرماجیت کے عہد کے سوا یہ دھرم راج کسی نے کہیں نہ دیکھا اور نہ سنا ہوگا۔ نہ بجے سنگھہ کے بعد پھر کہیں کوئی دیکھے گا۔ لکھنؤ میں جب ہم نے اُسکے مرنے کی خبر سنی تو بہت افسوس ہوا۔ اُسکی وفات کو پانچ چھہ سال ہوتے ہیں، اور اس کا پوتا مالک* راج ہے۔

ہم نے جودھپور کے مردوں کو زیادہ تر دیووں کی طرح سیاہ اور عورتوں کو حوران جنت کے مانند حسین پایا۔ یہاں بڑھیاں بھی کم نظر آئیں۔ شہر میں برسات اور گرمیوں کے موسم میں بھی گرمی نہیں پڑتی۔ البتہ دوپہر میں ہوا ذرا گرم ہوجاتی ہے، مگر ایک دو گھنٹے کے بعد پھر ٹھنڈی ہوا چلنے لگتی ہے۔ گرمیوں میں بھی ہمیشہ ایک رزائی کی سردی ہوتی ہے۔ اِس شہر میں باغ صرف ایک ہی ہے، جس کا نام منڈور ہے۔ اس باغ کا انار مزے اور جسامت میں بالکل ولایت کے انار کا جیسا ہوتا ہے۔ طرفہ‌تر یہ کہ بہت سستا ہے۔ آم کے درخت اِس میں بہت تھوڑے ہیں۔ اور گلاب کے پھول یہاں فروخت نہیں ہوتے۔ جو کچھہ پیدا ہوتے ہیں، بت‌خانے کی نذر کے لئے چلے جاتے ہیں۔ ہم نے بھی باغ کی سیر کی۔ بھوانی دیوتا، گھوڑوں اور سواروں کی بہت سی تصویریں دیکھیں جو قد و قامت، جسامت اور نقش و نگار میں ہوبہو اصل بلکہ زندہ سواروں، اور زندہ گھوڑوں سے بہتر ہیں۔ یک لخت ایک پہاڑ کو تراش کر ایک عمدہ عمارت بنائی ہے۔ اُسی میں تصویریں تراشی گئی ہیں۔ غرضکہ کاریگروں نے اپنی عجیب و غریب صنّاعی دکھائی ہے۔ یہ بھی مہاراجہ کا معبد ہے، جو مانی و بہزاد کی نقاشی کو یاد دلاتا ہے۔ اس باغ میں ایک آم اور ایک کھِرنی کا درخت دیکھنے میں آیا، یہ دونوں بہت پرانے اور بہت بڑے درخت ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بازی‌گروں نے اپنی شعبدہ بازی کا کمال دکھاتے وقت یہ درخت محض تماشے اور کھیل کی طور پر لگادئے تھے، جو اب تک موجود ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

القصہ سکھاوت کے تالاب پر ہمارا قیام ہوا۔ راجۂ موصوف کی طرف سے منشی چنپت رائے ہمارے حضور میں پہنچا۔ پرتکلف مہمانی بجالایا، اِس ملک کے کئی تحفے اور نقد نذرانہ پیش کیا۔ بیحد انکسار اور سماجت کا اظہار کیا۔ بڑے بڑے خیمے بھجوائے جو واقعی سرکار کے لایق ہوتے ہیں۔

---

* ھکذا فی الاصل۔

اسکے علاوہ مہاراجہ نے اپنے بخشی بھیم راج کو، اور اسکے همراہ خوب چند سنگھی، لال جیومہت، منشی چنپت رائے، برگھہ بھان وکیل راج راجند ر سوائے پرتاب سنگھہ اور اسمعیل بیگ خاں همدانی کے وکیل حقداد خاں کو بھی همارے پاس بھیجا- اور عرض کی کہ "راتھہ نالہ" کی بارہ‌دری میں تشریف ارزانی فرمائیے- مہاراجہ کی درخواست کے مطابق تالاب پر سے اُتھہ کر هم نے مذکورہ بارہ‌دری میں قیام کیا- یہ بارہ‌دری مہاراجہ کے خیموں کے بالمقابل هے- اور اِن لوگوں میں سے هر ایک کو اسکے مرتبے کے لائق ایک ایک خلعت مرحمت فرمایا-

مہاراجہ جودھپور کی ملاقات اور اُسکے حالات

چند هفتوں کے بعد مہاراجہ سوائی پرتاب سنگھہ بہادر نے نہایت شائستہ طور پر هماری ملاقات کی سعادت حاصل کی- اور جےپور کے راجہ کی طرح بہت کچھہ پیش کش کیا- گھوڑے اور اونت، اُس سے بہت زیادہ بھجوائے- اِسکے بعد رازداری کی باتیں درمیان میں آئیں- راجہ کو میں نے نہایت شوکت و شان والا پایا، باسٹھہ سال کی عمر هے، راتھورانہ لباس میں تھا- نہ میں اسکی زبان جانتا تھا، نہ یہ میری زبان- چنپت رائے هم دونوں میں ترجمان هوے- اِس راجہ نے خالص راتھور زبان کے سوا اور کوئی زبان کبھی سنی هی نہ تھی- غرض یہ طے هوا کہ هم اِسی مہینے میں بخشی غلام کے بھتیجے کو همراہ لیکر بیس هزار سواروں کے ساتھہ موضع دونسہ میں داخل هو جائیں، جو مرهتوں کی فوجوں کے مقابلے میں واقع هے- راجہ نے یہ بھی کہا کہ وهاں پہنچکر جےپور کے راجہ سے بیس هزار سوار اور لیں- بالفعل راتھور اور کچھواهہ قوم کے اِن چالیس هزار سواروں سے مرهتوں کا مقابلہ فرمائیں- فتح کے بعد جو کچھہ مرضی مبارک هو وہ غلاموں کو قبول هے-

افتخارالدولہ محمد بیگ همدانی کے بھتیجے احتشام‌الدولہ اسماعیل بیگ کا ذکر جو اپنے دل میں هماری بربادی کی تمنا رکھتا تھا اور جسلے همارے مقاصد کی راہ میں حسد کا بیج بویا

اسماعیل بیگ مذکور کا ایک وکیل حقداد خاں اپنے مؤکل کی جانب سے مہاراجہ کے پاس رهاکرتا تھا- اِس نے نہایت عاجزی اور منت کر کے اپنے

موکل کے نام مجھہ سے ایک شقہ حاصل کیا- یہ شقہ اور میرے دونسہ پہنچنے کی خبر بھی اُس کو پہنچائی- اسمعیل بیگ کا خطاب احتشام الدولہ فیروز جنگ تھا، یہ اِس وقت بمقام اکبرآباد مرہٹوں کی قید میں ہے- اُن دنوں وہ اِن دونوں راجاؤں کی طرف سے مرہٹوں کے مقابلے کے لئے موضع پاٹن میں مقیم تھا- اور جنگ کو آج کل پرتال رہا تھا- اسے جیسے ہی میرے آنے کی خبر پہنچی- مارے حسد کے جل گیا- کیونکہ جس روز سے میں جےپور میں داخل ہوا تھا، اِس کی فوجیں، اِسکی بدزبانی اور گالی گلوج سے بد دل ہوچکی تھیں- اور ہر مہینے جوق جوق وہاں سے الگ ہوہو کر اپنے اپنے رسالداروں کے ساتھہ میرے پاس پہنچ رہی تھیں- اس کے بڑے بڑے سرداروں کی عرضیاں روزانہ بلا ناغہ آرہی تھیں- اُسنے یہ جو سنا کہ میں جودھپور سے دونسہ کی جانب کوچ کرنے کا تہیہ کررہا ہوں- تو دونوں راجاؤں کو عرضیاں لکھیں کہ اگر شاہزادے کو فوج دیکر دونسہ روانہ کیا گیا تو میں یہاں سے نکل کر مادھوجی سیندھیا پٹیل سے جاملوں گا، اور تم سے جنگ کروں گا- وہ میرا مُنہ بولا باپ ہے- اور اگر تم مجھے اپنی رفاقت میں رکھنا چاہتے ہو تو تھوڑے دنوں تک شاہزادے کو وہیں جودھپور میں روک رکھو اور اُن کی اچھی طرح دلداری کرتے رہو- ایسی ہی ایک عرضی بڑے تملق اور لجاجت کے ساتھہ مجھے بھی لکھی-

---

احتشام الدولہ اسمعیل بیگ خان بہادر فیروز جنگ کی عرضی جو افتخار الدولہ محمد بیگ خاں ہمدانی کا بھتیجا تھا، یہ عرضی ہم کو ماہ رجب سنہ مذکور میں بمقام جودھپور پہنچی تھی

"انجمن مہر نشیمن کے فیض اندوز، حضرت پیر و مرشد دامِ اقبالہ و اجلالہ کے حضور میں عبودیت کے سجدے بجالاکر عرض گزار ہے کہ تفضل نامہ نے کرامت فرمائی، اور بے پایاں مہربانیوں کی بشارتیں لیکر اپنے ورود سے سرفرازیاں بخشیں- دونوں جہان میں سر بلند کیا- آں جناب کے ارشادات فیض سمات سے تفصیل کے ساتھہ میں نے فیض حاصل کیا- وفور عبودیت و ارادت کے سبب جناب کی خدمت و بندگی کی بجاآوری کا ارادہ میں اپنے لئے ذریعۂ سعادت تصور کرتا ہوں، اور حضور کے مہمات کو فروغ حاصل ہونا میری تمام آرزوں سے بڑھی ہوی آرزو ہے- خدانے چاہا تو سب کام دولت خواہوں کی تمنا اور حضور کی مرضیات کے موافق جلوۂ ظہور پائینگے- نقش مدعا کی

درستی تک سرکار کے اخراجات اور ضروری اسباب کے لئے میں نے مہاراجہ صاحب راج راجیشور مہاراجہ دھراج، مہاراجہ بجے سنگھہ جی کو لکھا ھے- وہ حضور کی خدمات کے بجالانے میں کسی قسم کی کمی نہ کرینگے- امید ھے کہ بندگان دولت کا مزاج تمام وجوہ سے قرین جمعیت ہوگا- اور کسی طرح کا تردد مزاج عالی میں راہ نہ پائیگا- وھیں اپنے سایۂ ھماپایہ کو مستقل رکھیں- اور فدوی کو ایک سچا خاک پا تصور فرمائیں- زیادہ حد ادب- عظمت اور اقبال کا آفتاب ھمیشہ تابان و درخشاں رھے"-

اسی اثنا میں بہت سے ھرکارے میرے خانگی خطوط لیکر پہنچے- مرزا محمد جلال الدین اور مرزا ھمایوں بخت (جو اب مدراس میں ھیں) کے خطوط بالخصوص اِس باب میں تھے کہ شاہ عالم بادشاہ اور یہاں کے اھل کاروں نے آپ کے بھاگ جانے کی وجہ سے اسی میں اپنی مصلحت دیکھی کہ ھمیں مع قبائل کے قلعۂ مبارک سے باھر نکال کر اسمعیل خاں کی حویلی میں اُتار دیا ھے- دیکھئے آگے کیا ھوتا ھے- اِن خطوط کو پڑھکر میں دونا پریشان ھوگیا- فوراً بھائیوں کو اور مدد خرچ روانہ کیا- اور جے پور کے مہاراجہ کو بھی اس بربادی خاندان کا ذکر لکھہ بھیجا- چند روز کے بعد اس پریشانی کی اطلاع یابی اور میری تسلی و تشفی میں مہاراجہ راج راجندر اور بخشی میٹھا لال کی عرضیاں پہنچیں-

---

راج راجندر سری مہاراج دھراج سوائے پرتاب سنگھہ بہادر والی جےپور کی عرضی کی نقل

وثیقہ شرف صدور لایا، اِس بے اشتباہ بندے کے امتیاز و اعزاز کا پایہ بلند کیا- دارالخلافہ کے واقعات سے حضور کے مزاج وھاج میں جو تشویش رونما ھوی ھے اور جس کے متعلق خط میں ارشاد ھوا ھے اُس سے آگاھی پائی- جن امور کا علاج انسانی فکر سے بالاتر ھے، اُن کا تدارک تقدیر ھی کے حوالے ھونا مناسب ھے- جب بڑے بڑے امور کا اجرا حضور کی ھمّت والا نہمت کے پیش نظر ھے تو اُسکا تقاضا یہ ھے کہ اِن امور سے قطع نظر کر کے امور منظورہ کی تدبیر کی جانب اپنی پوری توجہ مبذول فرمائیں- خدانے چاھا تو وقت پر اِن کی تلافی قوت سے فعل میں آجائیگی- امید ھے کہ جودھپور میں ورود مقدم فیض توام میمنت اور فرخندگی کے ساتھہ ھوا ھوگا- اب جو نقشہ

مہاراجہ بجے سنگھہ کی عرضی کے بموجب مزاج مبارک کو منظور ہوا ھے، فدوی کو بھی اُسکے شرف اطلاع سے معزز فرمائیں- کیونکہ صداقت ارادت کے اقتضا سے جناب کی صولت و سطوت، ہمارا منتہاے آرزو ھے- زیادہ حد ادب"-

والی جودھپور کے بخشی میٹھالال کی نقل عرضی

"شقۂ خاص تفضّل اختصاص جو بندہ پروری اور نوازش کے اقتضا اور خاکسار کی سرفرازی کے خیال سے مرحمت ہوا تھا، اُسکے کرامت آمود ورود کے شرف سے دوجہان کی سعادت حاصل کی- اور حضور کی بے قیاس مہربانیوں کے شکر و سپاس کے سجدوں سے اپنی نیاز کی پیشانی کو نور آگیں کیا- جن وجوہ سے مزاج مقدس کی پریشانی کی نسبت ارشاد فیض بنیاد صادر ہوا ھے وہ بجا ھے- مگر جناب کی ذات مقدس انوار الٰہی کا سرچشمہ ھے، اور چونکہ بالفعل ان مکروہات کا علاج کسی صورت سے متصور نہیں ھے، مجبوراً جو کام ہاتھہ سے نکل گیا ھے، اسکو مقدرات پر چھوڑنا ھی صلاح دولت ھے- خدائے تعالٰے نے چاہا تو اقبال والا کی برکتوں سے آئندہ اِن پریشانیوں کی خاطرخواہ تلافی قوّت سے فعل میں آجائیگی- امید ھے کہ حضور اپنے ممالک آرا حوصلے کے موافق اِن وجوہ پریشانی کے غبار ملال کو اپنے جہاں تاب ضمیر کی لوح سے رفع فرماکر اپنی توجہات، امورات معظمہ کے اجرا میں صرف فرمائینگے، جو ہمت والا کے پیش نہاد ھیں- یقین ھے کہ میمنت اور فرخندگی کے ساتھہ شہر جودھپور کی وسعت کو حضور نے اپنے مقدم فیض توام سے نور آگیں بنایاہوگا- مہاراجہ راج راجیشر کے معروضہ کے بعد جو نقشہ حضور کے مزاج مقدس میں منقوش ہواہو، خاکسار کو بھی اُس کی اطلاع سے مشرف و سرفراز فرمائیں- حضور کا جو شقۂ خاص مہاراجہ راج راجندر کی سرفرازی کے لئے عنایت ہوا تھا، اُس کے جواب میں عرضی ابلاغ کی گئی ھے- نظر انور سے گزری ہوگی- مہاراج راج راجندر اپنے رسوخ ارادت کے اقتضا سے بہمہ وجوہ حضور کی سطوت کے آرزومند ھیں- جو انتظام خلافت کا باعث ھے- جس طرح مہاراج راجیشر نے تنظیم امور کی ایک شکل مقرر فرما دی ھے- اِسی کے موافق اِس طرف سے بھی خدمات کی بجا آوری کے لئے پیش قدمی ظہور میں آئیگی- جنکے لئے سعی و کوشش کرنا ضروری ھے- خدا دولت اور اقبال کے آفتاب کو ہمیشہ تاباں اور درخشاں رکھے"-

نامدار خاں افغان اور امردت شیطان کا مجھے بھکانا، اور یہاں سے میرا کوچ

نامدار خاں ایک افغان اور امردت ایک شیطان ہے- یہ دونوں میری ناکامی کا سبب بن گئے، اور میرے حق میں دشمنوں سے بھی بدتر نادان دوست ثابت ہوے- یہ دونوں اِن منحوس دنوں میں میرے ساتھہ سرگرم مشورہ تھے- اور میں تازہ تازہ سلاطینی قید سے نکلا تھا- دنیا کے نیک و بد سے بالکل ناواقف، اور زمانے کے سرد و گرم سے ھنوز ناآشنا تھا- چنانچہ میں نے اپنے ایک رسالہ مسمّٰی بہ "سوانحات اظفری" میں اِس بات کو مناسب طور پر بیان کیا ہے-

سانحہ: اظفری! تیری عمر کے تیس سال سلاطینی قید میں گزرے- بہت سے ایسی باتیں ھیں جو تیرے کانوں تک نہیں پہنچیں، دیکھنا اور آزمانا تو الگ رہا- تو فرشتوں اور نبیوں میں بھی نہیں، کہ بغیر حاصل کئے سب کچھہ سیکھہ گیا ہو، نہیں جانتا تو معذور ہے، لیکن نہ سیکھے تو عقل سے دور ہے- قطعہ:

اظفری! غیر انبیاء و ملک - نبود جز بکسب، اخذ امور
زانچہ نادانی، خود تو معذوری - ورنیا موزیت زدانش دور

غرض دوسرے احباب کے شدید اختلاف کے باوجود اِن دونوں کی رائے مان لینے پر میں تیار ہوگیا- انہوں نے باور کرایا کہ ہم نے قوم چیتہ کو حضور کے کام کے لئے اپنے ساتھہ ملالیا ہے- یہ اصل میں ایک افغانی قوم ہے- ان کی تعداد بیس ہزار ہے، اور یہ اجمیر کے آس پاس کی پہاڑیوں میں رہتے ہیں- راجاؤں کا مال لوٹ مار کر اپنی کھوؤں میں چلے جاتے ہیں، جہاں اُن کی بود و باش ہے- کوئی اُن پر غلبہ نہیں پاسکتا- اجمیر پہنچتے ہی اِن کی فوجیں حاضرِ رکاب ہونگی- اور ملک گیری کے لئے اِن کی مدد و اعانت ہونے کی صورت میں ہمیں راجاؤں کی کسی امداد کی حاجت نہیں ہے-

اگرچہ مہاراجہ ہماری سرکار کے اخراجات اچھی طرح پہنچاتے تھے- ہم سے سخت اور پکی قسموں کے ساتھہ بڑے بڑے وعدے کرچکے تھے- اور اپنے امیروں کے ذریعے حد سے زیادہ ہر قسم کی دلداری و نصیحت کرتے رہتے تھے، مگر تقدیر میں تباہی لکھی تھی، اسلئے کسی کی پند و نصیحت کارگر نہ ہوی- ع

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود-

شیخ رحمت اللہ کی عرضی کی نقل، جو سندھ کے والی شاہ نواز خاں کے بیٹے محمد عارف خاں عباسی کا خان ساماں تھا، اور جودھپور میں مہاراجہ کے پاس رہا کرتا تھا، علم و شعور میں یکتائے زمانہ تھا۔ اور اپنے زمانے کے فصیحوں پر گوئے سبقت لے گیا تھا۔ یہ عرضی اُس نے راقم کی نصیحت کے لئے لکھی تھی۔

بعزّ عرض اشرف ہمایوں، خدیوگیہاں، قبلۂ عالم و عالمیاں مداللہ ظلالہ و خلداللہ اقبالہ میرساند۔

خاص الخاص شقہ اِس خاکسار بے مقدار کی سرفرازی کے لئے پہنچا، اور فدوی کے سر افتخار کو بے شبہ آسمانوں کی بلندی تک پہنچا دیا۔ عاجز پروری اور بندہ نوازی کے آداب سچّے فدویوں، اور پکّے غلاموں کے طریقے پر بجا لاکر سلطنت کے مدارج کی بلندی اور ضوابط خلافت کی بلندرسی کی دعا میں مصروف ہے۔ خدا کی امداد و اعانت سے دولت ابد مدّت کے ہواخواہوں کی آرزو کے موافق یہ دعا بہت تھوڑے عرصے میں قبول ہونے والی ہے۔ یہاں کے ہر قسم کے حالات، حضور کرامت شعور کی عالی فہمی سے مخفی نہیں ہیں۔ فدوی کو کیا طاقت اور کہاں یہ لیاقت کہ حضور کے ادراک اور احساس سے بالاتر کچھ عرض معروض کرسکے۔ مگر بحکم "الامر فوق الادب"، فدوی بھی دوسرے فدویوں کے ساتھ ہم سلک ہونے کا شرف پاچکا ہے۔ اسلئے عرض کرتا ہے کہ راج راجیشر مہاراجہ دھراج کی مرضی یہی ہے کہ حضور کے امر مطاع کی پیروی کریں، اور مرضیات والا کی رضا حاصل کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ لیکن ہر آرزو کے پورے ہونے اور ہر خیال کے تصفیے کے لئے وقت اور موقع کا انتظار ہے۔ فی الواقع امور سلطنت کا انتظام اور خلافت کے دشمنوں کو پامال و فنا کرنے کا اہتمام طویل غور و فکر کے بغیر دشوار ہے۔ اطراف و جوانب کی اصلاح عرصۂ دراز کی کوشش کے بغیر مشکل ہے۔ مہاراجہ دھراج کے متصدیوں کی دیرداری کی وجہ سے سرکار کا عملہ شاید اس تجویز میں ہے کہ حضور کی روانگی بہ عجلت ہو، اور اِس مقام سے جھٹ دامن جھٹک کر اُٹھ کھڑے ہوں۔ مگر خلوص ارادت اور وثوق فدویت کے لحاظ سے خان ذی شان حقدادخاں کی تحریک اور تجویز یہی ہے کہ ابھی چند روز یہیں قیام فرمانا مناسب اور بہتر ہے۔ جودھپور ہی کچھ دن اور حضور کی عزت و جاہ کا

خیمہ گاہ رهے- وہ بندگی اور خیر خواهی کی راہ پر چل رها هے- اور اس نے اپنی کمر جاں پر سچی فدویت و جاں نثاری کا پٹکا باندہ رکھا هے- اِس حقیر هیچمداں کا حوصلہ بهی ابتدا هی سے اِسی راے پر قائم هے کہ "قضیۂ زمین بر زمین" بزرگوں کا مقولہ هے- بهر تدبیر اس جگہ کو نہ چھوڑنا چاهئے- اور یہاں کے معاملے کے خیال سے هاتهہ نہ اُٹهانا چاهئے- یہاں کا اصول یہی هے، جس وقت یہاں سے همت و مروت کا امکان رهے تو وقت کو ضائع نہ کرنا چاهئے- لیکن دقت یہی هے کہ خلوت کدۂ بطون میں جو کچهہ مخفی هے، ایک نہ ایک دن منصۂ شہود پر ضرور آئے گا- حضور کی دولت خدا داد کے امین مشیروں کی راے اور صلاح هو تو مناسب یہی هے کہ مدعا براری کے انتظار کا زمانہ یہیں گزارنا چاهئے- کابل بہت دور هے- پهر حالت یہ هے کہ "بخود نمی رسد آں شوخ تابما چہ رسد"- دکن کے رئیسوں کے اوضاع اور انداز حضرت ولی نعمت سے مخفی نہیں هیں- غرضکہ جس وقت تک یہ جگہ حضور کی نصرت و اقبال کے خیموں کی قیام گاہ هے، سرکار گردوں وقار کے عملے کا مقررہ خرچ خان موصوف کی معرفت راجہ راجیشر کے متصدیوں سے پہنچتا رهیگا- جب هرامر کا تصفیہ هوجائے اور زمانے کی هوا میں اعتدال پیدا هو، اس وقت اگر مرضی والا کسی جانب روانگی کی هو تو کچهہ هرج نہیں- وهی ارادہ هے اور وهی همت، هاتهہ سے کچهہ نہیں گیا هے- جو بات اب هے وهی تب هوگی- اس سر زمین میں سرکار کی رونق افروزی اور قیام کے باب میں کوئی بات اگر حضور کے مشیروں کے خیال کو برهم کرنے والی هے تو وہ هرگز درست نہیں- فدوی اِس کی اچهی طرح چهان بین کر چکا هے- اب موقع کے انتظار کے سوا کیا کرنا چاهئے- اِس کے سوا میرے خیال میں کچهہ بهی نہیں آتا- باقی "امرکم مطاع و عبادکم مطیع"- کل کے دن حکیم عنایت اللہ خاں کا انتظار رها کہ دیکهیں وہ حضور کے شقۂ خاص سے سرفراز فرماکر کب ممتاز فرماتے هیں- اسکے بعد اُنهیں کی معرفت خاکپاے اشرف تک اپنی عرضی نیاز پہنچاؤں گا- اسی خیال سے دیر هوی، ورنہ کیا مجال کہ فدوی سے اِس قدر تساهل هو- خدا کرے حضور کے دشمنوں کو پامال کرنے والے اقبال کا وسیع سایہ دور و نزدیک کے تمام فدویوں کے سروں کے لئے وجہ زینت رهے"- عرضی ختم هوی-

الغرض اِس وقت مصلحت یہی نظر آئی کہ هم تیمور شاہ بن احمد شاہ دُرّانی کے ملک کی طرف روانہ هوجائیں- کیونکہ اِن اضلاع میں رهکر اُن

اطراف کے تمام رئیسوں سے خط و کتابت اور مراسلت بخوبی ہوچکی تھی مثلاً ہرات کے والی تیمور شاہ سے، اور شاہ نواز خاں عباسی والی سندھ سے، اُسکے بیٹے محمد عارف خاں کی معرفت۔ بھاول خاں ناظم بھاولپور سے، محمد حسین خاں مالک بھلیر سے، خاصکر عمادالملک غازی الدین خاں وزیر معزول سے، جو داؤد پوترھا کے متصل مقام مہاران میں مقیم تھے۔ مہاراجہ راجیشر نے اونٹوں پر پانی لادنے کے تمام اسباب بھی تیار کر کے بھیجدئے تھے۔ کیونکہ اُس رستے میں تیس کوس تک اور پھر چند منزلوں طے کرنے کے بعد ایک مقام پر بیس کوس تک پانی کا نام و نشان نہیں تھا۔ غرضکہ ہم نے اس طرف کا کوچ کیا۔ اِسکے بعد اُنہیں دونوں شیطان سیرت، انسانی صورت ظالموں نے یہ مشورہ دیا کہ اجمیر کی طرف کوچ کرنا بہتر ہے۔ اِن کے بہکانے سے دونوں راجہ بھی آگاہ ہوگئے اُنھوں نے بہت چاہا کہ دونوں کو ہماری سرکار سے نکالدیں، یا قید کردیں۔ لیکن جب میں اُن کے ارادے سے خبردار ہوا تو نہایت سختی سے پیغام بھیجکر راجاؤں کو اِس امر سے باز رکھا۔ اور موقع ھی نہ دیا کہ اُن کا یہ ارادہ قوت سے فعل میں آئے، اور اِن دونوں شیطانوں کا شر ہمارے لشکر سے دفع ہو۔ ہاں سچ ھے کہ ''اذاجاءالقضا* عمی البصر''۔

تنبیہ: مجھے یاد ھے کہ اس حیص بیص میں ایک روز حکیم حسین رضا خاں صاحب نے خلوت میں مجھہ سے عرض کی کہ: بےادبی معاف! حضرت خود فرمائیں کہ ہم سب غلام اور دوسرے عقلمند دانا لوگ جو سرکار کے دولت خواہ اور فدوی ھیں۔ یک زبان ہوکر اسی مشورے پر اصرار کررھے ھیں کہ آپ کا جودھپور ھی میں رھنا بہر صورت بہتر، اور سرکار کا یہاں سے کوچ کرنا باکل بیجا ھے۔ لیکن حضور اس کے خلاف ھیں، مانتے ھی نہیں۔ شاید مہاراجہ کی اور ہم سب کی عقلیں سلب ہوگئی ھیں۔ اب اسکے برعکس ہماری زبان کیا کہہ سکتی ھے۔ سر ادب سے گزر کر پایۂ گستاخی کو پہنچنا ھے۔

میں نے کہا: میں اسقدر بیوقوف نہیں ہوں کہ اِن باتوں کی تہ کو نہ پاسکوں۔ اور نادانی سے مخالفت پر اڑا رہوں۔ مگر شاید میرا کلام مقدر کی جانب سے ہو۔ اور آپ لوگوں کی تدبیریں تقدیر کے خلاف۔ جو تدبیر تقدیر کے خلاف ہو وہ کیونکر عمل میں آسکتی ھے۔ سمجھہ میں نہیں آتا کہ میری تقدیر میں کیا مکروھات لکھے ھیں جو میری راے آپ سب فدویوں کی

* قضا کی جگہہ 'قدر' آیا ھے۔

راے کے خلاف تقاضا کر رهی هے- جو کچهه آپ سب نهیں چاهتے، وہ میری طبیعت چاهتی هے- اس پر بات ختم اور سب خاموش هوگئے- اِس کے بعد جب میں تباہ و برباد هوا تو میںنے حکیم صاحب سے کہا کہ آپ نے دیکھا! میری راے تقدیر کے موافق تهی اور آپ لوگوں کی رائیں مقدر کے خلاف-

فائدہ: سندهی لوگ اپنے کو رسول اللہ ص کے چچا حضرت عباس رض کی طرف منسوب کرتے هیں- اور اِنهیں 'لَتّی' (لام اور تاے فوقانیہ کی تشدید اور یاے معروف کے ساتهہ) بهی کہا جاتا هے- یہ لوگ اکثر سیہ فام، قوی هیکل، زور آور هوتے هیں- مسلمان هیں، مگر اپنے مذهب کی روسے اپنے بدن پر اُسترہ پهیرنا حرام سمجهتے هیں- یہاں تک کہ لب، بغل اور سر وغیرہ کے بال تک نهیں لیتے- شاہ نواز خاں لتی کا پایہ تخت عمرکوت نامی ایک قلعہ تها، جو آجکل تهوڑے عرصے سے مہاراجہ راجیشر کے تصرف میں هے- شاہ نواز خاں اپنی بسر اوقات والي هرات کے سایۂ حمایت میں کر رها هے- اِس کے فرزند محمد عارف خان عباسی جودهپور میں مہاراجہ کے یہاں رهتے هیں- راقم کے ساتهہ نہایت فدویانہ عقیدت رکهتے هیں- لیکن کسی مصلحت سے ملاقات کو نهیں آئے-

اسی اثناء میں والی هرات کے سوا تمام مذکورہ سرداروں کی عرضیاں همارے پاس پہنچیں- لیکن چوری کی بدولت بہت سی عرضیاں تلف هوگئیں- صرف چند عریضے نواب عمادالملک کے باقی رہ گئے هیں- اُن میں سے جو کچهہ اِس موقع کے مناسب هیں، اُن کی نقل تحریر کی جاتی هے-

---

وزیرالممالک آصف جاہ نظام‌الملک بہادر، سپہ سالار یعنی عمادالملک غازی‌الدین خاں المتخلص بہ نظاؔم کی عرضی اور اُن اشعار کی نقل، جو ماہ رجب سنہ ۱۲۰۳ھ میں وزیر موصوف کی مہر خاص اور دستخط سے بمقام جودهپور میرے پاس پہنچے تهے

صاحب عالم و عالمیاں، و مالک جهاں و جهانیاں، طراز سریر سلطانی، رونق تاج خاقانی، خسرو عالی تبار، خدیووالا مقدار، ایدہ اللہ تعالیٰ-

عبودیت کے مراتب پیش کرنے اور عقیدت کے مراسم تحریر کرنے کے بعد ارادت مندوں کے طریقوں کے مطابق اور مستمندوں کے اطوار کے موافق ادب سے ھاتھ باندھ کر اور بندگی سے قد کو جھکا کر عرض فیض معرض کی بلندی پر جہاں سریر خلافت کے پایہ تک بار پانے والے جاکر عرض کرتے ھیں- اور بساط سلطنت مناط کے مقرب اشرف و اقدس، ارفع تک پہنچاتے ھیں، اپنی عرض یوں پہنچاتا ھے کہ:

اے خداوند تاج و صاحب تخت - تو علی بخت با دیار تو بخت
حضرت کردگار بے ھمتا - بر تو آساں کناد مشکل سخت
بتو تشریف شاھی ارزانی - در عدم بُردہ دُشمنان تو رخت
لخت دل ھاے دشمناں نزند - برسر ناوک و سناں یک لخت
سبز شد در دعا زبان نظّام
فیض بخشی چو میوہ دار درخت

نشان واجب الاذعان و رقم مبارک شیم نے مبارک گھڑی میں عز ورود و فیض فرمایا- اور اِس ذرۂ بیمقدار کے اعزاز و افتخار کے درجے کو بڑھایا-

بوسیدم و برمردمک دیدہ نہادم - پیچیدم و تعویذ دل غمزدہ کردم

اس سرمایۂ سرفرازی کو طرّے کی طرح اپنے سر نیاز کی زینت بنایا- ادب کی جگھہ پر کھڑے ھوکر آداب و تسلیمات پیش کرتا ھوں- اپنی رسوخ کی اُنگلیوں کو اس مکتوب عالی تک پہنچانے سے مشرف کیا- خط طغرا نمط کی زیارت سے دیدۂ اعجاز دیدہ کو منور بنایا- اُسکی متین عبارتوں اور رنگین مضامین کے مطالعہ نے دل فدویت منزل کو مسرور کیا- چشم بد دُور درحقیقت قلعۂ مبارک والوں میں ایسی قابلیت کا کوئی شخص سننے میں نہیں آیا- یہ محض فطری استعداد ھے کہ تعلیم و تعلم کے بغیر ایسی عمدہ نثر سلیس، فصیح و بلیغ اور صحیح فارسی خامۂ بلاغت شمامہ سے ٹپکی پڑتی ھے- اور ایسے آبدار اشعار نظم ھوتے ھیں- پھر غیرت و عزم کا یہ عالم کہ حیرت ھوتی ھے- قلعۂ مبارک کی قید سے کیوں کر باھر تشریف لے آئے- ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند-

خداوند تعالیٰ شانہ قادر ھے- وھی اس تکلیف کے عوض خاطرخواہ آرام عطا فرمائیگا- بندگان الہی میں یہ کمترین بندہ واللہ ثم باللہ اس قابلیت اور

جرأت کو دیکھہ کر شیفتۂ بندگی ہوگیا ہے- لیکن افسوس یہ ہے کہ اِس ضعیف کی جوانی اور اختیارات کے زمانے میں اس نیّر اعظم نے عز و جلال کے اُفق سے طلوع نہ فرمایا، کہ غلام بھی کچھہ اپنی جاں فشانیاں دکھاتا-

راؤ ملہار راؤ، بالاجی راؤ، احمد خاں، حافظ رحمت خاں، راجہ مادھو سنگھہ وغیرہ خاکسار کے قوت بازو تھے- اب اُن میں سے کوئی نہ رہا- دوسرے مرھٹہ سردار جن سے ساتھہ دینے کی اُمید تھی، وہ اِس وقت خود مالک بن بیٹھے ہیں- اور عالی شان راجاؤں کے حالات ظاھر ہیں- جو کچھہ میرے خاطر فاتر میں آیا، وہ الگ کاغذ کے پرچے پر حضور کی راے جہاں آراے پر روشن ہوتا ہے- ترکی کے لئے جو ارشاد عالی ہوا، تو اِس وقت ترکی تمام ہوچکی ہے- صرف آں جلیل القدر کے حکم کی پیروی میں ایک رباعی فی البدیہہ عرض ہے :

تذکری سیلی دنیا ارا سلطان قیلسون
جاہ و حشمت ببرلہ سلیمان قیلسون
دولت ببرسون سنکا و احسان قیلسون
عالم واقویا اش گیتی نمایاں قیلسون

اس رب العباد کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ابدالاباد تک دولت اور اقبال کا سورج عظمت اور جلال کے مطلع سے درخشاں اور تاباں رہے-

---

راقم کے اشعار میں غم‌خور تخلص تھا، اس لئے وزیر موصوف نے الگ ایک کاغذ پر اس تخلص کو بدلنے کے لئے اِن الفاظ میں اشارہ کیا:

"حضرت سلامت! غم کھانا دشمنوں کو نصیب ہو- جو تخلص شان شہریاری پر دلالت کرے، وہ جناب کے لئے مبارک، اولیٰ اور احسن ہے"-

وزیر موصوف کے معروضے کے موافق میں نے اپنا تخلص بدل کر اظفری رکھا-

---

وزیر موصوف کے طبع زاد چند دعائیہ اشعار

"حضرت سلامت! چونکہ ہندی (اردو) زبان خاطر مبارک کو پسند ہے۔ اُسی زبان میں ایک دعائیہ غزل اور دوسری غزل حضور والا کی غزل پر معروض خدمت ہے"۔ غزل دعائیہ:

اے شاہ اجابت سے قریں میری دعا ہو
شامل ترے تا دور زماں فضل خدا ہو

جس طرح ہو خورشید شعاعوں سے جہانگیر
لے شرق سے تا غرب تلک دست رسا ہو

قوس قزح و مہر جہاں تاب کے مانند
عالم میں علانیہ ترا تیغ و لوا ہو

جوں سرو سرافراختہ گلشن میں جہاں کے
اے نخل ثمر پاش تجھے نشو و نما ہو

ہر شاہ فلک رُتبہ و ہر خسرو جم قدر
محتاج ترے در پہ سدا مثل گدا ہو

احکام ترے ہوویں رسا تا مہ و ماہی
تابع ترے فرمان کے یہ ارض و سما ہو

شربت سے ترے فیض کے سو کام ہو شیریں
ہر بندۂ محتاج کا تو کام روا ہو

صیقل دہِ دل سرمہ کش دیدۂ عشرت
اے رشک مہ و مہر ترا صبح و مسا ہو

تجھکو ہو بقا تا بہ ابد ملک جہاں میں
اور تیرے بد اندیش کی قسمت میں فنا ہو

ساغر ترے اقبال کا اب دور میں آوے
وہ کام ہو دوراں سے کہ سب دور ترا ہو

بلبل بھی اگر باغ میں ہو تیری ثنا خواں
تجھ سے زر گل پا کے وہ با برگ و نوا ہو

تجھ بن جو کوئی تخت پہ بیٹھے ہو تو بیجا
تو جائے کرے اس پہ تو یہ بات بجا ہو

تیری تو جبلت میں سراسر ہے بھلائی
تو خسرو عالم ہو تو عالم کا بھلا ہو
وہ دولت وافر کہ نہ ہو اُس سے زیادہ
گنجینۂ لاریب سے سو تجھہ کو عطا ہو
ہو چتر ترے سر پہ کف لطف الٰہی
سایہ ترے دامن کا بہ از ظلِ ہما ہو
ہو ایک نظر تیری کلید در بستہ
اور ناخن ابرو ہی ترا عقدہ کشا ہو
محجوب ہو دشمن کا ترے کوکب طالع
اور نیّر اقبال ترا جلوہ نما ہو
قادر ہے سبھی چیز پہ خلّاق دوعالم
گر عرض نظامؔ اتنی وہ سن لیوے تو کیا ہو-

راقم کے طبع زاد شعر کے دو مصرعوں کی تضمین، جو وزیر موصوف نے کی یہ ہے:

کب آفتاب تیرے تجمل کو پاسکے
یہ رو اِسے کہاں کہ ترے آگے آسکے
اس کو تو میں نے رشتۂ جاں سے کیا ہے بند
کیونکر ترا خیال مرے جی سے جاسکے
تیری گرہ جبین کی ہے اِس کو مُہر لب
قاصد مرا پیام تجھے کب سنا سکے
سینے سے دل گیا ہے نکل اُس پری کے ساتھہ
لا اے صبا خبر تو تک اُس کی جو لاسکے
مت توڑ دل کو میرے کہ آوے اگر خلیل
آساں نہیں ہے پھیر یہ کعبہ بناسکے
گر بیوفا ہوا ہے دلا! وہ جفا سرشت
تو اپنی سی نباہیو، جب تک نبھاسکے
تم تو عبث ہو درپئے تدبیر دوستاں
دل لگ گیا تو کون پھر اِسکو چھڑاسکے

طوفان اشک بھی کہیں رکتا ہے دل کے بیچ
ممکن نہیں کہ کوزے میں دریا سما سکے

میرا ہی یہ تو ہے دل پر شور، ورنہ یار
کوچے میں تیرے کون یہ دھومیں مچا سکے

خط سے ترے ہوا ہے سیہ روز عاشقاں
تقدیر کے لکھے کو کوئی کیا مٹا سکے

اِس دیر میں بجز دل دیوانۂ نحیف
طاقت کسے جو بار محبت اُٹھا سکے

عیّار بے ہراس ہوا ہے وہ فتنہ گر
کس کی مجال ہے کہ دل اُس سے بچا سکے

سر چلنگ آسمان سے اُس دل فگار کو
فرصت نہیں ہے اتنی کہ سر کو کھجا سکے

ہے مار زہردار تری زلف تابدار
جو جان پر نہ کھیلے اُسے کب کھلا سکے

چھپتی ہے شان شاہ علی بخت کب نظّام
ڈبیوں میں کون مشک کی بو کو چھپا سکے

غزل کا آخری مصرعہ، اور مصرعۂ طوفان اشک راقم کے ہیں-

موصوف کی غزل فارسی

"ایک فارسی غزل بھی اپنے مزخرفات سے بنظر اصلاح قلم عبودیت شیم سے مرقوم ہوتی ہے، مطالعۂ خاص میں آئیگی"-

چناں کاندر بہاراں می شود از گل چمن رنگیں
شد از رنگینئ آں نو گل من انجمن رنگیں

نہ پنداری لباس خویش کرد آن گلبدن رنگیں
کہ از عکس تن اومی نماید پیرھن رنگیں

شہید تیغ را گر جامہ خوں آلودہ می باشد
شہید عشق رازیبد ز خون دل کفن رنگیں

سوے لعل لبت اے ماہ گر چشم سہیل اُفتد
نہ بیند چشم کس ہرگز سہیل اندر یمن رنگیں

عجب رنگے نمایاں کرد حسن و عشق در محفل
نگار شوخ من رنگین و دل رنگین و من رنگیں

لبے گردیدہ ہر برگ شقائق، صاف می گوید
کہ باشد کوہ تا محشر زخون کوہ کن رنگیں

کے از طرّاحی حسن تو ظالم جاں برد عاشق
نگہ دلکش و لعل آفت ادا نازک، سخن رنگیں

کف پاے نگاریں‌ش چہ منّت از حنا گیرد
گل اندامم کہ دارد از فروغ حسن تن رنگیں

بجوش سینہ خون دل زچشم من فرو ریزد
بہ آئینے کہ از مینا بر آید می زدن رنگیں

نظامؔا درد و عالم نیست چیزے بہ زیک رنگی
چو آں جانانہ رنگین است می باید شدن رنگیں

اِس غزل کے جواب میں موصوف کے آخری مصرعے کی تضمین اور راقم کی دو غزلیں پیش ہیں:

شد از یُمن قُدوم نو بہارم انجمن رنگیں
زمیں رنگیں، زمن رنگیں، ہوا رنگیں چمن رنگیں

عجب دارد بُت من لو حَفِظَ اللّٰہ آمدن رنگیں
خرام آفت، ادا قاتل، سخن جاں دہ، دھن رنگیں

شد از رنگینیِ رنگ کلامش طبع من رنگیں
ازاں سرمی وندا اظفریؔ از من سخن رنگیں

شوم قربان رنگینیِ تو اے گلعذار من
کہ شد از زلف و رویت سنبل و گل یاسمن رنگیں

نگاریں دست و پا یم بر سر قتل کہ پیمودی!
دھاں از پاں، خدا از غازہ بہ گلگوں پیرھن رنگیں

یہ بھی میرا کلام ہے:

نباشد کشتگانت راز خون شاں کفن رنگیں
مگر در حسرت لعل لبت اے گلبدن رنگیں

چو یار من، نگار من، سہی سرو بہار من
زند چشمک بصحرا، می شود زاغ و زغن رنگیں

شود از کشتہ ہا پشتہ، زپروانہ بگرد شمع
ولے از خون عاشق شمع روسازد لگن رنگیں

نہ سازید از مے و سرمہ دوبالا بہر قتل من
چہ کم ایں نرگس فتاں ست اے اہل فتن رنگیں

ز اشعار نظام اے اظفری کن کسب رنگینی
جو آں جانانہ رنگیں است می باید شدن رنگیں۔

اُدے پور کی جانب ہمارا کوچ اور اُس عجیب و غریب گھاتی کے حالات جو اِس راہ میں پیش آئے

آخرکار قوم چیتہ کی رفاقت کی اُمید پر، جو اُدےپور کے راستے میں رہتی ہے، ہم رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو اُسی طرف روانہ ہوے۔ جےپور اور جودھپور کے راجہ بھی اس راز سے واقف ہوگئے تو اُنھوں نے اپنی اپنی طرف سے اِس قوم کو ہمارے خلاف اِس قدر بھڑکایا کہ کسی ایک نے بھی ہمارا ساتھ نہ دیا۔ اِن پہاڑوں میں گرمی اور راستے کی سختی سے ہمارا ایک ہاتھی بھی ہلاک ہوگیا۔ اب ہماری آنکھیں کھلیں اور معلوم ہوا کہ نامدارخاں نادان اور امردت شیطان نے ہم کو برباد کرڈالنے کا تہیہ کیا تھا۔ اُسی وقت یہ فارسی قطعہ اور ایک اردو مطلع اپنے حسب حال کہا۔ قطعہ:

اظفری! دوستان نادانت - بتر از دشمنت زیاں کردند
کہ ندانی تدراک مافات - ضرر ایدوں کہ دشمناں کردند

مطلع ریختہ یہ ہے:

عشق تقصیر نہیں تیری میں حاشا دیکھا
ہم نے گھر اپنا جلا آپ تماشا دیکھا۔

اب مجبوراً ہم نے اُدیپور کا رستہ اختیار کیا تاکہ وہاں سے نواب نظام الدولہ آصف جاہ بہادر یا امیرالہند والاجاہ محمد علی خان بہادر کے یہاں دکن چلے جائیں، کیوں کہ وہ بھی گویا اپنا ہی گھر ہے۔ دو تین کوچ کے بعد ہم قصبۂ پالی میں پہنچے۔ یہ مقام مہاراجہ راجیشر کا آباد کیا ہوا ہے۔ اچھا آباد و رونق دار بڑا قصبہ ہے۔ باؤلی پر ایک عجیب نادر پلگھٹ دیکھنے میں آیا۔ ایسا پلگھٹ ہماری آنکھوں نے ابتک کہیں نہیں دیکھا تھا۔ پھر چند کوچ کے بعد راہ میں پہلی کتلی (سخت پہاڑی گھاتی) پڑی، ایسی گھاتیاں نیپال اور کشمیر کے راستوں کے سوا غالباً اور کہیں نظر نہیں آتیں۔ اس غضب کی گھاتی تھی کہ رتھہ، بیل گاڑی، اور ہاتھی تک کا گذر ناممکن نظر آتا تھا۔ راج راجیشر کا عامل وہاں رہتا تھا۔ اُسی نے اُن بھیل اقوام کو اپنی تیغ بیدریغ سے موت کے گھاٹ اُتارا تھا، جو پہاڑوں اور دروں میں رہتے ہیں۔ قافلوں کو لوٹتے ہیں۔ راتوں کو پھر پھر کر ڈاکے مارتے اور بڑی بڑی چوریاں کرتے ہیں۔ جو بچ رہے تھے، اُن کی پوری گوش مالی کر کے اس عامل نے اپنا مطیع بنالیا تھا۔ اسکے ہاتھہ پر ایک تازہ زخم بھی تھا۔ عامل نے اِس قوم کے دو سو آدمی بلوائے۔ ہماری سرکار کا تمام مال و اسباب، خیمے، وغیرہ اِن کے سروں پر لدوائے۔ رتھہ اور گاڑیوں کا ایک ایک جوڑ بند جدا کر کے اِن لوگوں پر بار کرایا۔ تمام بار بردار اونٹوں کے بوجھہ اُتار لئے گئے۔ تقریباً چالیس کمزور، عاجز اور بوڑھے آدمی ہمارے خانہ‌زادوں میں سے ساتھہ تھے۔ اُن کو بھی بھیلوں کی پیٹھوں پر لدوایا۔ اب ہم آگے روانہ ہوے۔ اِس سخت گھاتی میں پہاڑیوں کے سبب ہر قدم پر نہایت درجہ پستی و بلندی نمایاں تھی۔ پیدل ہی چل سکتے تھے، اونٹوں کے ہلنے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ اُن کو بھی مُردوں کی طرح چار پائیوں پر ڈال کر بھیلوں کے کاندھوں پر لادا۔ دوسرا ہاتھی جو مہاراجہ راجیشر نے پیش کیا تھا، اِس خوف سے کہ کہیں راستے میں ہلاک نہ ہوجائے، اِسی عامل کے سپرد کردیا تاکہ مہاراجہ کی سرکار میں واپس پہنچادے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اِس روز میں نالکی میں سوار تھا، سرکاری کہار اِس ناہموار راستے میں نالکی لیکر ایک قدم بھی ٹھیک نہیں رکھہ سکتے تھے۔ مجبوراً نالکی میں بھی اسی قوم کے آدمی لگائے گئے۔ یہ لوگ عجب ہموار قدم تھے۔ میں نے دیکھا کہ بڑی پھرتی کے ساتھہ یہ دشوار گزار راستہ طے کر رہے تھے۔ راجہ کا عامل بھی گھاتے کے عبور تک ہمراہ رکاب رہا۔ یہ گھاتا جسقدر دشوار

تھا اُسی قدر شاداب اور فرحت انگیز بھی تھا۔ ہر طرف پہاڑوں سے آب زلال کی نہریں بہ رہی تھیں۔ لیکن بھیلوں کی صورتوں کی نسبت کیا کہا جائے، ہر ایک صخرۂ* جنی سے کچھہ سوا نظر آتا تھا۔ غرضکہ اِس صورت سے بڑی مشکلوں کے ساتھہ اِس گھاٹے سے عبور کیا، جسکا طول پانچ فرسخ‡ تھا۔ اِس قوم کے افراد نے جو رھوار چلنے والی سواریوں، خوش رفتار کہاروں اور باربردار اونٹوں سے کسی طرح کم نہیں۔ پوری حفاظت کے ساتھہ تمام سرکاری سامان و اسباب سرکار میں پہنچادیا۔ کسی قسم کی کوئی خیانت اور چوری نہ کی۔ ہم نے اس عمدہ خدمت بجالانے کے صلے میں عامل کو اُسکی حیثیت کے موافق ایک قیمتی خلعت مرحمت فرماکر رخصت کیا۔ چند منزلوں بعد ناتھہ دوارے میں پہنچے، جو ھندووں کا مشہور تیرتھ ہے۔

ھمارا اُدیپور پہنچنا، وھاں کے والی اور راج راجیشر موصوف کے بڑے بیٹے کنور ظالم سنگھہ کا ھمارے ساتھہ سلوک

اسکے بعد یہاں سے روانہ ھوے، دو کوچ میں اسی مہینے کی بائیسویں تاریخ کو اُدیپور کے گھاٹے میں پہنچ گئے۔ جو شہر سے اُس طرف تین کوس کے فاصلے پر واقع ھے۔ یہاں خیمے لگادئے گئے اور ہم اُتر پڑے۔ سارا شہر اور سب گانوں مرھٹوں کے ھاتوں تباہ ھوچکے تھے۔ والی شہر کے اُمرا باغی ھوگئے تھے۔ ایک طرفہ بات یہ ھے کہ یہاں کی عورتیں اپنے شوھروں کو "باپ جی" کہتی ھیں۔

نقل: بیان کیا جاتا ھے کہ مہاراج جے سنگھہ سوائی (جو راج راجندر سوائی پرتاب سنگھہ کا دادا تھا) اپنی شادی کے لئے اُدیپور پہنچا۔ وھاں کے ایک رانا کی لڑکی سے شادی قرار پائی تھی۔ ھندووں کی رسم و رواج کے مطابق شادی ھوگئی۔ براتی دلھن کو بیاہ کر اپنے گھر لے آئے۔ دولھا نے جیسے ھی پلنگ پر قدم رکھا، دلھن نے اپنے ملک کی رسم کے موافق شوھر سے کہا: "کھما باپ جی" یعنے بسم اللہ۔ اِس ملک میں لفظ کھما بسم اللہ کے معنے میں بولا جاتا ھے۔ راجہ سوائی جے سنگھہ بادشاھان دھلی کے دربار کی صحبت سے میرزا راجہ بن چکے تھے۔ یہ الفاظ سن کر اُنھیں بہت غصہ آیا۔ لاحول پڑھتے

---

* صخرۂ = سنگ سخت، ایک دیو کا نام ھے۔ ‡ ایک فرسخ تین میل کا ھوتا ھے

ہوے باہر نکل آئے- اور حکم دیا کہ دلہن کو اُس کے باپ کے گھر پہنچادیں- یہ ایک ایسا نامعقول لفظ زبان پر لائی ہے کہ اب میرے کام کی نہیں رہی- آخر برہمنوں نے مہاراج کو سمجھایا کہ نادانی سے اگر ایسا لفظ دلہن کی زبان سے نکل جائے تو مذہب کی رو سے کوئی قابل گرفت بات نہیں- کیونکہ میواڑ میں لفظ ''باپ جی'' عموماً ''صاحب'' کے معنے میں آتا ہے- بعد خوان برہمنوں کے بیحد اصرار پر راجہ نے کہا کہ اچھا پہلے ہماری سرکار کے چند خواجہ سراؤں کو رانی کی تربیت کے لئے مقرر کیا جائے- تاکہ تہذیب سکھائیں اور آیندہ پھر کبھی رانی ایسا مکروہ لفظ زبان پر نہ لائے-

القصہ: مہارانا بھیم سنگھہ بہادر نے جو قوم بھاٹوں سے ہے اور اس شہر کا چھتر پلتی راجہ ہے- اپنے سفیر منشی چمن لال کو بھیجا- اس نے ہمارے حضور میں آکر معذرت کی کہ مہارانا بہادر نے آداب و تسلیمات اور کور نشات ادا کرنے کے بعد عرض کی ہے کہ اِس غلام کے بزرگوں سے اب تک یہ رسم نہیں ہے کہ خود حضور میں آکر مجرا دے اور باریاب ہو- اِسکے علاوہ اپنی سرکار کے افسروں کی بغاوت اور سرکشی سے آج کل سخت معذور ہوں- چار گھوڑے معہ نقرئی ساز کے، چار اونٹ، کپڑوں کی چند کشتیاں اور پچاس اشرفیاں بطور نذرانہ بھیجی ہیں، یہ قبول فرمائی جائیں- ہم نے قبول کیا اور منشی کو انعام میں دوشالہ مرحمت فرمایا- راج راجیشر کا بڑا بیٹا کنور ظالم سنگھہ اپنے نانا کے ہاں اُدیپور ہی میں رہتا ہے، اُس نے بھی چہارم حصّہ نذرانہ اور اپنی مہر لگی ہوی عرضی بھیجی-

---

کنور ظالم سنگھہ کی عرضی کی نقل، جو ماہ شوال سنہ ۱۲۰۳ھ میں پہنچی تھی

''اقبال کا سورج اور شوکت و جلال کا آفتاب ہمیشہ قادر متعال کے فضل سے تاباں و درخشاں رہے- شقۂ سامی کا ورود سرفرازیوں کا سبب ہوا، اُس سے تمام حقیقت حال معلوم کر کے پورا شرف آگاہی حاصل کیا- یہاں کے حالات سرکار معلّٰے اقتدار کے منشی لوگ عرض اشرف میں مفصّل گزارش کرینگے-

دولت و اقبال ہمیشہ روز افزوں رہے- زیادہ حد ادب''- عرضی ختم ہوی-

ایک روز سواری پر مہارانا کی ملاقات نامدار خاں احمق سے ہوگئی- اِس بے شعور افغان نے از راہ حماقت مہارانا موصوف کی تعظیم میں کوتاہی کی-

یہ بات میرے سننے میں آئی۔ تو میں نے فوراً مہارانا کی دلدھی اور رفع ملال کے خیال سے اُن کے منشی کو جس کا نام چمن لال تھا، ایک رقعہ لکھا۔ اس نے رقعے کے جواب میں ہمارے حضور میں عرضی روانہ کی۔ اُس کی نقل درج ذیل ہے۔

منشی چمن لال کی عرضی کی نقل جو ماہ شوال سنہ صدر میں ہمارے حضور میں پہنچی

"خاص الخاص شقّے کے شرف ورود اور عزت صدور سے اِس عاجزترین بندے کا سر انکسار افلاک کی بلندی تک پہنچ گیا۔ اِس عنایت عُظمے اور تفضّلات کبریٰ کا شکر و سپاس ناطقے کی طاقت سے باہر ہے۔ خداوندتعالےٰ حضور کے سایۂ ہماپایہ کو دنیا بھر کے سروں پر سایہ گستر رکھے۔ خان عالی شان نامدار خاں کے متعلق حضور کا جو حکم قضا توأم شرف نفاذ پایا ہے، وہ خداوند نعمت و دولت (مہاراجہ) کی جناب میں پیش کردیا گیا۔ جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ سپاہی لوگوں سے کوئی گرانی خاطر نہیں۔ سارے مراتب کا آغاز و انجام بارگاہ والا سے وابستہ ہے۔ جو کچھہ ضروری تھا، عرض کیا گیا۔ عرضی رائے چمن لعل بندۂ سری مہارانا"۔

پاٹن کی شکست اور شاہزادہ میرزا احسن بخت بہادر کا حال

اس اثنا میں ہم کو یہ خبر پہنچی کہ اسمعیل بیگ جسکا ذکر اوپر گزرا ہے، اپنے قیامگاہ پاٹن نامی قریے میں شکست پاکر تباہ ہوا۔ جنوب کی فوجیں ہر طرف سے زور و شور سے بڑرھی ہیں۔ شاہزادۂ میرزا احسن بخت بہادر، حضرت شاہ عالم بادشاہ سلمہ اللہ کے بیٹے تھے۔ وہ میرے جودھپور سے روانہ ہونے کے بعد، قلعۂ مبارک سے بھاگ کر اسمعیل بیگ کے پاس پہنچ گئے تھے اور قیدی کی طور پر نظر بند تھے، وہ بھی تباہ و برباد ہوے اور بڑی مصیبت سے وہاں سے نکل کر اجمیر شریف پہنچے ہیں۔ تحقیق کرنے پر یہ بھی معلوم ہوا کہ مرہٹہ پٹیل کے ہاتھوں اُدھر سے حیدرآباد تک ہمارا گذر دشوار ہے۔ ہم نے بندے کے والی مہارانا بہادر کے پاس اُدیپور کے باؤلی گھاٹ نامی مکان میں بطور امانت اپنی پالکی رکھوادی۔

اور اپنی ظاھری شان و شوکت اور نشان و بان وغیرہ کو تھوڑے دنوں کے لئے ملتوی رکھا- اُسی روز نامدار خاں افغان اور امردت شیطان کو اپنی سرکار سے برطرف کر کے ماہ شوال سنہ رواں کی بائیسویں تاریخ کو ہم پھر اجمیر کی طرف روانہ ہوے- دو کوس کے فاصلے پر بازو میں قلعۂ چتور گڑہ کو چھوڑ دیا- بیحد عجلت کی وجہ سے اِس شہر کی سیر بھی موقوف رکھی-

---

بھیلواڑے میں جو والی اُدیپور کا دارالضرب ھے، ھماری سرکار کی چوری، پھر ھمارا شاہپور پہنچنا، اور اُسکے راجہ کا اچھا برتاؤ

جس روز ھم بھیلواڑہ پہنچے، اُسی روز رات کو غفلت کی حالت میں کپڑوں کے تمام جوڑے، ھتیار، نقد و جنس وغیرہ اِس صفائی سے بھیل لوگ چرالے گئے کہ کانوں کان کسی ایک کو خبر نہ ہوی- ھماری ایک خاص تلوار بھی خدا کی مرضی سے چوروں کے ھاتھہ پڑگئی، جو ایک لاکھہ روپے قیمت کی تھی- حقیقت یہ ھے کہ یہ چور اپنے کمال فن میں بے نظیر ھیں- یہاں کا دستور یہ ھے کہ اسباب کی حفاظت کے لئے اگر وھیں کے ٹھاکروں کا پہرہ چوکی ھوتو چوری نہیں ھوتی- ورنہ چور کسی نہ کسی طرح ضرور اپنا کام کر جاتے ھیں-

مہاراج راجندر کے بخشی میٹھالال نے ھمارے سامنے ایک روز اپنی سرگزشت بیان کی کہ مہاراجہ کی شادی کی تقریب کے موقعے پر جس وقت ھمارا لشکر اِس بستی کے نواح میں پہنچا، تو مہاراج نے تمام لشکر بالخصوص اپنے حضور کے محافظوں کو سخت تاکید فرمادی کہ آج کی رات جاگ کر بسر کریں- اِس پر بھی ھم چوری سے نہ بچے- رات کے دو پہر گزرے ھوں گے کہ ایک نئی قسم کی بو ھماری ناکوں میں پہنچی- ایسی بو ھم نے کبھی نہیں سونگھی تھی- ناک میں پہنچتے ھی اس بو، نے یہ اثر کیا کہ ھرچند ھم نے اپنے کو ھشیار رکھنا چاھا، مگر نہ رکھہ سکے، کسی قدر غافل ھوگئے- غافل ھونا تھا کہ چور گھس آئے، اور تمام قیمتی سامان لے اُڑے-

غرض کہ "رضینا بالقضا"، کہہ کر ھم نے آگے کوچ کیا- شاہپور پہنچے تو وھاں کا راجہ جس کا نام بھیم سنگھہ ھے، اور جو جےپور کے راجہ کا سدھی ھے، خود

حاضر ہوا اور نقد و جنس سے خدمت شائستہ بجا لایا۔ اِس کے تمام ملک کی سالانہ آمدنی پورے ایک لاکھ روپے کی بھی نہیں، پھر بھی بڑا فیاض ہے۔ اِس نے عرض کی کہ غلام کو زیادہ استطاعت نہیں، تاہم باورچی خانہ کے لئے ماہانہ ایک ہزار روپیہ پہنچاتا رہوں گا۔ اور حضور کے چوپایے غلام کے جانوروں کے ساتھ دانہ، گھاس کھالیا کریںگے۔ کچھ روز غریب‌خانے میں تشریف رکھئے۔ میں نے کہا: خدا تمہیں برکت دے۔ ہم اس وقت تم راجاؤں کے پاس نہیں ٹھہر سکتے۔ صرف تین دن قیام رہا۔ راجہ روزانہ حضور میں حاضر ہوتا، بڑی منت و سماجت اور اصرار کرتا کہ چند روز رہ جائیے۔ بہر حال ہم روانہ ہوے، رخصت کے وقت ہم نے اپنی کمر کی ایک کٹار جو بہت ہی قیمتی تحفہ تھی، راجہ کو مرحمت فرمائی۔

کشن گڑھ کا ذکر، وہاں کے راجہ کا سلوک، اور اُس کا ہماری تصویر کھنچوانا

وہاں سے روانہ ہو کر ہم کشن گڑھ پہنچے۔ اجمیر شریف یہاں سے صرف ایک منزل ہے۔ راجہ کا نام جمنا جی ہے۔ اس نے نذرانہ اور مہمانی بھجوائی۔ یہ راجہ حال ہی میں مہاراجہ راجیشر کی قید سے نجات پاکر اپنے شہر میں پہنچا تھا۔ اِسی سبب سے خود تو ہمارے حضور میں نہ آیا۔ مگر اپنے مصور کو بھیجکر ہماری تصویر کھنچوائی۔ اور بڑے شوق سے اپنے پاس رکھی۔ مجھے یاد ہے کہ اِس روز میرے بدن پر سفید پوشاک تھی۔ سنا ہے کہ یہ راجہ بہت ہی مرزا منش اور صاحب اخلاق ہے۔

اجمیر کے دروازے پر ہمارا ورود اور شاہزادۂ میرزا احسن بخت بہادر کا یہاں کے قلعے میں آموجود ہونا، کچھ اُن کے مختصر حالات، میرا دوبارہ جےپور آنا، اور اُس کے والی کا سلوک

جیسے ہی ہم اجمیر کے دروازے پر پہنچے، سننے میں آیا کہ میرزا احسن بخت بہادر یہاں کے قلعے میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ملاقات کر آؤں۔ کیونکہ وہ رشتے میں میرے چچا ہوتے ہیں اور قلعۂ مبارک کے زمانۂ قیام میں ہمارے اُن کے درمیان کمال درجہ ربط تھا۔ مجھ پر بہت ہی مہربانی فرماتے تھے۔ اِسی اثنا میں اجمیر کے عامل نے جو راٹھور تھا، ایک اطلاعی

عرضی لکھہ کر اپنے نائب کے ھاتھہ ھمارے حضور میں بھیجی کہ شاھزادہ میرزا احسن بخت بہادر آں جناب سے کینہ رکھتے ھیں- اُن سے ملاقات کرنا صلاح دولت نہیں- اس لئے ھم نے اپنا ارادہ ملتوی کیا- تین روز تک اجمیر کے دروازے پر ھی قیام رھا- پھر کچھہ بوجھہ ھلکا اور سامان کم کیا- بڑے خیمے وھیں کھڑے چھوڑ دئے- گھوڑوں اور اونٹوں کی پیٹھیں زخمی ھوگئی تھیں، وہ بھی وھیں چھوڑ کر ھم جےپور روانہ ھوگئے- برسات خوب ھورھی تھی- عین ساون بھادوں کے مہینے تھے- برابر لگاتار پانی برستے میں سفر کرتے رھے- اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ھو یہ راستہ بھی مرھٹوں کے ھنگامے سے بند ھو جائے- اس دوڑ دھوپ میں باربرداری کے تمام اونٹوں کی پیٹھیں زخمی ھوگئیں- ھر منزل پر شترخانے کا داروغہ عرض کرتا تھا کہ ایک دو اونٹ تصدق ھوگئے- اُن اونٹوں کا بار راستے میں ھی پھینک دیا جاتا تھا- جےپور پہنچنے تک تقریباً چھہ اونٹ زخمی ھوھوکر رہ گئے تھے- آخر اسی حالت سے ھم ذیحجہ کی دوسری تاریخ کو ''باغ لون کرن ناگر'' میں جا اُترے، جو جےپور سے دو کوس پر ھے- اسمعیل بیگ اور محمد بیگ ھمدانی کا بیٹا میرزا نجف علی، دونوں تباھی خوردہ میری فرودگاہ والے باغ کی دیوار کے نیچے پڑے ھوے تھے- انھوں نے خوشامدانہ عرضیاں اور پیغام بھیجے مگر میں نے کچھہ جواب نہ دیا سمجھہ چکا تھا کہ تیر کمان سے نکل گیا- اب واپس آنا دشوار ھے-

---

محمد بیدار بخت یعنے مرزا بیدار شاہ اور اُن کے بھائی مرزا ھینگا کا قتل

اسی باغ میں دھلی کے اخبار اور خانگی خطوط سے معلوم ھوا کہ سنہ رواں کے اسی مہینے میں محمد بیدار بخت اور اُن کے بھائی محمود شاہ عرف مرزا ھینگا ابن احمد شاہ ولد حضرت محمد شاہ فردوس آرامگاہ قید سلاطینی میں قتل کردئے گئے- اُن کے اور چند بھائی ھنوز قلعے میں ھیں- راجہ سوائی پرتاب سنگھہ کو جیسے ھی میرے آنے کی اطلاع ھوئی، اس نے میٹھا لال بخشی کے بھائی گنگا بشن کو میرے پاس بھیجا- نذرانہ اور مہمانی کی رسم بجا لایا- چند* ھفتوں کے بعد جےپور کے اندر بلوالیا- ھم نے اپنی سرکار کے خیمے باغ میں اسی طرح کھڑے چھوڑ دئے- اور کوئی چیز وھاں سے نہ اُٹھائی- راجہ نے ھمیں اپنے دیوان رتن لعل کے ''تھس خانہ'' میں اُتارا جو گوبندہ جی

کی ڈیوڑھی کے متصل واقع ہے- اور راجہ کے محل کی دیوار لگی ہوی ہے- گوبندہ جی ایک بڑے بت کا نام ہے- پھر راجہ نے فرش فروش، خیمے، ایک خاص پلنگ، مہمانی، اور زر نقد میتالال بخشی کے ذریعے ہمارے حضور میں بھجوایا- مہاراجہ کی طرف سے بخشی نے آکر سفر میں ہماری چوری اور بربادی کے واقعات دریافت کئے- اور عرض کی کہ مہاراجہ نے التماس کی ہے کہ اِس غلام اور مہاراجہ راجیشر بہادر نے حضور کی خدمت میں کیا قصور کیا جو حضرت نے عجلت فرماکر اِس قدرتکلیف اُٹھائی- اب بھی جو کچھہ مرضی مبارک ہو، ہم حاضر ہیں- میں نے کہا کہ مقدر میں یہی لکھا تھا، اِن باتوں کو دھرا کر مجھے شرمندہ نہ کریں- جس قلیے کا مزہ جاتا رہا، واپس آنا مشکل ہے- اِس وقت نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر یا نواب محمد علی خان بہادر والا جاہ کے پاس جانے کا ارادہ ہے- تمہاری جانب سے کوئی قصور نہیں ہوا- میں راضی اور میرا خدا راضی- غرض کہ میں روانہ ہونے کی تیاری میں تھا، اور راجہ روکنے کے لئے عاجزانہ اصرار کرتا تھا-

---

شاہزادہ مرزا احسن بخت کی جےپور میں آمد، اُن کے ساتھہ راجہ کا سلوک اور ہمارے اُن کے کچھہ جواب و سوال پھر ارتباط و انفصال کا حال

اسی اثنا میں ماہ محرم سنہ ۱۲۰۴ھ کی آخری تاریخ کو شاہزادۂ موصوف تباہی کی حالت میں میرے پیچھے جےپور پہنچے- اور میری فرودگاہ کے احاطے سے باہر ایک تالاب پر اُترے، جس میں کچھوے کثرت سے تھے- یہ مقام بت گوبند کی ڈیوڑھی سے ملاہوا ہے- میں نے اُسی وقت اُن کی خیر و عافیت دریافت کرنے اور بندگی پہنچانے کے لئے اپنے منشی شیخ مکھو کو بھیجا- اُسے دیکھتے ہی نہایت تپاک سے میری خیریت پونچھی- اور دعا کہہ کر بھیجی- راجہ کو خبر پہنچی تو وہ بھی رسم مہمانی بجا لایا- مگرخرچ نقد اور خیمہ وغیرہ کچھہ پیش کش نہ کیا، بلکہ اپنے بخشی کی زبانی کہلا بھیجا کہ "جناب کا بار مجھہ سے نہیں اُٹھہ سکتا، حضرت شاہ عالم بادشاہ ہم غلاموں پر سخت نامہربان ہیں- آں جناب سے ہمیں اطمینان نہیں ہے، اور کہیں تشریف لے جانا چاہئے"-

شاهزادے نے میرا طعنہ دیکر کہلا بھیجا کہ "مرزا علی بخت بادشاہ معزالدین عرش آرامگاہ کے نواسوں میں ہیں، اُنھیں آپ اِس قدر عزیز رکھتے ہیں کہ خاص اپنے مکان میں جگہ دی، اور میں شاہ عالم بادشاہ کا بیٹا ہوں، میرے باپ اب تک تخت سلطنت پر متمکن ہیں، پھر میرے ساتھہ یہ سست سلوک!"

راجہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "غلام تو بس اتنا جانتا ھے کہ آں جناب اور مرزا علی بخت بہادر دونوں بادشاہ معزالدین ھی کی اولاد و احفاد سے اور ایک ھی اصل کی شاخیں ھیں، لیکن مرزا علی بخت ھمارے مکان میں پہلے تشریف لائے، وہ رھیں تو ھمارے سر آنکھوں پر اور نہ رھیں تو مختار- لیکن آں جناب کے قیام سے غلاموں کو بیحد اندیشے ھیں"-

اس گفتگو کے بعد شاھزادۂ موصوف نے خواجہ سرا تمکین علی خاں نائب ناظر اور فضل علی خاں خورد* کی معرفت، جو اس وقت شاھزادۂ موصوف کے ھمراہ زمان شاہ کی ولایت میں ھیں، میرے ساتھہ میل جول اور ربط و ضبط پیدا کرنا چاھا اور یہ پیغام بھیجا کہ "میں چاھتا ھوں ھم آپ دونوں متفق ھوکر آئندہ کے لئے کسی عمدہ کام کا مشورہ کریں- ایک ھی پلنگ پر سوئیں- ایک ھی رکابی میں کھانا کھائیں- جس طرح آپ اپنی سرکار کا انتظام کرتے ھیں، اسی طرح ھماری سرکار کے بھی مختار ھیں- اور کلام اللہ درمیان میں ھو کہ ایک دوسرے کے ساتھہ کچھہ دغا نہ کرینگے"- میں نے اپنی سادہ دلی سے اس پیام کو قبول کرلیا- پھر اُنھوں نے کہلا بھیجا کہ "تم تخت سلطنت پر بیٹھہ چکے ھو- مجھے ڈر ھے کہ بادشاھی کا دماغ سر میں نہ آگیا ھو"- میں نے کہا: یہ بہتان ھے، میں نے تو اُس تخت کو نالکی کی صورت میں بدل ڈالا جو راجہ نے بنواکر دیا تھا- اُسی پر سوار ھوتا ھوں- آپ کے دو خواص میر شرف الدین اور میر حبیب اللہ کچھہ دنوں میری سرکار میں نوکر رہ چکے ھیں- جواب آپ ھی کے نزدیک موجود ھیں- اُن کو قسم دیکر اِس بات کی تحقیق فرمالیں- شاھزادے نے پھر خوش ھوکر پیغام بھیجا کہ "یہ بھی آپ نے زیادتی کی کہ حضرت شاہ عالم بادشاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے حکم بغیر نالکی پر سوار ھوے- اِس کا جرمانہ ادا کرنا چاھئے- شاھزادوں کی یہ مجال نہیں کہ حضور کی عنایت و اجازت کے بغیر نالکی پر سوار ھوں"-

---

* صحیح: خرد-

میں نے نہایت خوشی کے ساتھ جواب میں کہلا بھیجا کہ: ''جرمانہ قبول ہے، جب آپ بادشاہ ہوں گے اور میں وزیر، اُس وقت پیش کروں گا''- غرض تمکین علی خان کی معرفت یہ سارا قضیہ طے ہوگیا، اب میں نے چاہا کہ اُن کے پاس جاکر ملاقات کروں- اتنے میں میرے ہرکارے نے یہ خبر پہنچائی کہ ''میں نے شاہزادہ صاحب کے ایک خواص سے سنا اور اُس نے اپنے کانوں یہ سنا ہے کہ شاہزادے صاحب خلوت میں تمکین علی خاں سے فرما رہے تھے کہ مرزا علی بخت کے سر میں سلطنت کا غرور سماگیا ہے- دو تلواریں ایک میان میں نہیں رہ سکتیں، مجھے اُن سے اندیشہ ہے''- یہ خبر سن کر میں نے حکیموں کے اِس قول پر عمل کیا کہ ''ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم''- اور اُن سے ملاقات نہ کی-

---

مولوی فخرالدین مرحوم کے مرید شاہ ضیاءالدین کی ملاقات کا بیان

واپسی میں مولوی صاحب مرحوم (قدّس سرہ) کے مرید شاہ ضیاءالدین سے دو مرتبہ ملاقات کا اِتفاق ہوا- مجھہ پر بیحد توجہ فرمائی اور خلوت میں بلاکر بشارت کی طور پر بہت سی مفید نصیحتیں فرمائیں- خدائے تعالےٰ اُنہیں قوّت سے فعل میں لائے- شاہ صاحب موصوف کو میں نے ایک مرتاض درویش پایا- تمام رات جاگتے ہیں، اور بت خانۂ گویندہ کے مقابل ایک عالی شان مسجد بنوائی ہے- راجہ اور تمام شہر والے اُن کی خدمت میں حددرجہ عقیدت رکھتے اور حاضر ہوتے رہتے ہیں- راجہ نے بہت سی جاگیر اور پرگنے دینے کے لئے عاجزانہ طور پر درخواست کی، مگر شاہ صاحب نے قبول نہ فرمایا- توکل پر گزر کرتے ہیں- کئی شاندار اور بلند عمارتوں کے مالک ہیں- شیریں زبانی اور انکسار میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں-

---

جےپور سے روانگی، راجہ کا کمال اشتیاق سے ہماری تصویر کھنچوانا، اور رخصتانے کا سلوک

میں نے بیحد جبر اور اصرار کے ساتھ راجہ سے رخصت چاہی اور کہلا بھیجا کہ میرے سر میں سیر دکن کا سودا سمایا ہوا ہے، یہاں ہرگز نہیں

ٹھہر سکتا۔ آخر مہاراج راجندر نے اپنے مصور کو بھیج کر فرط اشتیاق کے ساتھ میری تصویر کھنچوائی اور بطور یادگار اپنے پاس رکھی۔ خوب یاد ہے کہ اُس وقت میں سرخ کمخواب کی جالدار رومی قبا پہنے ہوے تھا۔ اور نہایت سرخ بلبل چشم کمر پٹکا میری کمر میں تھا۔ دوسرے دن کئی ہزار روپے نقد، چند خیمے، کئی اونٹ، کئی راس گھوڑے پوشاک کی کئی کشتیاں، بہت سے ہتیار، چلوری، مورچھل کی جوڑی بطور رخصتانہ بھجوائے۔ میں نے نقد روپیہ، پوشاک، ہتیار، گھوڑے اور مورچھل تو لے لئے، باقی سامان واپس کردیا۔ کیونکہ اُن دنوں شتر مرگی کی وبا سے میرا دل بہت رنجیدہ تھا۔ دور کے سفر کے ارادے سے اپنا بوجھ ہلکا اور سامان کم کرنا ہی مناسب معلوم ہوا۔ اِس فرودگاہ میں جو کچھ بھی خیمے اور فرش فروش وغیرہ موجود تھے، وہیں چھوڑ دئے۔ اور ربیع الاول سنہ ۱۲۰۴ھ کی چوتھی تاریخ کو مخفی طور پر کوچ کیا۔ اپنی ہیئت بدل کر اپنا نام مرزا عبداللہ رکھا۔ اور جس طرف امن و امان دیکھا اُدھر روانہ ہوگیا۔ اِن سفروں میں جو جو وارداتیں پیش آئیں اُن کا قصہ بہت طویل ہے، اس لئے چھوڑتا ہوں۔

شاہزادۂ مرزا احسن بخت بہادر کی کابل کو روانگی

جےپور سے میری روانگی کے تین دن بعد مہاراجہ نے شاہزادۂ موصوف کو بھی کچھہ راہ خرچ دیکر رخصت کیا۔ مگر خود اُن سے نہ ملا۔ بہت کچھہ حیلے حوالے کر کے ٹال دیا۔ آخر اُنہوں نے مجبور ہوکر کابل کا رستہ لیا۔ بہزار دشواری اور بڑی بے سرو سامانی کے ساتھہ جس کا بیان مناسب نہیں، احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ والی کابل و ہرات کے پاس پہنچ گئے۔ اُس نے بڑا اچھا برتاؤ کیا۔ شاہزادے صاحب تیمور شاہ کی وفات کے بعد اُسکے بیٹے زمان شاہ کے پاس ہیں۔ اور کابل کی شاہی فوج لیکر ہندوستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بلدۂ کرولی، رتھولی اور سروتھہ کا بیان جو ھندون اور بیانہ کے قریب واقع ھیں۔ وھاں مرھٹوں کے محاصرے میں ھماری گرفتاری اور پھر رھائی۔ بھرت پور کا ذکر، جہاں راجہ رنجیت سنگھہ جات کی عملداری ھے۔ اور رامپور و بانس بریلی کے سفر کا بیان

بلدۂ کرولی میں ھمارا قیام ایک ھفتے رھا۔ اِس شہر کا راجہ مانک پال، جادون قوم سے ھے۔ اور اس کا بیتا کنور امولک پال ھے، یہ راج راجندر کے نسبتی بھائی کا خسر ھے۔ اِسلئے بھی مہمانی کی اور نذریں گذرانیں۔ کچھہ چیزیں تو میں نے لے لیں، کچھہ بیکار بوجھہ سمجھہ کر واپس کردیں۔ اور آگے کوچ کیا۔ راستے کی دشواریوں کے لحاظ سے کرولی کا گھات اُس گھات سے آدھا نظر آیا، جسکا اوپر بیان ھوچکا ھے۔ اِس کے طے کرنے میں بھی بہت سختیاں اُتھانا پڑیں۔ اِس کے بعد دکھنی مرھٹوں کی یورش کے سبب سے آتھہ روز تک ھم نے ایک چھوتے سے گاؤں رتھولی میں قیام کیا۔ ھر روز اِس کا مالک مہمانی بھیجتا رھا۔ یہیں گسائیں ھمّت بہادر انوپ گر کی عرضی پہنچی، جو ھمارے شقے کے جواب میں آئی تھی۔ اُس سے نواب علی بہادر مسلمان مرھتہ کی سازش کا پتا چلا۔ اور میں سندھیا پٹیل کے اندیشے سے آگے نہ بڑھا۔

مہاراجہ انوپ گر ھمت بہادر کی عرضی کی نقل جو کرولی کے نواح میں سنہ ۱۲۰۴ھ میں ھمارے پاس پہنچی

صاحب عالم و عالمیاں سلامت۔ حضور فیض گنجور کے سلطانی باریافتوں کی عرض گاہ میں اپلی یہ عرض پہنچاتا ھے کہ شقۂ خاص نے ورود مسعود فرما کر معزّز کیا۔ اِس کے مضامین جو فیض سے لبریز تھے، حرف بہ حرف نواب علی بہادر نے دل کے کانوں سے سنے۔ دل و جاں سے حاضر ھیں۔ اِس وقت یہ صلاح مناسب حال قرار پائی ھے۔ بعد کو صوبہ‌دار بھی شامل ھوجائیگا۔ جو کچھہ حضور کی رائے جہاں آرائے کا تقاضا ھو، ھم دونوں فدائی اتفاق کے ساتھہ بساط فیض مناط کے گوشہ گزینوں کی قبول گاہ میں پہنچائینگے۔ الٰہی اِقبال کا آفتاب جاہ و جلال کے مطلع سے درخشندہ رھے۔

اس کے بعد ہم ایک گاؤں میں گئے، جسکا نام سروتھہ تھا، وھاں پہنچکر جلوبیوں کے محاصرے میں گرفتار ھوگئے- بارے گاؤں کے مالک نے ھمیں اندھیری رات میں پہاڑی درّے اور غار و کہسار کے رستے سے باھر نکالدیا- اور ہم بیانہ میں داخل ھوگئے- بقول شاعر:

"رسیدہ بود بلاے ولے بخیر گزشت"

وھاں سے چند منزلوں کے بعد بھرت‌پور پہنچے- آتھہ روز تک مہاراجہ رنجیت سنگھہ بہادر کے پاس چھپے رھے- یہ راجہ جات قوم سے ھے اور راجہ سورج مل کا بیٹا ھے- اِس نے اچھی طرح خدمت کی- اور خفیہ طور پر ھمیں دریائے جمنا کے متھرا گھات سے گزاردیا- چند کوچوں کے بعد ھم گنگا پار ھوگئے- اب دلی اطمینان ھوا اور آرام کے ساتھہ رامپور پہنچے، وھاں آتھہ روز قیام کیا-

رامپور پہنچتے ھی ھم نے نواب فیض‌اللہ خاں بہادر افغان کو اپنے نام اور نسب سے آگاہ کیا- اُنھوں نے اُسی وقت بڑے بڑے خیمے، فرش و فروش، ضرورت کا سب سامان، نذرانۂ نقد خرچ اور مہمانی بھیجی- آتھہ دن تک برابر روزانہ دونوں وقت پختہ مہمانی اور اسکے ساتھہ چوپایوں کے لئے چارہ، گھاس اور دانہ پہنچاتے رھے- نویں دن روانگی کے وقت پوشاک کی کئی کشتیاں اور زر نقد بھجوایا- یہ تو ھم نے لے لیا، مگر اُن کا نذر کیا ھوا باقی تمام سامان، مثلاً فرش، خیمے، پلنگ وغیرہ وھیں چھوڑکر سیدھے بانس بریلی پہنچے- وھاں کے عامل میرزا مہدی علی خاں نہایت شایستہ طریقے سے اُسی وقت حاضر ھوے اور چند اشرفیاں نذر گزاریں، پھر اپنی ایک نئی عمدہ حویلی میں اُتارا- رات کو پر تکلف پختہ مہمانی بھیجی- اس کے بعد کوچ در کوچ ھم لکھنؤ روانہ ھوے- ھماری سرکار کے تمام اونٹ چھہ مہینے کے اندر مرگئے- جو زندہ بچ رھے تھے وہ اور سب گھوڑے ھم نے اپنے ساتھیوں کو عنایت کرکے اُنھیں رخصت کردیا- صرف چار گھوڑے خاصے کے اور دو رتھیں اپنے ساتھہ رکھیں-

---

لکھنؤ پہنچنے کا بیان، اور وھاں کی داستان میں کے چند کلمے

اس زمانے میں مرھتوں کی مصیبت سے سارے رستے بند تھے- اس لئے رامپور سے میں نے نواب وزیر، اُن کے نائب اور مہاراجہ جھاؤ لعل کو

ایک ایک شقہ بھیجا۔ شقوں کے جواب میں اِن صاحبوں کی عرضیاں آئیں جن میں نہایت دلداری و خدمت گزاری کے وعدے کئے گئے تھے۔ اس کتاب کی تالیف کے وقت وہ عرضیاں بہت ڈھونڈیں کہ مل جائیں تو اُن کی نقلیں پیش کی جائیں، لیکن افسوس نہ ملیں۔ بہر حال ہم پورے اطمینان کے ساتھہ مخفی مقامات میں پناہیں لیتے ہوے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ اس سفر میں چار روز کم دو مہینے لگے۔ ربیع الثانی سنہ ۱۲۰۴ھ کی آخری تاریخ کو لکھنؤ میں داخل ہوے۔ میں نے جو کچھہ اس سفر کے دوران میں مصائب دیکھے، اپنی نا تجربہ کاری سے دیکھے۔ بقول شاعر:

آتش بد و دست خویش در خرمن خویش
چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش

کس دشمن من نیست ملم دشمن خویش
اے وائے من و دست من و دامن خویش

جیسے ہی ہم لکھنؤ پہنچے، مہاراجہ جھاؤ لعل نے آکر نہایت آداب کے ساتھہ نواب وزیر کی آداب و تسلیمات پہنچائی۔ "گوگھاٹ" کے پاس ہمیں اُتارا۔ مہمانی بھیجی۔ لکھنؤ کی گلیاں، اور بازار، زمین اور عمارتیں، کیچڑ، اور رستوں کی تنگی، زمین کی پستی و بلندی کے لحاظ سے جےپور سے بالکل برعکس ہیں۔ نواب وزیر نے اگرچہ بے نظیر عمارتیں بنوائی ہیں۔ لیکن اس شہر کی اُفتاد ہی دراصل کچھہ نا موزوں جگہ پر پڑی ہے۔ البتّہ آبادی درجۂ کمال کو پہنچ گئی ہے۔ ہر فن کے صاحب کمال موجود ہیں۔ خدا نظر بد سے بچاے۔ ایک سال کے بعد ہم نے اپنے گھروالوں کو بھی شاہ جہاں آباد دلی سے یہیں بلوالیا اور بہت آرام و عزت سے رہنے سہنے لگے۔

نواب وزیرالممالک آصف الدولہ بہادر اور اُن کے نائب سرفرازالدولہ ناظم الملک مرزا احسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ نے ہماری دلداری اور خاطر مدارات کی حد کردی، نہایت شایستہ خدمت کی، اور عمدہ سلوک سے پیش آئے۔ لکھنؤ میں دو مہینے کم سات سال سکونت رہی۔ ہم میں اور اُن میں میل جول اور محبت انتہائی حد کو پہنچ گئی تھی۔ دو سال تک ایک ہی تودے پر تیر اندازی کرتے رہے۔ تفصیل کے لئے بجاے خود ایک بڑی

کتاب لکھنے کی ضرورت ہے- فن تیر اندازی میں، میں اور میرے بھائی میرزا جلال الدین نواب وزیر کے شاگرد ہوے- حق تو یہ ہے کہ اس فن میں نواب موصوف اور اُن کے نائب کو میں بہت پسند کرتا ہوں- اگرچہ اُن کا قبضہ کسی قدر دبا ہوا ہے-

---

نواب وزیر سے اپنے چچیرے بھائیوں کی سفارش

لکھنؤ میں میں نے دیکھا کہ نواب وزیر ہمارے بعض چچیرے بھائیوں سے چشم پوشی کر رہے ہیں، مجھے سخت تکلیف ہوی- ایک روز ہولی کے موسم میں اُنھوں نے مجھے طلب فرمایا اور رقص و سرود کے تماشے میں شریک کیا- پہلی ہی گفتگو میں میں نے اُن سے کہا کہ "نواب صاحب! یہ بات آپ کے اخلاق و انصاف سے بعید ہے کہ تیموری خاندان کی جو اولاد آپ کے پاس پہنچی ہے، وہ تو فکر معاش سے محفوظ ہے- مگر خود تیمور کی اولاد تباہ حال ہے، ان کا کیا قصور ہے، جو جناب کی بلند ہمتی نے اِنھیں بےنوا چھوڑ رکھا ہے- اگر یہ بجا ہے تو پھر مجھہ سے بھی چشم پوشی کرنی چاہئے- اس لئے کہ اِن لوگوں کی خانہ بربادی کا سبب میں ہوں- یہ کہکر اُسی وقت میں نے یہ دو شعر موزوں کر کے پڑھے:

در ما منت رسید چو اولاد تیمُری
لطف تو کرد شاں را با برگ و با نوا
آلش چہ جرم داشت کہ ماند ذلیل و خوار
از ملصفی است دور کہ یک بام دو ہوا

یہ الفاظ سنتے ہی مسکرا کر فرمایا "ماضی کے خلاف اب صاحبزادوں کی خدمت میں مشغول رہوں گا"- اور اُسی مہینے سے ہر ایک کے حوصلے کے لائق معاش مقرر کردی، جو ماہانہ پہنچتی رہتی ہے- نواب وزیر کے بعد اُن کے متبنّٰے نواب وزیر علی خاں بھی اس معاملے میں برابر مرحوم کی تقلید کرتے رہے- مگر نواب سعادت علی خاں کا زمانہ آیا تو میلے سنا کہ چلد وجوہ سے اِن لوگوں کی معاش بلد ہوگئی- نواب سعادت علی خاں نواب شجاع الدولہ مرحوم کے بیٹے ہیں- اور شجاع الدولہ نواب آصف الدولہ کے سوتیلے بھائی تھے-

---

نواب مدارالدولہ کی ملاقات

لکھنؤ پہنچنے کے بعد چھ مہینے تک میں نے نواب مدارالدولہ بہادر سے ملاقات نہ کی۔ اِن کا خطاب ”وکیل السلطنت، مختارالملک، مدارالدولہ بہادر صمصام جنگ“ ہے۔ رشتے میں وہ ہمارے دادا ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ راقم اور میرزا ہمایوں بخت وغیرہ کے حقیقی دادا کے چھوٹے علاتی بھائی ہیں۔ ماشاءاللہ صورت و سیرت، علم و لیاقت، وقفیت، وجاھت اور مرتبے میں دلی لکھنؤ کے تمام امیروں اور امیرزادوں میں ایک بھی اُن کو نہیں پہنچتا۔ متأخرین کے مکتوبات اور سیر و تاریخ کی کتابوں میں اُن کے مراتب عالیہ کا تذکرہ موجود ہے۔ جس کسی کو دیکھنے کی آرزو ہو ”سیرۃالمتاخرین“ کا مطالعہ کرے جو کسی عظیم آبادی کی تالیف ہے۔ نواب آصف‌الدولہ بہادر اِن کو دیکھتے ہی اپنے مسند سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تعظیم و تواضع کر کے بٹھاتے ہیں۔ نواب مدارالدولہ کوئی چیز دیتے یا بھجواتے ہیں تو نواب آصف‌الدولہ کھڑے ہوکر آداب بجالاتے ہیں، اور آداب و بندگی کہلا بھیجتے ہیں۔ اسی طرح تمام مراتب میں ادب کا برتاؤ جاری ہے۔ اگرچہ باہم صفائی نہیں، دل میں طرح طرح کے پرانے کینے بھرے ہوے ہیں۔ نواب وزیر، نواب مدارالدولہ کو دل شکستہ رکھتے ہیں۔ تاہم اب تک جاگیر، پرگنہ، ہاتھی، پالکیاں، اونٹ، گھوڑے غرض امیری کے تمام اسباب حاصل ہیں۔ اولاد بھی بہت اور بیویاں بھی بہ کثرت ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام مرزا محمد علی خاں ہے۔ یہ سب میں بڑے، خلف رشید، سب اولاد میں برگزیدہ، صاحب شعور، صاحب علم‌وفوف اور اکثر صفات حمیدہ سے موصوف ہیں۔ غرض جب میں نے دیکھا کہ نواب مدارالدولہ کا اشتیاق بہت زیادہ ہے۔ بار بار ملاقات کے لئے یاد فرماتے ہیں تو میں گیا۔ دیکھتے ہی اُٹھ کر تعظیم اور سلام میں پہل کی۔ میں نے بھی سلام کا جواب دیا۔ پھر ہم دونوں بغل‌گیر ہوے۔ میری صورت دیکھ کر خوش ہوگئے۔ اپنے اہلکاروں سے فرمایا کہ ”اِن کی ذات ہمارے خاندان کے لئے چشم و چراغ ہے۔ اِن کے حسن سیرت کا ذکر ہم اکثر سنا کرتے تھے۔ اِسی سبب سے بہت زیادہ اشتیاق ملاقات تھا۔ الحمدللہ صورت بھی سیرت کے موافق دیکھ رہا ہوں۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مسند پر بٹھالیا اور چاہا کہ خود دور جا بیٹھیں۔ مگر میں اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور کہا کہ واللہ مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ آں جناب بھی اِسی

مسند پر تشریف رکھیں- فرمایا کہ: اے صاحب! اگرچہ میں رشتے میں دادا ہوتاہوں- لیکن آپ بادشاہ معزالدین حضرت عرش آرامگاہ کے نواسہ زادوں میں ہیں اور میں تیموری نسل سے نہیں ہوں- حقیقت میں آں جناب صاحبزادے ہیں- اس کے بعد پر تکلف مہمانی کی- دن پر دن محبت بڑھتی رہی- یہاں تک کہ میری اور مدارالدولہ کی محبت عشق کے درجے تک پہنچ گئی، اگرچہ ملاقات کبھی کبھی ہوتی تھی- وہ اکثر مجھے نصیحتیں فرمایا کرتے، اُمرا کی تعظیم اور جواب سلام کی تاکید کرتے تھے- مگر مجھے مطلق عادت نہ تھی- چند سال کے بعد بتدریج یہ عادت ذرا ذرا میں نے ڈالی- انہیں ترکی زبان سیکھنے کی آرزو تھی، جو ہماری اصل زبان ہے- چند روز تک مجھہ سے ایک ترکی کتاب پڑھتے رہے- پھر بڑی آرزو کے ساتھہ اپنے سب سے بڑے اور لایق بیٹے میرزا محمد علی خاں کے ساتھہ میرے چچیرے بھائی محمد ظفرالدین عرف میرزا احسن بخش المخاطب بہ محمد بلند بخت کی بہن کی منگنی کے لئے درخواست کی- میں نے بھی اس نسبت کو مناسب جانا اور اپنی موجودگی ہی میں لڑکی کو محمد علی خاں کے ساتھہ نامزد کر دیا، اسکے بعد لکھنؤ سے نکلا- سنا ہے کہ اُسی سال بڑی دھوم دھام اور عمدہ طور سے شادی سر انجام پائی- "الحمد للہ علیٰ ذلک"

میرزا حسین بخش کو بچپن سے میں نے اپنے بیٹوں کی طرح پالا پوسا تھا- فارسی، ترکی نیز کچھہ عربی تعلیم بھی دی تھی- یہ بڑے خلیق، اچھے نوجوان، وجیہ اور سعادت مند ہیں- میں نے اِن کی شادی بھی لکھنؤ ہی میں اپنی موجودگی میں، قیام‌الدین خان خوشنویس کی دختر سے کردی- یہ صاحب بھی نہایت بزرگ اور عزت‌دار آدمی ہیں- خدائے تعالیٰ ہمیشہ اِن سب کو دنیا کے مکروہات سے دور اور عزت و حرمت سے رکھے- بمنہ و کرمہ-

---

نواب وزیر کی ظریفانہ و حریفانہ باتوں کا مختصر بیان

نواب آصف‌الدولہ بہادر واہی تباہی باتوں اور کھیل کود میں مشغول رہنے کے باوجود جواب برجستہ اور "ماقل ودل" چٹاچٹ دیتے ہیں کہ مدعی ساکت رہ جاتا ہے، اور دم تک نہیں مار سکتا-

نقل: سنا ہے کہ جس وقت شاہزادہ میرزا جواں بخت جہاندار شاہ ولی عہد مرحوم قلعۂ مبارک سے فرار ہوکر نواب وزیر کے پاس لکھنؤ پہنچے تو اِن دونوں میں بہت محبت ہوگئی۔ نواب نے اُن کے ساتھ لاکھوں کا سلوک کیا۔ لارڈ ہسٹن کی سفارش و کوشش سے نواب وزیر کی سرکار سے شاہزادۂ موصوف کے باورچی‌خانے کا خرچ پچاس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر ہوگیا۔ شاہزادہ اور نواب وزیر رات دن قسم قسم کے کھیل تماشوں میں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ خصوصاً اکثر باہم یاد و فراموش کی شرط باندھتے رہتے۔ چند سال بعد شاہزادۂ موصوف نواب وزیر کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنے قبائل کو لینے کے لئے دہلی چلے گئے۔ یہ بات نواب کو ناگوار گزری۔ جب وہ اپنے متعلقین کو لیکر لکھنؤ واپس تشریف لائے تو نواب وزیر کا مزاج بہت برگشتہ تھا۔ پچھلی محبت سے الگ تھلک رہنے لگے۔ کبھی کبھار بہ تکلف کہیں ملاقات ہو بھی جاتی تو کوئی انبساط کی صورت ظاہر نہ ہوتی۔ ایک روز اسی رنج و کدورت کی حالت میں شاہزادے نے الائچی کے چند دانے وغیرہ نواب وزیر کے ہاتھ میں دئیے۔ نواب وزیر نے تسلیمات بجالاکر لے لئے۔ اور یاد و فراموش کی شرط فراموش کردی۔ شاہزادے نے فرمایا ”نواب بھائی فراموش“ فوراً نواب وزیر نے جواب دیا: ”انشاءاللہ اب سے عمر بھر کے لئے فراموش“۔ نواب وزیر کا یہ ملال آمیز جواب سنکر شاہزادے باہمی صفائی سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہوگئے۔ اور چند مہینوں کے بعد بنارس چلے گئے۔ وہیں صاحبان عالی شان انگریز بہادر کی معرفت اُن کا مقررہ درماہہ پہنچتا رہتا تھا۔ چند روز بعد بنارس ہی میں انتقال کیا۔ خدا ان پر رحمت فرمائے۔ یہ شاہزادے بھی بہت بذلہ‌سنج، ظریف، شوخ طبع اور رنگین مزاج تھے۔ اردو شعر شوخ کہتے تھے۔ فن موسیقی میں بھی ذوق رکھتے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں جہاندار تخلص فرماتے تھے۔ ان کے چند شعر جو اس تحریر کے موقع پر یاد آگئے، یادگار کی طور پر لکھے جاتے ہیں۔

مرزا جہاندار شاہ المتخلص بہ جہاؔندار پسر شاہ عالم بادشاہ سلمہ اللہ کا کلام ریختہ

تری جب سے الفت کے پالے پڑے - ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے
وہاں تیری غیروں سے آنکھیں لڑیں - یہاں میری چھاتی پہ بھالے پڑے
پھرے ڈھونڈتے پا برہنہ تجھے - یہاں تک کہ پاؤں میں چھالے پڑے

جہاؔندار کس لالہ رو سے ملا
ترے سینے پر داغ کالے پڑے

فارسی:

فتاد مشکل دیگر ز عشق جان مرا - کہ کس نمی شنود شرح داستان مرا
فزودہ ایم غرورت ز عرض بیتابی - بایں گناہ برآرد کسے زبان مرا
دلم ز سینہ برآرید و پیش او ببرید - ز نام ما برسانید ایں بیان* مرا

غمش گداخت جہاؔندار ایں قدر کہ ہما
قبول طعمہ نہ کرد آہ استخوان مرا

ایک اور نقل: نواب وزیر اور اُن کے نائب کے ساتھ بے تکلفی کی صحبت میں آفرین علی خاں خواجہ سرا، بعض اوقات بہت ظریفانہ باتیں کہدیا کرتے تھے- اور یہ عالم تھا کہ جو کچھ زبان پر آجاتا بے تحاشا کہڈالتے- ایک روز کا ذکر ہے کہ تیر اندازی ہورہی تھی- راقم بھی اِس مشغلے میں شریک تھا اور خواجہ سراے مذکور بھی، وہ بہت دبلے پتلے اور کمزور آدمی تھے- مگر تیر اندازی میں اکثر شرکت کیا کرتے تھے- اِن کا تیر کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے بہت دور نہیں جاسکتا تھا- سرفراز الدولہ میرزا احسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ نائب وزیر ماشاء اللہ نہایت جوان، قوی ہیکل تھے، اُن کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگتا، اور خوب تحسین و آفریں ہوتی تھی- اس وجہ سے نواب وزیر وغیرہ خواجہ سراے موصوف کے تیر کی سست رفتاری پر ہنستے اور بہادر موصوف کے تیر کی چستی پر بے اختیار شاباشی فرماتے تھے- ایک روز آفریں علی خاں خواجہ سرا نے پیچ و تاب کھاکر نواب وزیر سے ظرافتاً کہا کہ نواب صاحب! آخر انصاف تو فرمائیے- میں بھی آپکا غلام ہوں اور یہ حسن رضا بھی-

---

* ن ۲ میں پیام ہے' جو صحیح نہیں-

پھر کیا معنی کہ آپ میری تحقیر کرتے ہیں اور اس بیل کی تعریف فرماتے ہیں۔ بظاہر اتنا ہی فرق ہے کہ میں بہت دبلا ہوں اور حسن رضا بہت موٹا ہے۔ نواب وزیر نے برجستہ جواب دیا کہ: ''ہاں ہاں اتنا ہی فرق سمجھنا چاہئے''۔ اِس جواب کی نزاکت و لطافت یہ ہے کہ حسن رضا خاں بہادر بہت جسیم ہیں اور خواجہ سرا بہت لاغر۔ اِس قدر لاغر کہ وزن کیا جائے تو خان بہادر کی ایک ران کے برابر بھی نہ ہوگا۔ جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرا نائب تجھ سے ظاہر میں جس قدر عظمت رکھتا ہے، اِسی قدر مرتبے میں بھی بلندی و امتیاز رکھتا ہے۔ یہ خواجہ سرا بھی بڑے درجے کا سردار اور ہاتھی، پالکی، جاگیر کا مالک تھا۔

ایک اور نقل: ایک روز تیر اندازی ہورہی تھی۔ راقم اور ایک معزز ہندوستاں زا حکیم صاحب میر محمود خاں نامی بھی تیر اندازی میں شریک تھے۔ یہ صاحب نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم سے سدھیانے کا رشتہ رکھتے تھے۔ اِس وقت حکیموں اور طبیبوں کے سلسلے میں ملازم تھے۔ بیچارے بوڑھے آدمی تھے۔ اِن کا تیر سست پڑ رہا تھا۔ یہ دیکھکر نواب وزیر مسکرائے۔ میر صاحب نہایت نازک مزاج تھے۔ غصے سے بگڑ کر بولے: ''نواب صاحب! آپ ہنستے کیا ہیں۔ میں تو تیر اندازی صرف ثواب کی نیت سے کرتا ہوں ورنہ میرا سن کب اسکا مقتضی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگلے بادشاہ حکیموں کو اپنا وزیر بنایا کرتے تھے، بس آگے کچھ نہیں کہنا چاہتا''۔ نواب وزیر ایسی سخت بات پر بھی پیشانی پر شکن نہ لائے اور فوراً جواب دیا کہ ''ہاں میں جانتا ہوں بیشک وہ اسی مرتبے کی لیاقت بھی رکھتے تھے''۔ اُس کے بعد میر صاحب کی طرف سے مُنہ پھیر کر پھر اُسی خوشی اور انبساط کے ساتھ تیر اندازی میں مشغول ہوگئے۔ سمجھنے والے سمجھ گئے کہ اس جواب میں کیا نکتہ تھا۔ سرفرازالدولہ نے اُس روز سے میرصاحب کو تیر اندازی کی مجلس میں آنے سے روک دیا اور بہت غصہ و عتاب کیا۔

ایک اور نقل: ایک روز نواب وزیر گھوڑے سے گرپڑے۔ میں بھی اُن کی عیادت کو گیا، وہ گومتی پار، فوجدار خاں کے مکان پر بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوے۔ ہرچند میں نے منع کیا، لیکن نہ مانے۔ پھر آگے بڑھے، میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا اور خود میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔

توپیں ڈھالنے کا ذکر تھا، اس سلسلے میں شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کا ذکر آیا کہ انھوں نے بھی اس عرصے میں دو تین توپیں تیار کر کے اپنی سرکار میں محفوظ رکھی ہیں۔ اِسی اثنا میں ایک مصاحب نے مذاق سے کہا: ''اچھا اب میرزا سلیمان شکوہ بہادر خود اپنی سرکار کا توپ خانہ تیار فرماتے ہیں''۔ اُسی وقت نواب وزیر نے نہایت غصہ بھری نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھا، آنکھ دکھاکر تنبیہ کی، اور فرمایا کہ آئندہ پھر کبھی ایسا نہ کہنا۔ تو نہیں جانتا کہ یہ سب ہمارا ہی قصور ہے۔

ایک اور نقل: ایک نوجوان نابینا شاعر جس کا تخلص جرأت ہے، لکھنؤ میں ریختہ اور ہجو بہت گرم و شوخ تر کہتا ہے۔ کسی نے نواب وزیر کے حضور میں ایک روز اُسکی تعریف اور سفارش کی طور پر عرض کی کہ ''جناب عالی نے سنا ہوگا، آج کل نابینا جرأت کو کیسے کیسے تازہ و رنگین مضامین سوجھتے ہیں کہ دوسرے شاعروں کے گوشۂ دل میں کبھی ایسے مضامین کا گذر نہیں ہوسکتا''۔ فوراً نواب وزیر نے جواب دیا کہ ''اِس کو مضامینِ شعر کے سوا اور سوجھتا ہی کیا ہے''۔

ایک اور نقل: ایک بار محرم کا مہینا تھا، میں بھی حاضر مجلس تھا۔ شاہ حسین نامی ایک کتاب خواں ولایت ایران سے نئے نئے وارد لکھنؤ ہوے۔ وہ ولایت کے طریقے پر موسیقی کے تمام راگ بہت خوب ادا کرتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسا کوئی اور شخص ولایت سے کبھی ہندوستان نہ آیا ہوگا۔ وہ کتاب ''دہ مجلس'' پڑھ رہے تھے۔ نواب کے مصاحبوں میں سے کسی شخص نے انصاف کے طور پر اُن کی سفارش کی اور عرض کیا کہ ''جناب عالی! سنتے ہیں شاہ حسین اِس وقت کس خوش الحانی اور دلکش انداز میں گا رہا ہے۔ اس فن میں وہ مہارت رکھتا ہے کہ شاید ولایت میں بھی اِس کا نظیر کم ہوگا۔ خداے تعالیٰ نے ایسے ممتاز فن آدمی کو جناب عالی کے عہد مبارک میں ولایت سے یہاں بھیجا ہے۔ جس نے آں جناب کے طفیل سے ہم غلاموں کے سامعے کو اپنے دل پزیر فن موسیقی سے اسقدر لذت اندوز کیا''۔

یہ سنتے ہی نواب وزیر نے جواب دیا ''یہ علم تو آپ ہی ہوگا، بلدہ اس سے محض لاعلم ہے''۔ ظاہرا نواب وزیر کا مزاج اِس کتاب خواں سے کسی قدر مکدر تھا، اسی سبب سے ایسی بے التفاتی کا جواب فرمایا۔ جواب کی لطافت یہ ہے کہ سفارشی کا نسب ماں کی طرف سے ایک مغلی تک پہنچتا تھا۔

اِسی وجہ سے نواب نے تعریضاً اُسے یہ جواب دیا۔ نواب وزیر کے یہ سخت الفاظ رفتہ رفتہ کتاب خوان کے کانوں تک پہنچ گئے۔ وہ بہت ناخوش ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ اب اگر مجھے زنجیروں سے بھی جکڑیں تو ہندوستان میں نہ رہوں گا۔ آخر ایسا ہی کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ملک کے طریقے کے لحاظ سے یہ شخص اپنے فن میں کامل تھا۔ یہاں آنے کے بعد ابتدا میں اس نے ہندوستان کا گانا نہیں سنا تھا، اس سبب سے ہندوستانی گانے کو خاطر ہی میں نہ لاتا تھا اور ولایت کے راگوں کو ہندی سرود پر ترجیح دیتا تھا۔ مگر جب کچھہ روز ہندوستانیوں کے گانے سنے تو بیحد پسند کرنے لگا اور قائل ہوگیا کہ بے شک گانا یہ ہے جو ہندوستان والے گاتے ہیں۔

ہمارے ساتھہ نواب وزیر کے اخلاق و آداب

ایک روز نواب وزیر نے عین ہولی کھیلتے میں مجھے بھی اپنے دولت خانے میں بلوایا۔ نواب موصوف نے لکھنؤ میں جو مکانات بنوائے ہیں، دولت خانہ اُن میں سے ایک خاص مکان کا نام ہے۔ جیسے ہی میں پہنچا، آداب بجالائے اور استقبال کیا۔ پھر میرا ہاتھہ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ نواب وزیر کے سارے دانت آغاز جوانی ہی میں شراب خواری کی کثرت کے سبب گر گئے تھے۔ مُنہ کسی قدر کھلا رہتا تھا۔ اس لئے میں نے دیکھا کہ وہ اِس وقت مخمل یا کسی اور چیز کا چھوٹا سا گیند مُنہ میں رکھے ہوئے تھے۔ تاکہ عبیر اور گلال مُنہ میں نہ چلاجائے۔ اسی اثنا میں سرفرازالدولہ کے خلیرے بھائی شرف علی خاں نے رنگ سے بھرا ہوا ایک قمقمہ میری پیٹھہ پر مارا، نواب وزیر نے آنکھہ کے اشارے سے منع کیا۔ میں نے نواب وزیر سے مخاطب ہوکر کہا کہ بھائی جان! میں "یار شاطر ہوں بار خاطر نہیں،" ہولی کھیلنے آیا ہوں۔ اس لئے منع نہ فرمائیے۔ کھیل کود خاصکر ہولی کے موسم میں آداب و لحاظ کو الگ رکھدینا چاہئے۔ نواب وزیر نے جواب میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، یہاں ہر حالت میں ادب ضرور ہے۔ پھر میں نے بھی خوان سے ایک قمقمہ اُٹھا کر نواب وزیر کے سینے پر مارا اور کہا کہ اب تو میں نے پہل کی ہے، آپ بھی بسم اللہ کیجئے۔ مسکراکر چپ ہورہے۔ میں نے پھر اصرار کیا تو فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے، یہ کام مجھہ سے ہرگز نہ ہوگا۔ غرض وہ سب لوگ باہم ہولی کھیلتے رہے اور میں تماشا دیکھا کیا۔ جب میں

قلعۂ مبارک دھلی کی کوئی بات بیان کرتا تو کھیل چھوڑ چھاڑ کر بہت توجہ کے ساتھہ سننے لگتے۔ اور فرماتے کہ قلعۂ مبارک کے صاحبوں کے کلام میں ایک ایسی خاص لذت اور فصاحت کی چاشنی پاتاھوں جو اور لوگوں میں نہیں ھے۔

نواب وزیر کے لے پالک بیٹے وزیر علی خاں کی شادی کا بیان جو نائب نواب وزیر کے خلیرے بھائی شرف علی خان کی لڑکی کے ساتھہ ھوی تھی۔ اور نواب وزیر کے آداب کا اجمالی ذکر

میں لکھنؤ میں سات سال رھا۔ ھزاروں بار نواب وزیر کی سواری دیکھی۔ لیکن کبھی اُن کے سر پر مورچھل جھلتے اور چلور ھلاتے نہیں دیکھا۔ سنا ھے کہ جس روز سے دلی کے شاھزادے لکھنؤ میں پہنچے، نواب وزیر نے کہا مجھے شرم آتی ھے کہ اِن بزرگوں کے ھوتے، میرے سر پر مورچھل جھلا جائے۔ اب موقوف رکھو۔ مگر سواری خاص کی عماری اور آس پاس کے ھودوں پر مورچھل ھمراہ رھتے تھے۔ کم و بیش بیس بیس ھاتھی ساتھہ ھوتے تھے۔ مگر جس ھاتھی پر نواب وزیر سوار ھوتے، اُس پر مورچھل نہ رکھا جاتا۔ یہ حکم فرمادیا تھا کہ خواص رومال سے مگس رانی کیا کریں۔ میں کئی مرتبہ اُن کے دولت خانے کو گیا، اور کئی مرتبہ حسن رضا خان بہادر کے مکان پر جاکر اُن کا ھم مجلس رھا۔ لیکن وہ کبھی ھمارے سامنے مسند پر نہ بیٹھے۔ نہ کوئی چلور بردار مکھیاں جھلنے کے لئے اُن کے پاس جاکر کھڑا ھوا۔ صرف پنکھا جھلنے والے رھتے تھے۔ جس روز وہ گھوڑے سے گرے، میں بھی اُن کی عیادت کو گیا۔ اُس وقت نواب وزیر اپنے نئے مکان میں مسند پر بیٹھے تھے۔ یہ مکان گومتی کے پار فوجدار خاں تیار کرا رھے تھے ھنوز تیار نہیں ھوا تھا۔ میں پہنچا تو اُٹھہ کر لب فرش تک استقبال کیا اور مجھے اپنے مسند پر بٹھایا۔ خود بھی اُسی مسند پر میرے پہلو میں بیٹھے۔ اتفاق سے اُسی وقت شاھزادۂ میرزا سلیمان شکوہ بہادر بھی آپہنچے۔ اُن کا استقبال دروازے تک کیا۔ میں بھی نواب وزیر کے ساتھہ اُٹھا اور رخصت ھوکر اپنے گھر چلا آیا۔ سنا ھے کہ اِنہیں اپنے مسند پر بٹھا کر خود مسند کے پاس بیٹھہ گئے تھے۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔

ان کے متبنٰے کی شادی کے حالات کا اجمالی بیان یہ ھے کہ اِس تقریب میں پچاس لاکھہ سے زائد روپیہ صرف ہوا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نوشھی کی رات چراغاں، مشعلوں اور آتش بازی کی یہ کثرت تھی کہ دو کوس تک معلوم ھوتا تھا آگ کا دریا موجیں مار رھا ھے۔ اسی پر قیاس کرلینا چاھئے کہ دوسری تیاریاں کیسی ھونگی۔ نواب وزیر نے اکیس خوان کا ایک تورہ کھانا ھمارے گھر بھجوایا۔ اور کئی ھزار روپے نقد سے بھی تواضع کی۔ اپنے ھاتھوں سے گوٹہ کناری اور پھولوں کے ھار ھمارے گلے میں ڈالے۔ اسی طرح چند سال بعد نواب وزیر کی لےپالک بیٹی کی شادی حیدر علی خاں سے ھوی۔ یہ نائب وزیر کے حقیقی بھانجے اور لطف علی خاں مرحوم کے بیٹے اور شرف علی خاں کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ اِس شادی میں پہلی شادی سے تقریباً آدھے مصارف ھوے۔ راقم بھی اپنے حقیقی بھائی اور بھتیجے مرزا الٰہی بخش اور اپنے چچیرے بھائی مرزا محمد اظفرالدین عرف میرزا حسین بخش ملقب بہ میرزا بلند بخت کے ساتھہ شادی کی محفل میں شریک ھوا تھا۔ میںنے اپنے ان چچیرے بھائی کو بیٹے کی طرح پالا، اور تربیت کی ھے۔ اِس موقع پر بھی نواب وزیر اُنھیں آداب کے ساتھہ ھماری تواضع بجالائے۔

سرفرازالدولہ کا کلکتہ جانا اور ھماری بڑی لڑکی سعیدۃالنسأ بیگم عرف بڑی بیگم کے مکتب اور بسم اللہ کی رسم کا بیان

ایک بار سرفرازالدولہ میرزا حسن رضاخاں بہادر ظفر جنگ اور نواب وزیر کے دیوان راجہ تکیت راے اپنے آقا کے حکم کے موافق وائس (راے) بہادر کی ملاقات کے لئے کلکتہ روانہ ھوے۔ اُن کے جانے کے بعد میری بڑی بیٹی نور چشم سعیدۃالنسأ بیگم کی رسم بسم اللہ خوانی عمل میں آئی۔ اس خوشی کی تقریب میں میںنے حسب ذیل معززین کو بھی بلایا:

سرفرازالدولہ کے سوتیلے بھائی موسٰی رضاخاں بہادر، نواب وزیر کے داماد حیدر علی خان اور اُن کے بڑے بھائی مظفر حسین خاں بہادر۔ یہ تینوں حضرات شریک مجلس ھوے۔ میں نے پان، اور ھار وغیرہ سے رسم ضیافت ادا کی۔ جب یہ خبر سرفرزالدولہ کو پہنچی تو انھوں نے کلکتے سے اس مبارک تقریب کے خرچ کے لئے کئی ھزار روپیہ اور ایک عرضی بھجوائی، جسکی نقل درج ذیل ھے۔

سرفرازالدولہ میرزا حسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ نائب نواب وزیرالممالک کی عرضی، جو نور چشم کی رسم مکتب کی تہنیت میں آئی تھی

حضرت صاحب عالم و عالمیاں و مرشدزادۂ جہان و جہانیاں سلامت- بعد از قدمبوسی ملازمان حضور می رساند- حضور کے شقۂ خاص کرامت اختصاص نے جو از راہ مرحمت روانہ ہوا تھا، اپنے ورود سے سعادت اندوز فرمایا- صاحبزادی بلند اقبال نواب سعیدۃالنسأ بیگم صاحبہ مد ظلہا کی بسم اللہ کی رسم شادی میں برادر بجان برابر موسی رضاخاں بہادر اور برخوردار حیدر علی خاں و مظفرعلی خاں وغیرہ نے حاضر ہونا اپنے لئے موجب سعادت تصور کیا- اگر خدانخواستہ اس کے خلاف کرتے تو پھر اِن سبکو اِس فدوی کے نزدیک منہ دکھانے کی کب تاب تھی- الحمدللہ کہ عقیدت منزل دل کی جو کچھہ تمنّا تھی ظہور میں آئی- اور یہ خبر اِس عقیدت نہاد کی سرفرازی و سرخروئی کا سبب ہوئی- تفضلات عالی سے امید ھے کہ آداب تہنیت درجۂ قبول پائینگے- اِس عرصے میں اگرچہ ممالک جنوبی کے نواح کی طرف رایات عالیات کی نہضت طے پاگئی ھے- مگر اس معاملے میں عجلت فرمانا اولیاے دولت قاہرہ کے لئے انسب نہیں ھے- ملازمین حضور والا کے مصارف کے لئے ہنڈوی روانہ کردی ھے- اسکے علاوہ فدوی نے اپنے دونوں بھائیوں شرف علی خاں اور لطف علی خاں بہادر کو حضور میں اپنا وکیل مقرر کیا ھے- یہ بات راے جہاں آراے پر واضح ہوگئی ہوگی- نواب مستطاب معلٰے القاب نواب وزیرالممالک بہادر دام اقبالہ بھی حضور کے احکام اور فرمائشوں کی بجاآوری میں سعادت ابدی سے ذخیرہ اندوز ہوے ہوں گے- یہ غلام کلکتے کے سوال و جواب سے فارغ ہوگیا ھے- جناب باری تعالٰے سے امید قوی ھے کہ بہت جلد ملاقات کی سعادت حاصل کرے گا- اور محفل قدسی کے باریابوں کی خدمت اس طرح بجالائیگا کہ جےپور، جودھپور کے مہاراجاؤں کی خدمت اور بلدگی جناب کے خاطر دریا مقاطر اور حضور لامع النور کی بزم دل سے بالکل محو ہوجائیگی- بہمہ وجوہ مزاج مقدس مطمئن رھے- زیادہ حد ادب- الٰہی سلطنت اور جہانداری کا آفتاب تاباں رھے-

---

اعظم الامراء نصیرالدولہ ناظم الملک مہین پور چین قلیچ خاں بہادر ظفر جنگ فرزند نواب وزیرالممالک عمادالملک غازی الدین خاں بہادر کی عرضی کی نقل جو ماہ ذیحجہ سنہ ۱۲۰۷ھ کی بیسویں تاریخ کو لکھنؤ میں ہمارے پاس پہنچی

حضرت قبلۂ عالم و عالمیاں خدیو جہان و جہانیاں مدظلہ- فدویانہ آداب و کورنشات کے بعد جو ہمارے لئے سعادت کا موجب ہیں، بندگان اقدس و اعلٰی کی بارگاہ میں عرض کرتا ھے کہ شقۂ خاص کے شرف صدور سے، جو مہربانیوں کا مظہر تھا، سرفرازی پائی- سر عبودیت کو عرش عالی پر پہنچایا- حق جلّ و علٰی اسی بندہ نوازی کے ساتھہ ہمیشہ سایہ انداز رکھّے- پہلے بھی دو تین عریضے جناب والا میں روانہ کئے تھے- یقین ھے کہ اُن سے بندگان حضور لامع النور کی رائے پر سارا حال روشن ہوا ہوگا- باقی باتیں لالہ سری کشن داس معتمد کی عرضی سے حضور اشرف و اعلٰی میں واضح ہونگی- زیادہ حد ادب- ”سایہ ات کم مباد از سرما“-

---

راجہ نواب انوپ گر گسائیں ہمّت بہادر کی عرضی کی نقل، جو کالپی کے نواح سے ماہ ذیحجہ سنہ صدر کی بیسویں تاریخ کو ہمارے بخشی رائے ٹیکا رام بہادر کی معرفت پہنچی

”صاحب عالم و عالمیاں سلامت- ادب کے لبوں سے عقیدت کی زمین چوم کر حضور فیض گنجور کے باریابوں کی عرض گاہ میں پہنچاتا ھے کہ شقۂ والا نے اپنے تفضّل آمیز ورود سے سرفراز فرمایا- اور میرے سر عبودیت کو انتہائی بلندی تک پہنچایا- اِن دنوں بعضے ضروری ملکی امور کی وجہ سے فدوی نواب صاحب کی لشکرگاہ سے کئی کوس کے فاصلے پر ھے- جس وقت اُن کی ملاقات سے مستفید ہوگا، ارشادات عالی کو نہایت عمدہ طور پر ظاہر کرنے کے بعد، جس صورت سے معاملہ طے پائیگا، جناب کے شاہانہ بساط فیض مناط کے حاشیہ نشینوں کی عرض میں پہنچائیگا- منشی کشن دیال کو بھی برسات کے بعد لکھوں گا- الٰہی سلطنت کا آفتاب تابندہ اور درخشندہ رھے“-

کچھ اوپر سات سال میں لکھنؤ میں رہا، لیکن اس طویل زمانے میں شاہزادہ سلیمان شکوہ سے چند موانع کی وجہ سے اُن کے مکان پر جاکر ملاقات کرنے کا اتفاق نہ ہوا۔ صرف دو بار اس طرح ملاقات ہوی کہ پہلی بار نواب وزیرالممالک کے امام باڑے میں محرام الحرام کے عشرے میں، وہ بھی نواب وزیر کی بیحد خواہش اور ایماء و اشارہ سے میں نے صرف لفظ سلام پر اکتفا کی مگر کچھ بات چیت نہ ہوئی۔

دوسری بار اُس رستے میں ملاقات ہوی جو دریائے گومتی کے کنارے ہے، عید کا دن تھا، وہ ہاتھی پر سوار نواب وزیر کے پاس سے اپنے دولت خانے کو واپس تشریف لے جارہے تھے، اور راقم اپنے حقیقی بھائی مرزا جلال الدین کے ساتھ ہاتھی پر سوار نواب موصوف کے پاس جارہا تھا۔ اس موقع پر ادائے آداب اور تسلیم و سلام کے بعد چند کلمے طرفین سے خیریت پرسی کے طور پر، اُس اُنس و یک جہتی کی یاد میں درمیان میں آئے، جو قلعۂ مبارک میں باہم تھی اور بس۔ جس روز سے راقم کو حضرت قدر قدرت کی اجازت حاصل کئے بغیر قلعے سے نکل کر جیپور اور جودھپور کی طرف بھاگنے کا موقع ملا، اور اِن راجاؤں کی جانب سے راقم کے لئے اسباب سلطنت کی تیاری عمل میں آئی، اِن شاہزادوں کو مجھ سے سخت ملال تھا۔ حالانکہ میں نے تخت سلطنت وغیرہ سے قطعاً انکار کردیا تھا۔ اب جو اپنے لکھنؤ سے رخصت ہونے کے قریب شاہزادۂ موصوف کو میں نے اپنے حق میں مہربان پایا تو مناسب سمجھا کہ باہم صفائی ہوجائے، اور کدورت دور ہو۔ اسلئے ایک عرضی لکھکر معذرت چاہی کہ ارادے یا غلطی سے میری طرف سے جو کچھ جناب کو ملال پہنچا اور کدورت کا سبب ہوا ہے اُسے معاف فرمائیں۔

عرضی کی نقل

یہ راسخ الاعتقاد فرزند جب سے پیدا ہوا، اور جب سے ہوش سنبھالا، تمام دوسرے فرزندوں سے زیادہ جناب کی فدویت کا عزم اپنے سینے میں رکھتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جناب کے خاطر فیض مآثر پر اچھی طرح سے ثابت ہے کہ قلعۂ مبارک کے وقت سے اب تک خدمت گزاری اور عزم جانفشانی کے سوا کوئی اور بات نہ میری جانب سے عمل میں آئی اور نہ جناب نے ملاحظہ

فرمائی ہوگی- گو میں چےپور، جودھپور گیا اور وہاں کے راجاؤں نے بہت عمدہ سلوک کیا- بلکہ تخت سلطنت تک بناکر میرے لئے بھیجا- مگر میری زبان سے بغاوت اور سرکشی کا ایک حرف بھی کبھی جناب کے گوش مبارک تک نہ پہنچا ہوگا- تمکین علی خاں نائب ناظر اس وقت موجود ہے، اُس نے حضور میں یہ بات بیان کی ہوگی- میں تو پانچوں وقت نماز کے بعد یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ قادر ذوالجلال اور ملک المتعال اس بلند و برتر خاندان سے اس عاصی کے کسی ایسے قدردان کو اپنے باپ دادا کا ورثہ نصیب فرمائے کہ یہ ناچیز فرزند بھی اُمرا کے کسی درجے پر پہنچ کر خدمت گزاری کا ثبوت دے اور جان تک سے کوتاہی نہ کرے- کیونکہ میں بھی آخر اسی عالی شان خاندان کے نواسوں میں ہوں- اور حضور کو معلوم ہے کہ اِس سے پہلے میں نے اپنا تخلّص غمؔخور رکھا تھا- مگر اب پانچ سال سے اسکی بجاے اظفرؔی رکھا ہے- اطلاع کی طور پر عرض ہے- امید ہے کہ اِس عرضی پر دستخط کرم فرماکر مفتخر اور مباھی فرمائینگے- اس سے زیادہ فرزندانہ آداب کے سوا کیا عرض کروں- فرزند راسخ الاعتقاد میرزا جلال الدین عرف چھوٹے مرزا میرے حقیقی بھائی بھی فرزندانہ کورنش بجالاتے ہیں-

عرضی عاصی فرزند راسخ الاعتقاد و مرزاے کلان مسمّٰے بمیرزا علی بخت، متخلّص بہ اظفرؔی گورگانی-

---

شاہزادۂ مرزا سلیمان شکوہ کی خاص تحریر کی نقل جس پر اُن کی چھوٹی دستی مہر لگی تھی

مابدولت آپ جیسے راسخ الاعتقاد فرزند کو اپنے فرزندوں میں شمار کرتے ہیں- قلعۂ مبارک سے لیکر اب تک آپ کی خدمت اور حسن ارادت میں ہم نے کوئی کوتاہی نہیں دیکھی- کلام اللّٰہ اور جناب رسالت پناہ صلے اللہ علیہ و اٰلہ و سلم کی قسم ہے کہ آں فرزند حاضر و غائب اگر حضور کی دولت خواہی میں کوشاں رھینگے تو مابدولت بھی انشا اللہ نزدیک و دور اور زبان و قلم سے آپ کی آئندہ بہبودی اور مراعات کا پورا خیال رکھینگے- اور یہ قسم لکھتے ہیں کہ اب آں فرزند سے کوئی کدورت دل میں نہیں ہے، جو کچھ غلطی سے یا قصداً خطا ہوچکی ہے، وہ بھی ہم نے معاف فرمائی- ہر طرح خاطر جمع رکھیں-

فائدہ: شہر لکھنؤ بڑا آباد، سواد اعظم اور وسیع شہر بلکہ ایک آدم خیز دنیا ہے۔ میں نے وہاں دو شخص ایسے دیکھے جو نفس کشی میں انتہا کو پہنچے ہوے تھے۔ اپنی مدح کو عین مذمّت اور مذمّت کو صحیح تعریف سمجھتے تھے۔ میںنے اپنے سانحات میں اُن کا کچھہ مختصر ذکر کیا ہے۔ یہاں بھی بنظر فائدہ لکھا جاتا ہے:

اظفری! اکثر عارفوں نے اپنے ہنر چھپانے اور اپنے عیب ظاہر کرنے میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے۔ وہ اپنی خوبیوں کا اظہار بڑا عیب جانتے ہیں۔ تعریف کرنے والے کو دشمن سمجھتے ہیں، مرحبا اور شاباش کو گالی شمار کرتے ہیں۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہمیشہ گوشۂ گمنامی میں پڑے رہیں۔ کسی کی زبان سے اپنی تعریف نہ سنیں۔ بلکہ ہمیشہ لوگوں کی زبانوں پر نشانۂ ملامت بنے رہیں۔ اِس میں حکمت یہ ہے کہ اُن کا نفس ہر وقت بھلائیاں حاصل کرنے کا حد سے زیادہ آرزومند رہے۔ جس وقت کوئی شخص کسی برائی پر ملامت کرتا ہے تو نفس کی سرزنش ہوتی ہے، وہ کفارہ ادا کرتا ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی اچھی بات کی اطلاع پائیگا تو تعریف کریگا، ممکن ہے کہ نفس اس تعریف سے سرکشی اختیار کرے، اپنے کو کامل تر سمجھنے لگے۔ اور دوسری خوبیوں کے حاصل کرنے سے باز رہے۔ ترقی کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے، اور تنزّل میں پڑجائے۔ راقم نے لکھنؤ میں اِن صفتوں کے دو آدمی دیکھے، اور اِن کی صحبت سے بہت فوائد حاصل کئے۔

ایک تو مرزا کاظم ترکی سوداگر، یہ بہت سے فنون کے جامع تھے۔ خاص کر ترکی چغتائی زبان میں کامل تھے۔ نوائی و گدازی کے دیوان انہیں ازبر تھے۔ اشعار و لہجہ اور عبارت آرائی کے میدان میں گوئے بلاغت لے گئے تھے۔ اکثر اوقات میرے پاس آیا کرتے تھے۔ عرصے تک ان سے بہت فوائد حاصل ہوتے رہے۔

ایک روز اِن کی سحر آگیں باتوں پر بے اختیار میری زبان سے تحسین و آفریں کا کلمہ نکل گیا۔ کیونکہ زبان پر حق بات ہی رہنا چاہئے۔ بس وہ بگڑگئے اور کہنے لگے کہ تقصیر معاف! صاحب میں آپ میں اسکے سوا اور کوئی بری صفت نہیں پاتا کہ دوستوں کو اتنا سراہتے ہیں کہ وہ اِترا اور اُکتا جاتے ہیں۔ آپ یہ نہیں سمجھتے کہ دوستوں سے ایسی بات کہنا چاہئے جس سے

اُن کا نفس ترقی کرے نہ یہ کہ تنزل۔ شاید آپ نے گلستاں کا یہ قطعہ نہیں پڑھا:

از صحبت دوستاں برنجم - کاخلاق بدم حسن نمایند
عیبم هنر کمال بینند - خارم گل یا سمن نمایند
کو دشمن چشم شوخ بیباک - تا عیب مرا بمن نمایند

میں نے بہت کچھہ عذر و معذرت کی مگر وہ ایک نہ مانے۔ آخر یہی تعریف ترک صحبت کا سبب ہوگئی۔

ایسے ہی ایک بزرگ، ایک طالب علم سید تھے، جو اپنی ہیئت بدل کر مفلس قلاش کی طرح ترکی زبان پڑھنے کے لئے میرے پاس آیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ اس زبان کو سمجتے تھے۔ چند روز بعد بمصداق "مشک آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید،، حقیقت کے چہرے سے پردہ اُٹھہ گیا۔ اُن کی سیادت اور فضیلت نگاہوں کے سامنے آشکارا ہوگئی۔ میں پہلے سے بہت زیادہ اُن کی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ یہ دیکھہ کر اُنہوں نے بھی میری صحبت سے دامن کھینچ لیا اور آنا جانا چھوڑ دیا۔ قطعہ:

اظفریؔ! مدح نفس خود چو شنود - عاقل از دوست هم چو ذم داند
زانکہ بیم است چوں شود خیرہ - از ترقیّش باز می ماند

مجھے وہ آدمی بہت زیادہ پسند آتا ھے جو اپنے قصور کو مان لیتا ھے۔ حالانکہ آج کل اکثر لوگ اپنی اصلی کوتاهیوں سے بھی انکار اور اپنے جھوٹ پر اصرار کرتے رهتے هیں۔ اس صفت کا ایک آدمی مکّھو نامی تھا۔ یہ شخص قانوں گویوں کی اولاد میں اور سکندرہ کا رهنے والا تھا، جو دهلی کا ایک مشہور قصبہ ھے۔ مکھو جودھپور آکر میرے یہاں نوکر هوا۔ تھوڑے هی عرصے میں اس کی قابلیت دیکھہ کر میں نے منشی گری کی خدمت پر سرفراز کیا۔ جس وقت شاهزادہ میرزا احسن بخت بهادر جےپور تشریف لائے، میں بھی وهیں موجود تھا۔ مکھو نے مجھہ سے دغا کی اور اُن سے جاملا۔ میرے دست خاص کی تحریری سند پر شاهزادۂ موصوف نے اسے منشی گری کی خدمت پر مامور کرلیا۔ اور اُن کے همراہ تیمورشاہ والی هرات کی ولایت میں چلا گیا۔ چند روز تک خوب آرام سے رها۔ کئی هزار روپے کا سامان اور کئی عمدہ عربی نسل کے گھوڑے وغیرہ بھی فراهم کر لئے۔

دو سال کے بعد میں لکھنؤ میں تھا۔ یہ منشی فقیروں کی طرح ننگا، بھوکا وہاں وارد ہوا۔ اور ایک سید کی سفارش سے میرے پاس آیا۔ میں نے پوچھا کہ اسباب کہاں ہے، اُسی وقت میرے قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ قصور معاف ہو تو سچی بات عرض کروں۔ میں نے کہا: اچھا معاف کیا، سچ سچ کہو۔ مکھو نے کہا: میں نے حضور سے جو دغابازی کی اور شاہزادہ مرزا احسن بخت سے جا ملا۔ یہ سب اُسی نمک حرامی کا نتیجہ ہے۔ میں نے کہا: تو بہت ٹھیک کہتا ہے، تیری طرف سے جو کدورت میرے دل میں تھی وہ دور اور تیرا قصور معاف کرتا ہوں، خدا بھی معاف فرمائے۔ اِسکے بعد بہت کچھہ کہا کہ چند روز میرے پاس رہ، مگر وہ نہ مانا، کہنے لگا کہ حضور سے ایسی شرمندگی ہے کہ اپنا کالا منہ دکھا نہیں سکتا۔ اجازت ہو تو حج بیت اللہ کے ارادے سے جانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: بہتر ہے، خدا پہنچائے۔ پھر باصرار راہ خرچ دینا چاہا، مگر اُس نے نہ لیا، اور روانہ ہوگیا۔ سنا ہے کہ زیارت و حج کے بعد خیر و عافیت کے ساتھہ اپنے وطن پہنچ گیا ہے۔ اِس بیان کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی نوکر اپنے آقا کو دغا دیتا ہے تو خدائے برتر جو غیب کی باتیں جاننے والا اور حقیقی قہرمان ہے تھوڑی ہی مدت میں اُسے کیفر کردار کو پہنچا دیتا ہے۔

شاہ جہاں آباد (دھلی) کے قلعۂ مبارک سے راقم کے بھائیوں کی نجات

اس سے پہلے بیان ہوچکا ہے کہ راج راجندر سری مہاراجہ دھراج سوائے پرتاب سنگھہ بہادر والی جےپور و راج راجیشر سری مہاراجہ دھراج بجے سنگھہ بہادر فرماں روائے جودھپور، دونوں نہایت شائستہ طریقے سے میری خدمت میں دست بستہ حاضر ہوے تھے۔ اور میرے لئے ایسی تکلیف اُٹھانے پر آمادہ ہوگئے تھے جو حقیقت میں اُن سے اُٹھنے والی نہ تھی۔ اس لئے میں نے اُس امر عظیم کو قبول نہ کیا۔ میرے اِس انکار پر بھی دھلی کے والیوں یعنے ناظموں کو اپنے بیہودہ وسوسوں کی وجہ سے یہی مناسب نظر آتا تھا کہ میرے بدلے حضرت عرش آرامگاہ کے نواسوں کو طرح طرح سے ستائیں۔ اور اُن کی طرف سے انصاف کی آنکھہ بند کرلیں۔ خاصکر میرے چھوٹے سگے بھائی مرزا جلال الدین عرف چھوٹے مرزا سلمہ اللہ کے ساتھہ دھلی کے

ناظم صاحبان جو مختار کار تھے، کچھہ ایسی ضرر رسانی اور ایذا دھی کے ساتھہ پیش آئے کہ وہ ایک داغ ھے میرے دل سے نہ مٹنے والا، اور ایک زخم ھے کبھی نہ بھرنے والا- انتظار ھے کہ دیکھئے وہ اصلی منتقم خدائے تعالےٰ کب انتقام لیتا ھے۔ اور کب اپنی مہربانیوں کا مرھم اس جگر ریش کے زخم پر رکھتا ھے- غرضکہ برابر ایذا پہنچاتے اور بیحد تکلیف دیتے رھے- آخر میرے نکلنے کے تین مہینے بعد اِن سب کو قلعۂ مبارک سے نکال کر اسمٰعیل خاں کی حویلی میں پہنچادیا اور اب اِن مظلوموں سے قید اُٹھالی گئی ھے-

---

ایک حسب حال حکایت

کہتے ھیں کہ ایک روز ایک گدہ سمندروں کے ھاتھہ پڑ گیا- سب نے ملکر اُس غریب کو خورد بُرد کر ڈالا- بہت سے گدہ اُن سے بدلہ لینے کی فکر میں تھے- اتفاق سے ایک دن ایک سمندر گدوں کے پنجے میں گرفتار ہوگیا، سب نے ملکر مشورہ کیا کہ اِسے نہایت سخت اذیتیں اور بدترین سزائیں دے دیکر مارنا چاھئے- سب کی رائے قرار پائی کہ آگ سے زیادہ سخت سزا اور کون ھوسکتی ھے اسی میں جھونکدیں- غرض لے جاکر آگ میں ڈال دیا- حالانکہ بھڑکتی آگ میں پہنچ جانا سمندرون کے لئے عین تمنّا اور عین راحت ھے- کسی بزرگ شاعر نے کہا ھے:

سمندر نداند عذاب الحریق

خدا چاھے تو دشمن سے راحت پہنچاوے ورنہ دوست سے ایذا دلوائے-

اللهم احفظنا و جمیع المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات من سجن الدنیا والدین برحمتک یا ارحم الراحمین* آج کل میرے چچیرے اور حقیقی بھائی سب کے سب لکھنؤ میں گوشۂ عافیت کی زندگی گزار رھے ھیں- نواب آصف الدولہ، ھر ایک کے حوصلے اور حالات کے مطابق خدمت کرتے رھتے ھیں- نائب نواب وزیر بھی میرے حقیقی بھائی کے ساتھہ حسن سلوک

---

* ترجمہ: اے اللہ ھم تمام مومن مردوں اور عورتوں، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دنیا اور دین کی قید سے محفوظ رکھہ- اپنی رحمت کے طفیل اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے اللہ!

اور قابل قدر تواضعات سے پیش آتے رهتے هیں- وہ خوش اور عزت کے ساتھہ هیں، اُن کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں بھی هیں- بڑے بیٹے کا نام مرزا الٰہی بخش اور چھوٹے کا نام مرزا ایزد بخش ہے- خدا انھیں علم و عقل اور عزت دے، اور اقبال کے ساتھہ عمر طبعی کو پہنچائے-

میرے ایک چچیرے بھائی مرزا همایوں بخت اپنی بیوی کے ساتھہ چینا پٹن مندراج میں نواب امیرالهند والاجاہ محمد علی خاں بہادر کے پاس تشریف لے گئے- نواب والاجاہ نے اُن کے ساتھہ لاکھوں کا سلوک کیا- نواب صاحب کی وفات کے بعد اُن کے بڑے بیٹے نواب عمدۃالامراء، امیرالهند والاجاہ ثانی بھی قابل قدر سلوک کرتے رهتے هیں- اللہ تعالٰی سلامت رکھے-*

میں لکھنؤ سے نکلنے هی کی فکر میں تھا کہ جمادیالاولی سنہ ۱۲۱۰ ھجری میں چند معتمد لوگ اور سرکاری هرکارے مندراج کے خطوط لیکر پہنچے، جو مرزا همایوں بخت نے میرے نام بھیجے تھے- مضمون یہ تھا کہ آج کل ایک مجہول‌النسب شخص یہاں آگیا ہے- وہ اپنا نام مرزا جنگلی اور اپنے کو نواب وزیر شجاع‌الدولہ کا بیٹا بتاتا ہے، میرے ساتھہ بے سبب عداوت پیدا کر رکھی ہے- ظاهر یہ کرتا ہے کہ مرزا همایوں بخت حضرت امیر تیمور گورگاں کے خاندان سے

---

* سوانحات ممتاز' نواب عمدۃالامراء اور اُن کے زمانۂ حکومت کی ایک تاریخ ہے' جو مدراس میں اُن کی وفات کے بعد لکھی گئی تھی۔ اُس کتاب کے آخر میں مصنف نے ایک گلدستہ (باب) اُن شاهزادوں کی تشریف آوری کے بیان میں قائم کیا ہے' جو دهلی سے مدراس چلے آئے اور یہیں مقیم هوگئے تھے۔ نواب والاجاہ اول کے زمانے سے لگا کر نواب عظیم جاہ بہادر کے زمانے تک جو جو شاهزادے وارد مدراس هوئے' اُن کی آمد کے مختصر حالات لکھے هیں۔ مناسب معلوم هوتا ہے کہ اس سے یہاں نقل کردئے جائیں۔ مصنف لکھتا ہے:
"سب سے پہلے مرزا همایوں بخت بہادر شاهزادۂ عالی مرتبت سنہ ؟-۱۲ میں مع محلات (اپنے بیوی بچوں کے ساتھہ) نواب والاجاہ جنت آرام گاہ کے زمانے میں نہایت تجمل اور شان و شوکت سے داخل مدراس هوئے۔ نواب ممدوح نے ایک روز کلس محل میں شاهی دربار کی طرح اپنا دربار آراستہ کر کے اُس عالی قدر شاهزادے کو اُس کے منصب اور مرتبے کے مناسب طلب فرما کر ملاقات کی۔ نواب عمدۃالامرا بہادر' امیرالدولہ بہادر' افتخارالدولہ بہادر' مبارز جنگ بہادر' سالار جنگ بہادر وغیرہ دیگر ملازمین خاص کو شاهزادۂ موصوف کی فرودگاہ پر روانہ کیا۔ شاهزادۂ موصوف نواب شہید (نواب انوارالدین' نواب والاجاہ کے باپ بانی حکومت والاجاهی) کے فرزند لطفی یعنے محمد کمال کی حویلی میں فروکش تھے' جسے سرکار نے خرید لیا تھا۔ اور شاهزادۂ موصوف کے آنے سے کچھہ روز پہلے اُن کے

نہیں ہیں، اور اِس بات پر مصر ہے- اِس جھوٹے کی باتوں سے اِس طرف کے بعض رئیس مجھہ سے کچھہ بدگمان ہوگئے ہیں- ضرورت ہے کہ بھائی جان! آپ وھاں کے رئیسوں، قاضیوں اور مفتیوں وغیرہ کی مہروں سے ایک محضر بہت جلد تیار کراکر بھجوادیجے- جس میں تصدیق ہو کہ ہم حضرت امیر تیمور صاحبقراں کے نواسے اور اُن کے سلسلۂ عالیہ میں ہیں- جھوٹے بے ایمان کے وزیر زادہ ہونے کی تردید بھی ہو- تاکہ اِس محضر کو دیکھہ کر اس ملک کے رئیسوں کے دلوں سے یہ بدگمانی دور ہوجائے- اور اس کاذب کی بات غلط ثابت ہو- میں نے اُن کی استدعا کے موافق دو قطعے محضر کے خود نواب شجاع الدولہ کے بیٹوں کی مہروں سے مزین کرائے- نیز یہاں کے قاضیوں، مفتیوں اور دیگر رئیسوں کے دستخط بھی لے لئے- ان میں سے ایک قطعہ تو بھائی صاحب موصوف کے ہرکاروں کے ہاتھہ مندراج روانہ کیا- دوسرا قطعہ اپنے پاس رکھہ لیا تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے- یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ جو محضر ہرکارے کے ہاتھہ بھجوایا تھا وہ راستے میں تلف ہوگیا- دوبارہ پھر وہ جھوٹا یہاں پہنچا تو میں نے دوسرا محضر جو میرے پاس موجود تھا، عمدۃالامراء کے نزدیک بھجوایا- اُنہوں نے اُس کی نقل لے کر اپنی

لئے فرش' شامیانہ' مسند اور قندیلوں سے آراستہ کردیا تھا- وھاں سے دھوم دھام کے ساتھہ اپنے محل پر بلایا- دوسرے دن خود بدولت اُن کی ملاقات بازدید کے لئے گئے اور ملکر نہایت مسرور ہوے- مبارز جنگ اور دیگر حاضرین سے نہایت خوشی کے ساتھہ ارشاد فرمایا کہ: " شکر نعمت ھاے تو چندانکہ نعمت ھاے تو" میں اپنے خالق بے نیاز کی بارگاہ میں ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے اس فقیر حقیر پیر دستگیر حضرت محبوب سبحانی کے غلام اور حضرت ظل ربانی محمد معزالدین علی گوہر شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی خلداللہ ملکہ و دولتہ کے ازلی دولت خواہ اور فدوی محمد علی کے جھونپڑے کو اِس عالی خاندان شاہزادۂ تیموریہ کے مبارک قدموں سے منور و روشن کر کے معزز و مفتخر فرمایا اور اِس بیمقدار ذرے کی ریاست و دولت کے لئے باعث زینت کیا" - نواب صاحب زندگی بھر' جمیع وجوہ سے اُن کے خبرگیراں رہے - نواب والاجاہ کی بڑی صاحبزادی جناب نواب سلطان النسا بیگم صاحبہ مخفی طور پر ہمیشہ اتحاد و محبت کا سلوک رکھتی تھیں اور شاہزادۂ موصوف کی محل عالیہ فیض النساء بیگم صاحبہ کی خبرگیر رہتی تھیں - اپنے بھائی نواب عمدۃالامرا کے عہد ریاست میں یہ سلوک کھلم کھلا ہونے لگا - بیگم صاحبہ موصوفہ کو اپنے محل میں نہایت عزت و شان کے ساتھہ بلا کر ملیں- پہلے جو سلوک یک جہتی اور روابط عنایات مرعی رکھتی تھیں' اُن میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا-

سرکار میں بحفاظت رکھہ لی، اور اصل واپس بھجوادی- وہ مصحف مرزا همایوں بخت نے مجھہ سے منگوا کر اپنے پاس رکھہ لیا تھا، واپس نہیں کیا۔ اب تک اُنھیں کے پاس ھے-

ممالک دکن کی سیر کے ارادے سے میری لکھنؤ سے روانگی اور بنارس پہنچنا

دکن کی سیر، بعض عزیزوں کی ملاقات، نواب نظام الدولہ آصف جاہ بہادر، اور نواب امیرالہند والاجاہ عمدۃالامرا بہادر کو دیکھنے کا ارادہ مدت سے میرے دل میں تھا- آخر اپنے ساز و سامان میں بے حد تخفیف کرنے کے بعد روانہ ہوا اور ماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۱۱ھ کی چوتھی تاریخ کو منگل کے دن، چار پہر دن چڑھے بنارس پہنچا۔ بنارس ایک چھوٹا سا رونق دار شہر ھے، مگر آبادی بے شمار ھے- دریائے گنگا کے کنارے پر واقع ھے- بہت ھی دل چسپ اور مرغوب شہر ھے- وہاں کے سارے باشندے اپنی اپنی حالت میں حد سے زیادہ خوش و خرم ھیں- بائیس روز یہاں قیام رہا، اور رستے کے حالات کی تحقیق کرتا رہا۔ ارادہ تو یہ تھا کہ ریوان مکندپور کے راستے سے دکن کا رخ کروں، مگر خدا کا چاہا ایسا ہوا کہ مرھٹے کے سپہ سالار نائک نواب علی بہادر کے قتل ہوجانے کی وجہ سے اِن اطراف میں غدر پھیل گیا اور تمام راستے بند ہوگئے- اِس لئے ناچار ھم مشرق کی جانب روانہ ہوے-

بلدۂ سہسرانوہ (سہسرام) کا ذکر

بنارس سے مشرق جانب چار منزل کے فاصلے پر، ھم نے ایک شہر دیکھا، جس کا نام سہسرانو اور بہت آباد ھے- اِس شہر میں علاول خاں کا روضہ مشہور ھے- عجیب بات یہ ھے کہ وہاں کی عورتوں سے اگر پوچھا جائے کہ علاول خاں کا روضہ کہاں ھے تو اُس کا نام سنتے ھی پوچھنے والے کو بے دھڑک ماں بہن کی گالیاں دینے لگتی ھیں- یہی نہیں بلکہ یہاں کے مردوں سے پوچھئے تو دل لگی سمجھتے ھیں- اور شرمندگی سے ھنس کر اپنا منہ پھیر لیتے ھیں- روضے کا پتا نہیں بتاتے، نہ کچھہ جواب دیتے ھیں-

عظیم آباد پہنچنے کا بیان

مجبوراً تقدیر الٰہی کے بموجب اور "قیدالماء اشد من قیدالحدید" کے مصداق ہم بنارس سے نکل کر عظیم آباد پٹنہ پہنچے - راجہ شتاب رائے کے فیض باغ میں قیام ہوا- پونے دو مہینے ٹھہرے رہے- یہیں ماہ رمضان میں رکن الدولہ مدبرالملک مہاراجہ اندرپت، کنور دولت سنگھہ بہادر دلیر جنگ کی عرضی ہماری نظر سے گزری- یہ شخص مہاراجہ کلیان سنگھہ بہادر تہور جنگ ابن شتاب رائے صوبۂ عظیم آباد کا بیٹا ہے -

عرضی کی نقل: شوکت اور نامداری کے چمکدار نشان، حشمت اور بختیاری کے سربلند علم، روشنی، سلطنت و کامگاری کے تازہ نونہال عظمت اور شہریاری کے باغ کے تازہ گلبن، شہامت و اجلال کے گلشن کی بہار، باغ سلطنت اقبال کے نوباوہ، خاندان عالیشان کے سپوت، مفاخر و معالی کے دریا کی شاخ، تخت اُبہت کے صدر کو زیب دینے والے، سریر عظمت کو زینت بخشنے والے، عالم رفعت کے محیط، دائرۂ عزت کے مرکز، باغ سروری کے نفع رسان نونہال، شجر ناموری کے تازہ ثمر، بساط کامگاری اور مآثر نامداری کے پھیلانے میں آسمان ہمیشہ موید ہو اور ہمیشہ طالع لامع رہے- حضور کے نشان والا شان نے نیک ساعت اور اچھے وقت میں اپنے ورود کا پرتو ڈالکر ہمیں معزز فرمایا- جہاں تک ممکن ہے یہ ارادت مند حضور کی خدمت بجالانا اپنی سعادت سمجھتا ہے- قبلہ و کعبہ کا ہی انتظام الملک ممتازالدولہ مہاراجہ کلیان سنگھہ بہادر تہور جنگ کلکتے میں تشریف رکھتے ہیں- سرکار فیض آثار مدارالمہام سپہ سالار کمپنی انگریز بہادر دام ظلہ و اقبالہ سے جو ہمارا تعلق ہے وہ حضور پر ظاہر ہے- اور ہم بلند مرتبت صاحبان انگریز کے استمزاج بغیر کوئی کام نہیں کرسکتے- اس وجہ سے دولت حضوری سے قاصر ہیں- چند ماہ سے مزاج بھی کچھہ کسل مند ہے- حضور کے بلند رایات کا سواد لکھنؤ سے اِن حدود میں نہضت فرمانا قرین صلاح ہے- اِس سے پہلے حضور کے بھائی صاحبان خود اپنی آنکھوں سے یہاں کے حالات دیکھہ گئے ہیں- وہ انہوں نے سمع مبارک تک پہنچائے ہوں گے- خدایا دولت و اقبال کا یہ نہال اور جاہ و جلال کا یہ آفتاب ہمیشہ عالم پروری کے پھلوں سے پر بار اور دنیا اور دنیا والوں کے لئے قیام قیامت تک روشنی بخشنے والا رہے-

راجه کلیان سنگهه مذکور کا نائب راجه مجلس راے بهت عمده طور پر هماری خدمت بجالایا- اِس کا منیب اُن دنوں کلکتے میں تها- اسکے علاوه همارے عالی شان خاندان کے دوسرے فدوی بهی بهت کچهه نمایاں خدمتیں بجالائے-

---

کریم قلی خاں مخاطب به ضیاءالدوله فرزند خان بهادر تهور جنگ، ابن نواب منیرالدوله مرحوم کی ضیافت کا بیان- هندووں کی چرخ پوجا کی سیر اور اِس شهر سے جهاز میں سوار هونا

نواب منیرالدوله کے منجهلے بیٹے ضیاءالدوله کریم قلی خاں بهادر بهت عمده سلوک سے پیش آئے- کئی بار همارے پاس آئے اور هم کو بهی اپنے مکان پر لے جاکر تمام مراتب کے ساتهه پرتکلف ضیافت کی- بهجد هو کر رمضان المبارک کے مهینے میں همیں آگے نه بڑهنے دیا- میں نے دیکها که عظیم آباد ایک بهت بڑا اور رونق‌دار شهر هے، بربادی کی حالت میں بهی، زبان حال سے دلی کی رونق کا پته دے رها هے- اس کی سیر سے مسافر کا دل خوش هوتا هے- یهیں هم نے خداے بے همتا کی مهربانیوں سے رمضان مبارک کے مهینے کے روزے پورے کئے- بارهویں شوال سنه صدر کو هندووں کا کوئی بڑا تیوهار تها- اِن کے یهاں یه ایک مذهبی رسم هے که اِس روز دو نیزوں کے برابر بلند ستون کے مانند کئی بانسوں کو باندهکر کهڑا کرتے هیں- اور اسکے سروں پر موٹی لمبی رسیاں بانده دیتے هیں- اوپر کے سرے پر بڑے موٹے موٹے لوهے کے کانٹے لگاتے هیں- اس کانٹے کو کوئی ایک برهمن اپنی پیٹهه کی کهال میں گهسا لیتا هے- اس طرح که وه کانٹا کهال میں سے دوسری جانب باهر نکالکر مضبوط بانده دیا جاتا هے- اسکے بعد اسے کل کے زور سے لوگ گماتے هیں- وه برهمن هوا میں معلّق چکر لگاتا رهتا هے، اور اپنی گود میں کچهه ترکاریاں یا پهل رکهه لیتا هے جو اوپر سے اپنی قوم کے تماشائیوں میں ڈالتا رهتا هے- هر ایک اپنے هاتهه یا گود میں جهیلنے کی کوشش کرتا هے، اور تبرک سمجهتا هے- یه کانٹے میں معلق چکر لگانے والا هوا کے جهکڑ سے کبهی کبهی خوف‌زده هوجاتا اور اسکا براز نکل جاتا هے تو تماشائیوں کے چهرے اور لباس پر پڑتا هے- چند لمحوں کے بعد اُسے اُتار لیتے هیں، اور اسکی جگهه کسی دوسرے برهمن کو چڑهاتے هیں- اِس میلے میں تقریباً ساری بستی کے مرد اور عورتیں

جاتے ہیں اور اِس کو چرخ پوجا کہتے ہیں- اپنی سواری کے اثنا میں اِس کو دیکھنے کے بعد ہم جہاز پر سوار ہوگئے- سواری کے گھوڑے اور چوپائے وغیرہ خشکی کے راستے سے روانہ کردئے- عظیم آباد میں ہمارے چند بار بردار جانور ضائع ہوگئے، اس وجہ سے سامان میں اور کمی کیگئی- سواری کے کہار وغیرہ جہاز پر سوار ہونے کے خوف سے سب کے سب بھاگ گئے، صرف گھوڑے کی سواری رہ گئی-

---

مرشد آباد میں ہمارا داخلہ

دریاے گنگا کے راستے سے جو دریائے شیرین سے نکل کر بنگالے میں بہتا ہے، تھئیس روز بعد ہم اس دریا کے ہولناک طوفان دیکھتے ہوے ماہ ذی قعدہ سنہ صدر کی چوتھی تاریخ کو مقصود آباد کے علاقے میں پہنچ گئے، جس کا دوسرا نام مرشد آباد ہے-

---

ایک مجہول نسب چھوٹے کا ذکر، جسنے عظیم آباد اور مرشد آباد میں اپنے کو شاہزادہ مشہور کر رکھا تھا، اور یہاں کے رئیسوں کو دھوکا دے رھا تھا

جس روز ہم اس شہر میں پہنچے، شام کا وقت تھا، یہاں ایک عجیب تماشا نظر آیا- ایک مجہول النسب شخص محض ان پڑہ، جو شین کی جگہ ہمیشہ سین بولتا تھا- ”بد نام کنندۂ نکو نامے چند“ اپنے آپ کو میرے نام سے دنیا کے آگے پیش کر رھا تھا- اُسی وقت مینے اُسے پکڑواکر اپنے حضور میں بلوایا، دیکھا اور معقول سزادی- بارہ روز تک اُسے اپنی فرودگاہ میں قید رکھا- آخر جب اُس نے نہایت منت سماجت سے معافی چاھی، تب اُس کا قصور معاف کیا، مچلکا لیکر چھوڑ دیاہ اور شہر بدر کرادیا- بزرگوں کا مقولہ ہے:

”در عفو لذّتے است کہ در انتقام نیست“

بنگال کا ذکر، اس کی سیر اور وھاں کے رئیسوں کے حالات

ایالت و امارت مرتبت، حشمت و شوکت منزلت، نواب عضدالدولہ ناصرالملک سید ببر علی خاں بہادر دلیر جنگ کی مجمع الصفات ذات کے ساتھہ اِس شہر کی حکومت اور سرداری وابستہ ہے- ارسال پیش کش اور اظہار ارادت و اخلاص، غرضکہ ہر طرحسے موصوف نے نہایت ہی شائستہ طریقے، اور

عمدہ طور سے خدمت گذاری کے تمام مدارج ادا کئے- اور اُن کے ساتھ ریاست و اقبال کے آسمان کے سورج، اجلال و امارت کے فلک کے چاند، شمس الدولہ امیر الملک سید احمد علی خاں بہادر ذوالفقار جنگ، نواب جسارت جنگ کے نواسے بھی حسن خلق سے پیش آئے جو آسمان اقبال و ریاست کے آفتاب اور فلک اجلال و امارت کے ماھتاب ھیں- نواب مبارک الدولہ مغفور و مبرور کے داماد ھیں- اِن کے بڑے بھائی نواب نصرت جنگ، آجکل جہانگیر آباد ڈھاکہ کے فرماں روا اور وھاں کے تمام اوامر و نواھی کے مختار ھیں- میں نے دو سال پہلے سید صفوی رضا علی خاں مرحوم کی زبانی اِس جوھر نفیس کے دبدبے اور جوانمردی کا حال سنا تھا- اور ایک مکتوب شوق بھیجا تھا، جو غائبانہ اشتیاق اور بیان آرزو پر مشتمل تھا- جس وقت راقم یہاں پہنچا، تو جناب موصوف نے اپنی انتہائی تمنا و شیفتگی کا اظہار کیا- اور نہایت عقیدت مندانہ پیام ایک قابل عنایت و احسان شخص کی زبانی بھیجا جن کا تخلص تپش ھے- مرزا جان کے نام سے مشہور ھیں- نہایت متین مغل زا جوان اور بخاری الاصل ھیں- خواجہ میر درد قدس اللہ سرہ کے شاگردوں اور دھلی کے مشاھیر شعرا میں سے ھیں- انھوں نے اُمراء میں رھکر آداب و مراتب مجلس کا فن حاصل کیا ھے- بہت شائستہ انسان ھیں- خاص کر ھمارے تیموری خاندان قدسی نشان سے آبائی نسبت بندگی اور توسل رکھتے ھیں- آجکل کچھہ عرصے سے یہ ھر دل عزیز مرزا جان نواب ڈھاکہ کے رفیقوں میں شامل ھیں- مرزا تپش کے اِس زبانی پیام نے راقم کے اشتیاق کو اور بھی بھڑکا دیا- لیکن اِس وقت بعض وجوہ کی بنا پر، جن کا بیان اِس مقام پر بے ضرورت ھے- نواب مذکور عازم جہانگیر نگر تھے، ملاقات کی آرزو پوری نہ ھوسکی- لیکن امارت و ایالت مرتبت، ناصر الملک بہادر کو پوری طور پر نہایت شائستہ طریق سے اِس راقم کے ساتھہ ارادت مندی کی ترغیب اور اخلاص کی تعلیم دے کر اور خوب سمجھا بجھا کر تشریف لے گئے- اُن کی روانگی کے بعد موصوف تمام مراتب کے ساتھہ میری خدمت بجالائے- حافظ حقیقی اِس یار غمگسار و صداقت شعار کو جہاں کہیں بھی ھو رفعت و شوکت کے ساتھہ رکھے- آمین-

---

اس وقت جبکہ یہ حالات لکھہ رھا ھوں، ماہ محرم الحرام سنہ ۱۲۱۲ھ کی پچیسویں تاریخ، اور جمعہ کا دن ھے- غلام حسین خاں عرض بیگی کے

رنگ محل میں، دریا کے کنارے محلہ کلھڑیا میں مقیم اور ممالک دکن کی سمہر کے ارادے سے پا بہ رکاب ہوں- دیکھنا ہے کہ پردہ گاہ باطن سے کیا ظہور میں لاتا ہے- بنگالے کی آب و ہوا اشتہا کو بہت توڑنے والی، مرطوب اور بیماری لانے والی ہے- موسم گرما میں گرمی بھی شدت سے نہیں پڑتی- اکثر اوقات بے موسم بارش ہوجاتی ہے- اِس آب و ہوا نے مجھے بہت نقصان پہنچایا- خصوصاً پیٹ میں ریاح پیدا ہونے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئیں- ہمیشہ درپئے علاج رہنا پڑا- خاص کر سونف اور سیاہ مرچ کا استعمال ہمیشہ جاری رکھا- یہاں غلہ اور پھلوں کی زیادہ ارزانی ہے مگر انگور نایاب اور خربزے بے مزہ ہیں- البتہ آم مختلف قسم کے بہت بڑے بڑے اور خوب سستے میسر آتے ہیں- خصوصاً ''کھرساپات'' نامی ایک قسم کا آم بہت خوب ہے- نواب ناصرالملک نے بھیجا تھا، ہم نے کھایا- واقعی نہایت لذیذ، خوشبودار اور بالکل بے ریشہ تھا- اور ایک قسم کا کیلا یعنی موز ہوتا ہے، جسے ''امرت بان'' کہتے ہیں- یہ بھی مزے میں بے نظیر ہے- کہتے ہیں کہ یہاں کا کولہ، سنترہ بھی بے بدل ہوتا ہے- عورتیں نہایت بے باک، شوخ طبع، چالاک ہیں- اپنے شوہروں پر غالب اور زیادہ تر شہوت پرستی کی طالب ہیں-

---

مرشد آباد سے بردوان کی جانب ہمارا کوچ اور اس شہر کا کچھہ بیان

ماہ صفرالمظفر سنہ صدر کی پچیسویں تاریخ کو سنیچر کے دن، مبارک ساعت میں، جو نجومیوں نے پسند کی تھی، طلوع آفتاب سے پانچ گھڑی بعد ہم نے بردوان کی جانب کوچ کیا- موضع کٹوانا کی منزل کے بعد اٹھارہ کوس تک پانی کی وجہ سے نہایت درجہ تکلیف اُٹھانا پڑی- جگھہ جگھہ کمر کمر تک زمین پر پانی کھڑا تھا- بڑی زحمت کے ساتھہ، بیحد اسباب تلف ہوجانے کے بعد ساتویں روز ماہ ربیع الاول سنہ صدر کی دوسری تاریخ کو ہم بردوان میں داخل ہوے- بخشی الممالک، صمصام الدولہ محمد اشرف خاں، نواب خان دوراں خاں بہادر منصور جنگ، شہید مرحوم کے بھائی خواجہ انور شہید کے مقبرے میں اُترے- نواب ناصرالدولہ محمد اشرف خاں بہادر جو نواب محمد اشرف خان خاندوراں خاں بہادر مرحوم ولد نواب صمصام الدولہ مغفور کے بھتیجے ہیں- ہر روز نہایت شایستہ خدمتوں اور عمدہ ضیافتوں سے پیش

آتے رہے- نواب موصوف کو درویشانہ اخلاق اور امیرانہ آداب سے متصف پایا- زمانے کی ناموافقت کے باوجود امیری کے تھاٹھہ نہیں چھوڑے ہیں- عجیب متوکل انسان، درویش صفت، امیر منش، سخاوت پیشہ، نیک خیال بزرگ ہیں- اِن کے اوصاف سے ہم بہت مسرور ہوے- خدا اِن کا انجام بخیر کرے، اور اِنہیں دلی مراد کو پہنچائے- نواب موصوف کے ماموؤں میں نواب رستم علی خاں نواب بہادر، نواب محمد حسن خاں، نواب مرزا بہادر، خواجہ الہی بخش خاں بہادر، اور اُن کے فرزند ارشد محمد حسین خاں بہادر، خواجہ محمد بخش خاں بہادر، خواجہ علی اکبر خاں بہادر، نواب میرزا کے فرزند وغیرہ، غرض ہر ایک تہذیب و اخلاق کے نمونہ اور جرأت شجاعت، ہمت کے اوصاف سے متصف ہیں- بردوان کی آب و ہوا بھی بہ نسبت تمام بنگالے کے بہت معتدل ہے، ہمارے مزاج کو موافق آئی- یہ شہر میری نظر میں نہایت ہرا بھرا، بہت سستا، اور زراعت سے مالامال ہے- اناج، میوے، ناریل اور چھالیا کے درخت بکثرت اور پھل بہت ارزاں ہیں- اِس مقبرے کی تعمیر اور اس کے تالاب کی وضع قطع سارے بردوان میں بے نظیر ہے- گچ اور پتھر سے نہایت مضبوط بنایا گیا ہے- شہر میں شاہ جہاں آباد دلی کے لوگ بہت کم ہیں- مرد اور عورتیں اکثر بد صورت، گندہ دھن اور بد بودار ہیں- مگر دانت بہت خوب صورت اور بال بڑے لمبے لمبے ہوتے ہیں- لوگوں کا بیان ہے کہ یزید بن معاویہ رض ولد ابو سفیان رض کی اولاد کے لوگ اِس شہر میں موجود ہیں، اور وہ اس پر فخر کرتے ہیں- اپنی لڑکیاں اپنے ہم قوم کے سوا کسی اور کو نہیں دیتے- اِس سے زیادہ یہاں کے حالات یاد نہیں رہے- ”وھو الھادی الی سبیل الرشاد،، اب آگے کوچ کرنے کے ارادے سے ہم پابرکاب بیٹھے ہیں- دیکھنا ہے کہ قسمت کہاں لے جاتی ہے- بقول شاعر:

برات رزق بھرجا کہ کردہ اند رقم
ضرورت است نہادن دراں دیار قدم

پنڈوا نامی قصبہ اور ہوگلی بندر کا بیان، نیز حاجی محسن سلّمہ اللہ تعالےٰ کے اخلاق کا ذکر

اسی مہینے کی پچیسویں تاریخ کو بردوان سے کوچ کیا۔ تیسرے روز پنڈوا نامی قصبے میں پہنچے۔ یہاں کا کاغذ عمدگی میں مشہور، اور کشمیری کاغذ کے برابر ہے۔ ہم سید عطاءالرحمن کے مکان میں اُترے، جو روضۂ شاہ صفی شہید کے متولی ہیں۔ وہ مہمانی کی رسم بجالائے۔ دو دن کے بعد اسی مہینے کی انتیسویں تاریخ کو ہم ہوگلی بندر پہنچے، اور حاجی محسن* کے گھر میں اُترے۔ میں نے دیکھا کہ وہ درویشانہ لباس میں ایک مرد کامل ہیں اور ہر فن مولا، بلبل ہزار داستان، بڑے کاریگر، ہشیار، صاحب حکمت و فطرت، بڑے مروّت، اخلاق اور جوہر مودّت رکھنے والے، یوں کہنا چاہئے کہ سارے ہندوستان میں اپنے وقت کے ارسطو ہیں۔ قلم تراش کی تین حرکتوں میں قلم بنا دیتے ہیں۔ شاہ مسکین کے شاگرد رشید ہیں۔

---

* حاجی محسن ملک کی اُن مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں' جن کا نام مدت تک زبان زد خاص و عام رہے گا۔ حاجی صاحب ایرانی الاصل اور اِن کے چچا بنگال کے مشہور تاجر تھے۔ لیکن خدانے اولاد نہ دی تھی۔ حاجی صاحب اپنے چچا کی زندگی میں اکثر حصہ سیر و سیاحت میں بسر کرتے رہے۔ چچا نے انتقال کے وقت اپنی بے حساب دولت حاجی صاحب کے حوالے کردی۔ حاجی صاحب نے خود بھی تجارت سے سرمایے کو بہت فروغ دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ حاجی محسن بھی نعمت اولاد سے محروم رہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ یہ محرومی اِن کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوی۔ اُنھوں نے اپنی دولت کا ایسا عمدہ مصرف ڈھونڈھ نکالا کہ ان کا نام صدیوں تک زندہ رہے گا بنگال میں حاجی صاحب نے کئی مدرسے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ہوگلی میں ایک ایسا امام باڑہ بنایا جو عمارت کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر ہے۔ اور اُسکے لئے کئی گاؤں وقف کردئے۔ حاجی صاحب کا سب سے عجیب و غریب کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے سرمایے سے ایک کروڑ روپیہ نقد' پانچ فی صدی کی شرح پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کردیا۔ اور یہ شرایط مقرر کئے کہ اِس کے منافع کی آمدنی مسلمانان بنگال پر خرچ کی جائے۔ اور مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو رواج دینے کے لئے وظائف دئے جائیں۔ چنانچہ آج بھی تقریباً سواسو سال کے بعد مدرسۂ عالیہ کلکتہ جیسے مدارس اسی محسن فنڈ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ بنگال کے بعض مایۂ ناز سپوت جسٹس امیر علی مرحوم اور سر عبدالرحیم بالقابہ وغیرہ بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں اسی فنڈ کے مرھون منت رہے ہیں۔ حاجی صاحب کے اِس کارنامے کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ (رسالۂ سفینۂ مدراس)

اِن کے ھاتھہ کا لکھا ھوا قرآن شریف ایک ھزار روپے کو ھدیہ ھوتا ھے۔ اور اِن کی بنائی ھوی لیس ایک اشرفی میں بکتی ھے۔ توڑےدار بندوق تو کچھہ اِس طرح ڈھالتے ھیں کہ بارود اور آگ کے بغیر اِس کی گولی کواڑ کو توڑ ڈالتی ھے۔ یہ بزرگ ھر روز دن میں تین دفعہ ضیافت کا کھانا بھجواتے تھے۔ قسم قسم کے کھانے رنگوں اور مزوں میں مختلف، خود اِنہیں نے ایجاد کئے ھیں۔ خصوصاً چند ایسے بےنظیر کھانوں اور سالنوں کے موجد ھیں، جو لذت میں واقعی بےنظیر ھیں۔ اسم بامسمّٰی یعنے سارے زمانے کے محسن ھیں۔ اور سچ تو یہ ھے کہ فقیروں کے لباس میں بادشاہ وقت ھیں۔ اِن کی صحبت سے دین و دنیا دونوں جہاں کے فائدے حاصل ھوے۔ اللہ تعالیٰ اِن کو سلامت رکھے۔ بڑی بڑی تعمیروں کے مالک ھیں۔ اِن کا امام باڑہ بالکل نئی طرز کا اور بیحد دل پسند ھے۔ صاحب موصوف نے تنسوقات* کے نام سے جو سنت نبوی ھے، کئی سو روپیہ نقد، بہت سے چاندی کے برتن، اور چند تھان پوشاک کے، پنڈوا کے نہایت عمدہ کاغذ کے چند دستے، بہت سے واسطی قلم وغیرہ ھمارے حضور میں بھجوائے۔ سارے بندر ھوگلی میں انسانی اخلاق کے لحاظ سے ھم نے صرف اِنہیں کو کامل پایا اور بس۔ اگرچہ یہاں مسلمان بہ کثرت ھیں۔

میرے اشعار دیکھکر بہت پسند کئے۔ اور نہایت دردمندانہ طریق سے ذیل کی رباعی پڑھی جو قیس مجنوں کی تصنیف ھے:

الجسم بدار حبکم مطروح - والقلب لسیف ھجرکم مذبوح
العین بشدۃ البکاء مجروح - یا قوم! علی الغریب نوحوا نوحوا

رباعی پڑھتے ھی حاجی صاحب کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ میں نے پوچھا کہ حاجی صاحب! کیا آنجناب کو بھی عالم شباب میں کبھی کسی کی محبت میں گرفتار ھونا پڑا ھے؟ ھنس کر فرمایا: بندے کی ساری جوانی تحصیل علوم و فنون کے اشغال میں اسطرح گزری کہ کھانا کھانے اور پانی پینے تک کی مہلت نہ ملتی تھی۔ عشق تو فراغت اور بیکاری چاھتا ھے۔ چنانچہ کسی

---

* بفتح اول و ضم سین مہملہ۔ عجائبات و اشیاء نادرہ۔ جمع تنسوق (لفظ ترکی) بمعنے نادر (برھان)۔
۲. معرب تنسُخ ایک نفیس کپڑا۔ تن زیب، مجازاً تحفہ چیز، نفیس چیز۔ (رشیدی)
۳. جمع تنسوق جو مفرد اور معرب ھے تنسُخ کا۔ اور مفرس تن سکھ کا۔ ایک نفیس کپڑا، ساختۂ بنگالہ۔ مجازاً نفیس و تحفہ چیز۔ غیاث‌اللغات بحوالۂ سراج‌اللغات۔

کا قول ہے: "العشق لا یعرض الا المفراغ"۔ اس موقعے پر ذیل کا سانحہ دل میں گزرا، حوالۂ قلم ہے:

سانحہ: اظفری! جو لوگ آداب داں ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی مہمان کسی کے گھر میں اُترتا ہے تو اُسے چاہئے کہ میزبان سے کوئی فرمائش نہ کرے۔ صاحب خانہ جو کچھ سامنے لاکر دسترخوان پر رکھہ دے، اُسی پر نظر رکھے۔ اسی لئے تارکان دنیا جب گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں تو اپنے کو مہمان اور خدا کو میزبان سمجھتے ہیں۔ بغیر طلب کے جو کچھہ وہ پہنچاتا ہے، اُسی کو اپنا حصہ جانتے ہیں۔ جستجو اور سوال کو حرام تصور کرتے ہیں۔

قطعہ:

اظفری ہاں بہ میزباں ہرگز - نہ کشائی لب ارادت خویش
قسمت خویشتن ہموں پندار - بے طلب ہرچہ آورندت پیش

پانچ چھہ روز تک زکام اور سخت بخار کی وجہ سے میری طبیعت بہت زیادہ ناساز رہی۔ محض موصوف کی تدبیر سے شافی حقیقی نے شفا عنایت فرمائی۔ اِس جگہ تین مقام ہوے۔ آخر ربیع الثانی سنہ صدر کی آٹھویں تاریخ کو ہفتے کے دن ہم کلکتے روانہ ہوگئے۔

قصبۂ چیچڑا اور نواب آصف الدولہ بہادر کی خبر موت کا بیان

ہوگلی بندر سے آدھے کوس کے فاصلے پر چیچڑا نامی ایک گانوں ہے۔ اس میں بہت سی اعلے درجے کی پختہ، رنگین اور خوش نما عمارتیں بنی ہوی ہیں۔ ہم نے طبیعت کے کسل کی وجہ سے عمدۃ التجار حاجی کربلائی کے گھر میں اُتر کر تین روز مقام کیا۔ صاحب موصوف پر تکلف پکی ہوی مہمانی بھیجتے رہے، اور خود حضور میں حاضر ہوکر رسم نذرانہ ادا کی۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۲ھ کی آٹھویں تاریخ کو وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر والی لکھنؤ نے استسقا کی بیماری میں طبعی موت سے انتقال کیا۔ اِس خبر سے دل کو بہت ملال ہوا۔ عجیب لاأبالی طبیعت کے رئیس تھے۔ ایک لحظہ بھی کھیل کود کے اشغال سے جدا نہ ہوتے تھے۔ امور مملکت اور اپنے پرایوں سے کچھہ واسطہ ہی نہ تھا۔ مدح اور مذمت دونوں کے لحاظ سے عقل مند لوگ اِنہیں لائے نفی کی حیثیت دیتے ہیں۔ افسوس کہ وہ بھی نہ رہے۔

شہر کلکتہ اور اسکے حالات

اسی سال ربیع الثانی کی چودہ تاریخ کو ہم کلکتے میں داخل ہوے- دیکھا کہ آبادی کے لحاظ سے بہت بڑا اور عجب غدار شہر ہے، عمارتیں بے شمار ہیں- آبادی انتہا درجے کو پہنچی ہوی ہے- صاحبان عالی شان انگریز بہادر کی عمارتیں مرقع کے مانند نظر آتی ہیں- دیکھنے سے دل کی مسرت بڑھتی ہے- سبحان اللہ! ''توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء، رب اغفرلنا ذنوبنا واعطنا رجاءنا انت التواب، انت الوهاب الیک المرجع والیک المآب''* راستوں میں پانی کی طغیانی کی وجہ سے بائیس مقام کرنا پڑے- اِس شہر میں سردی بہت کم ہوتی ہے- موسم باراں کے وسط سے موسم سرما کے آخر تک ہوا معتدل رہتی ہے- یہ ہوا گرمیوں میں غریبوں کو بہت جسمانی نقصان پہنچاتی ہے- یہاں جو ہمارے خانہ زاد هندوستانی آباد تھے، اُنھوں نے نذرانوں کی رسم ادا کی- جمادی الاولی سنہ صدر کی ساتویں کو اتوار کے دن ہم نے کٹک کی طرف کوچ فرمایا- اور مسبب حقیقی پر نظر رکھی- ''ان اللہ علے کل شیء قدیر، وبالاجابۃ جدیر''-

---

قصبۂ میدنی پور اور اُسکے راستوں کا ذکر، بلدۂ کٹک میں ہمارا ورود

راستے میں ہر پرگنے اور ہر قریے کے تحصیلداروں اور تھانہ داروں کی جانب سے مہمانی اور نذرانوں کی جملہ رسمیں عمل میں آتی رہیں- ہر منزل پر ڈاک اور رہبر کو ساتھ کرتے رہے- اثنائے راہ میں ایک چھوٹا سا خوب صورت شہر میدنی پور دیکھنے میں آیا- یہاں کا دودھ مزے میں بے نظیر ہے- اور یہیں سے صوبۂ اُڑیسا کی عملداری شروع ہوتی ہے- بنگالے کا علاقہ ختم ہوا- ہم نے دماغ کی تازگی اور دل کی تفریح کے لئے ایک رات بنگالے کی طوائفوں کا گانا سنا، اور ناچ دیکھا، اچھا گاتی ہیں- جس روز جلوبیوں کی عملداری میں بمقام برکھونتہ داخل ہوے، غلطی سے وہاں کے چوکیداروں نے ہمیں

---

* ترجمہ: پاک ہے اللہ! تو جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے- اے رب ہمارے گناہوں کو بخشدے اور ہماری امیدیں پوری کر تو توبہ قبول کرنے والا ہے- تو بڑا دینے والا ہے- تیری ہی طرف (سبکو) رجوع ہونا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے -

سوداگر خیال کیا اور محصول کے لئے سد راہ ہوے۔ ہم نے بہت کچھ سمجھایا اور پوری طور پر سرزنش کی، تب واقف ہوے اور عذرخواہ ہو کر ہمیں چھوڑ دیا۔ خیریت گزری، ورنہ قصہ بہت بڑھ گیا تھا۔ ہتھیاروں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ اِس واردات کے سلسلے میں ایک اور سانحہ لکھنے میں آیا۔

سانحہ: اظفری! جن لوگوں کی طبیعت میں قدرتی بہادری ودیعت کی گئی ہے، وہ حصول اور امتحان کے محتاج نہیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ مچھلی کے بچوں کو تیرنا کس نے سکھایا۔ پتنگا کس کے زور پر بے باکانہ جل مرتا ہے۔ کوئی اگر یہ کہے کہ جو لوگ سپہ‌گری کے فنون سے واقف نہیں، وہ مقابلہ کیونکر کرسکتے ہیں؟ یہ بات ہم مانتے ہیں، تاہم دو حال سے خالی نہیں، یا تو دشمن کے ہاتھ سے مارے جائینگے۔ یہ بھی عین شجاعت ہے، یا قصداً اپنے آپکو نذر اجل کردیں گے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اُس ازلی عقل بخشنے والے نے جس روز ہمیں عقل کا ذائقہ چکھایا۔ اُسی روز سے ہمارے ہوش کے کانوں میں یہ صدا پہنچاتا رہا ہے کہ قتل و قتال بہادروں کا شیوہ ہے۔ اور بزدلی مردوں کے لئے انتہائی نقصان و ذلت۔ اسی پر نظر کرتے ہوے جب ہمیں سلاطینی قید میں جانبازی کے چند ہنگامے پیش آئے تو ہم نے جرأت سے کام لیا۔ کسی آفت و مصیبت سے جان نہ چرائی۔ پھر قلعے سے نکلنے کے بعد بھی کئی ہولناک خطروں کا سامنا ہوا۔ مگر ہم میدان جرأت میں آگے ہی بڑھتے رہے۔ گوشۂ عافیت میں پناہ نہ لی۔ سمجھ لیا کہ مارنا اور مارا جانا ہمارے لئے شایاں اور موت سے ڈرنا سخت بیجا ہے۔ قطعہ:

اظفری عادت رجال این است - کشتن و خویش کشتہ گردیدن
آنکہ در کنج عافیت بخزید - ہم چو نسواں توانش فہمیدن

یہ گھاٹ بہت سخت اور راستہ بہت تنگ تھا۔ صرف ایک آدمی چل سکتا تھا۔ دونوں طرف بے شمار کانٹوں‌دار جنگل واقع ہیں۔ چلنے والے کے ہاتھ اور منہ کو کھرونچے لگتے ہیں۔ اِس راستے میں پانی اور کیچڑ کی کثرت سے بھی بہت مصائب جھیلنا پڑے، لیکن اس حافظ حقیقی کی حمایت سے پورے ایک مہینے میں، جمادی‌الثانی سنہ صدر کی ساتویں تاریخ کو پیر کے دن ہم شہر کٹک میں پہنچ گئے۔ قدم شریف کی درگاہ میں اُترے، زیارت کی سعادت حاصل کی۔ کٹک کے قریب حاجی‌پور ایک قصبہ ہے، وہاں ہمارا ایک عمدہ کمیت گھوڑا تلف ہوگیا۔

بلدۂ کٹک کا ذکر

یہاں آج کل عاملوں کا عزل و نصب جاری ہے۔ ہر ایک بجائے خود پریشان و متفکر ہے۔ معزول صوبہ‌دار کے دیوان کے بیٹے دمودر رائے نے نذر اور خام ضیافت کی رسم پر تکلف طریقے پر ادا کی۔ زر نقد اور پروانۂ راہداری حسب معمول تیار کراکے اور ناگپور کے مہاراجہ کی مہر لگا کر ہمارے حضور میں بھجوا دیا۔ اس راجہ کا منشی کیول رام کئی طرح کے خط لکھتا ہے۔ اِس کے بزرگ ہمارے خانہ‌زادوں میں تھے، یہ ہماری خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے لکھے ہوئے قطعات اور وصلیاں ملاحظہ میں پیش کیں، بیحد پسند آئیں۔ اُسے سحر رقم اور رائے کے خطاب سے ممتاز فرمایا۔ دوسرے فدویوں نے بھی حاضر ہوکر شرف ملاقات حاصل کیا۔ اِن میں شیخ کمال محمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ اپنے فرزند فتح محمد کے ساتھہ شرف ملازمت کے لئے حاضر ہوئے۔ یہ والی ناگپور کی طرف سے چلکا ندی کے گھاٹ، قصبۂ مانک پٹن اور مالود کے مالک ہیں۔ نقد نذرانہ اور ضیافت کا سامان پیش کیا۔ بہت نیک اور بھروسے کے قابل آدمی معلوم ہوئے۔ میں نے اِنہیں خانی اور بہادری کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

شہر کی ہوا اور پانی بہت عمدہ ہے۔ اعتدال کے ساتھہ بھوک لگتی ہے۔ آبادی مائل بہ ویرانی ہے۔ یہاں کوئی عمدہ چیز میسر نہیں آتی نہ لطیف غذا ہے، نہ اچھی پوشاک، میوہ کمیاب ہے۔ آم کے سوا کچھہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ساری چیزیں خراب ملتی ہیں، اُن میں دھول اور کنکر ملے ہوتے ہیں۔ اِس شہر میں یہ تمام خرابیاں مرہٹوں کی بد عملی اور بدنظمی کی وجہ سے ہیں۔ سمجھہ میں نہیں آتا کہ اِن دکھنیوں کی مملکت میں آبادی کیونکر باقی رہے گی۔ ہم نے تو اپنی زندگی میں یہی دیکھا کہ جب ہمارے ملک پر دکھنیوں کا عمل ہوا تو کوئی ایسی خرابی نہ تھی جو ملک میں نہ آئی ہو۔ غرض ہندوستان کی یہ ساری تباہی دکھنیوں کے آنے کا نتیجہ ہے۔ "اللهم احفظنا من نحوسة مقدمهم"، تاهم اناج، چاول، ماش، کلتھی، گھوڑوں وغیرہ کے کھانے کا دانہ بہت ارزاں ہے۔ مونگ اور گیہوں بہت کم ہیں۔ یہاں مچھر اسقدر کثرت سے ہیں کہ لوگوں پر آرام اور نیند حرام کردی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ برسات اور گرمی کے موسم میں اِن مچھروں کی نیش‌زنی سے شہروالوں

کو رات بھر ذرا بھی نیند نہیں آتی- دن میں ذرا سونے کا موقعہ مل جاتا ھے- اس شہر میں سردی کا موسم بھی بہت کم رھتا ھے- لوگونکی زبان بھی سمجھہ میں بہت کم آتی ھے- ع

"نیستند آدم، خلاف آدم اند"

ھمارے بار برداری کے جانوروں کی پیٹھیں زخمی ھوگئی تھیں، اس لئے اٹھارہ روز تک قیام کرنا پڑا- شہر سے کئی سو کوس تک کیوڑے کے جنگل ھی جنگل ھیں- خاصکر شہر مالود سے لیکر گنجام تک بڑی افراط سے نظر آئے- کیوڑوں کے پتوں ھی سے گھاس پھوس کے چھپروں کی طرح مکانات بنائے جاتے ھیں- انھیں کے تنوں اور شاخوں سے ستون بناتے اور ایندھن کا کام بھی لیتے ھیں- کال کے زمانے میں لوگ اِس کا پھل بھی کھاجاتے ھیں- بہتوں کا کام تمام کردیتا ھے- پکنے کے وقت یہ پھل بہت سرخ اور خوش نما ھوتا ھے، انناس سے بہتر دکھائی دیتا ھے، اور اِس کے پھول کو تو کوئی پوچھتا ھی نہیں- نہ تو اسکا عرق نکالتے اور نہ سونگھنے کے کام میں لاتے- ویجانگر تک ھم نے کیوڑے کے درخت بہت دیکھے، اُس کے بعد سے کم نظر آنے لگے- عظیم آباد سے لیکر اب تک چھپکلیوں کی آواز ذرا بھی کہیں سننے میں نہیں آئی تھی- مگر مرشد آباد سے لیکر پداپور تک اِسکی آواز چالیس قدم دور سے سنائی دیتی ھے- اب مچھلی بندر میں بھی سنائی دی- عظیم آباد سے بلدۂ کٹک تک ھر منزل پر ھر پیشے کے چند ملازم برابر بھاگتے رھے- پیشگی تنخواھیں دیدی گئی تھیں، پھر بھی فرار ھوجاتے، بلکہ کچھہ نہ کچھہ چراکر بھی لے بھاگتے تھے- یہاں پہنچکر اُن چند لوگوں کے سوا جو پشتوں سے ھمارے خانہ زاد تھے، پرانے ملازموں میں سے کوئی بھی ھمراہ نہ رھا-

"جزاھم اللہ خیرالجزا"

پوری جگناتھہ کا بیان

اس کے بعد باربرداری کی تیاری کر کے اِسی مہینے کی پچیسویں کو ھم ھندوؤں کی مشہور عبادت گاہ پوری جگناتھہ کی طرف روانہ ھوے- جگناتھہ کے قریب احمدپور نامی مقام میں ایک خاصے کے بڑے سبزہ گھوڑے کو چوٹ لگی، آخر اُسے وھیں چھوڑنا پڑا- کیونکہ اِس کا پہلو بالکل بیکار ھوگیا تھا- پھر اسی مہینے کی اُنیسویں تاریخ کو ھم جگناتھہ کے گھاٹ کی چوکی 'اٹھارہ نالہ' پر پہنچے،

جہاں ہندوؤں کا ٹھاکردوارہ اور بڑی زیارت گاہ ہے- یہاں ہم نے عجیب تماشا دیکھا کہ ہزارہا ہندو طول طویل مسافت طے کرکے، اپنے خان و ماں سے تباہ و برباد ہوکر فقیرانہ حالت و صورت میں ننگے، بھوکے جگناتھ کی زیارت کو آتے ہیں- جب اُس کی چوکی پر پہنچتے ہیں تو دربان بےدھڑک بید وغیرہ سے مار مار کر اُنہیں بالکل مجروح کرڈالتے ہیں- جو کچھہ لباس اور زاد راہ اُن کے پاس ہوتا ہے، سب چھین لیتے ہیں- یہاں تک کہ سر پر پگڑی، پانوں میں جوتیاں اور کمر میں ایک دن کا خرچ تک نہیں چھوڑتے- بلکہ اس سے بھی زیادہ مانگتے ہیں- جو نہیں دیتے، اُنہیں جیل خانے میں ڈالدیتے ہیں، جو اُسی چوکی میں ایک طرف بنا ہوا ہے- اِنہیں کھانے، پینے، اوڑھنے کو کچھہ نہیں دیتے- روزانہ تیسرے پہر کو لاٹھیوں سے پیٹتے ہیں کہ اور مال بتاؤ- پانچ چھے روز میں کسی نے کچھہ اور دیدیا یا وعدہ کیا تو چھوڑتے ہیں- مرجاتا ہے تو دریا میں ڈال دیتے ہیں، اور زندہ بچ جاتا ہے تو چلد روز کی قید کے بعد اُسے زیارت کی اجازت ملتی ہے- اعتقاد کا یہ عالم ہے کہ ان تمام مصائب پر بھی یہاں کی حاضری کا سودا دماغ میں پکاتے رہتے اور اپنے آپ کو یہاں پہنچاتے ہیں- اِس وقت تقریباً بیس نفر ہندو ہمارے ملازم تھے- وہ سب کے سب اور ہم خدا کے فضل و کرم سے ہندوؤں کے اِس گھاٹ سے گزر کر پوری جگناتھ کے اندر داخل ہوگئے- دربانوں نے کچھہ روک ٹوک کی، لیکن ہم نہ مانے- اِن میں سے کسی کی کچھہ نہ چلی- ملازمان حضور کی خاطر یہاں ہم نے دو مقام کئے- ہماری سرکار کے ہندوؤں نے روپیہ خرچ کئے بغیر جگناتھہ جی کی خاطرخواہ سیر اور اپنی مرادیں پوری کیں- عجیب تر بات یہ ہے کہ ہندو، مسلمان ملکر ایک رکابی میں کھانا کھاتے ہیں اور ہندو کچھہ پروا نہیں کرتے- خود میں نے اپنے کھانے میں سے کچھہ بچا کچھا ایک ہندو کو کھلایا- وہ بغیر کراہت کے کھا گیا- پھر میںنے اپنے ایک مسلمان ملازم کے ساتھہ ایک ہندو کو ایک ہی رکابی میں کھلایا- اور اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا، ہندو نے کچھہ بھی تکلف نہ کیا-

پوری جگناتھہ دریائے شور کے کنارے پر واقع ہے- ہم نے اِس کی موجوں کی سیر کی- اِس دریاے محیط کے تلاطم کا یہ عالم دیکھا کہ جب میری سواری کا گھوڑا ساحل کے قریب پہنچا، اور اُس کا پانی نظر آیا تو اُس کے تھپیڑوں کو دیکھکر اور اُن کی ڈراؤنی آوازیں سنکر بھاگ کھڑا ہوا- شور اِس

بلا کا ھے کہ سننے والوں کے کان بہرے ہوے جاتے ہیں۔ اسی وقت برجستہ ایک شعر ذہن میں آیا۔ شعر:

قلزم کہ تاب زلف ترا یاد می کند
پیچد بخویش و نالۂ و فریاد می کند

اس کے بعد ماہ رجب المرجب سنہ صدر کی تیسری تاریخ کو ہم مانک پٹن پہنچے، یہ کمال محمد خاں بہادر کا علاقہ ہے۔ ان کا نائب مصطفے خاں چلکا ندی کے گھاٹ پر موجود تھا، اِسنے حاضر خدمت ہوکر ہمیں ایک عمدہ باغ کے خوش نما بنگلے میں اُتارا۔ دو روز تک مہمانداری کی۔ اسی مہینے کی پانچویں کو خان موصوف خود ہمارے ہم رکاب گھاٹ پر آئے۔ اُنھوں نے باربرداری کے سارے جانوروں کو بخیر و عافیت دریا پار کرادیا۔ اِن ریگستانی صحراؤں میں عجیب وحشت نظر آتی تھی۔ ایک طرف تو دریاے شور کا زور و شور تھا، دوسری جانب دریاے چلکا کی موجوں کا ہنگامہ۔ یہ بھی بہت بڑی ندی ہے۔ سمندر ھی سے نکلی ہے۔ اِس کا پانی تیز و نمکین ہے۔ بعض جگہ اس کا پاٹ چودہ کوس کا ہوگیا ہے۔ اس وسیع صحرا میں بے شمار ہرن چوکڑیاں بھرتے پھرتے ہیں۔ کنارے پر اکثر دیو، جنات رہتے ہیں۔ کبھی کبھار رات کو رستے میں لوگوں پر حملہ کرتے اور مارڈالتے ہیں، مگر آگ اور تلوار سے ڈرتے ہیں۔ غرض کئی منزلیں اسی طور سے طے ہوئیں۔ دریاے چلکا اور سمندر کے درمیان ایک دو تیر پرتاب سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ کبھی تو سمندر کا تلاطم اِن آبادیوں کو بہا لے جاتا ہے اور کبھی چلکا کی موجیں اپنے بے پناہ سیلاب سے انھیں خراب کردیتی ہیں۔ لیکن پھر آباد ہوجاتا ہے۔ "فتبارک اللہ احسن الخالقین"۔ اسی وقت حسب حال یہ اردو شعر دل میں آیا:

دھاڑے ہے سمندر اک طرف، اک طرف چلکا ہے
جو اِس دو پاٹ میں ثابت چلے مضبوط دل کا ہے

اسی مہینے کی پانچویں کو ہم چاہ شیریں پر اُترے۔ دونوں دریاؤں کے درمیان میں یہ ایک منزل کا نام اور شیخ موصوف کا علاقہ ہے۔ یہاں بھی ضیافت پیش کی گئی۔ لیکن گھاس بالکل میسر نہ آئی۔ اس روز ہماری سرکار کے چوپایوں بلکہ خود ہمارے گھوڑے تک کو بڑ وغیرہ کے درختوں کے سوکھے پتے کھانا پڑے۔ چھٹی تاریخ کو مالود نامی مقام پر پہنچے، جہاں

شیخ صاحب کا گھر ہے۔ اِن کے بیٹے واعظ محمد حاضر ہوے اور ہمیں ایک عمدہ مکان میں اُتارا۔ نقد نذرانہ پیش کیا، اِسکے علاوہ دو روز تک ضیافت بھجوائی، پھر دوبارہ حاضر ہوے۔ میں نے اِنھیں نوجوان صالح پایا، اور خانی کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

بلدۂ گلنجام کا ذکر

اس کے بعد دو کوچ میں اِسی ماہ رجب کی نویں تاریخ کو ہم گلنجام میں داخل ہوے، اور ایک ہندو کے دھرم‌سالے میں اُترے۔ کم و بیش پانی کی وہی آفت دیکھنے میں آئی کہ زمین پر جابجا کھڑا ہوا تھا۔ گلنجام ایک چھوٹاسا بے رونق شہر ہے، مگر سونے چاندی سے معمور۔ سیاہ‌فام لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں کی زبان کچھہ اور ہے، ذرا بھی سمجھہ میں نہیں آتی۔ اسی شہر سے تلنگانہ دیس شروع ہو جاتا ہے۔ حاکم وقت کی جانب سے جو ناظم یہاں مقرر ہے، اُسنے معمول کے موافق راهداری کا پروانہ لکھکر دیا۔ دو روز ہمارا قیام رہا، پھر اسی مہینے کی بارھویں کو ہم سیکاکول روانہ ہوگئے۔ روانگی کے دن ھی میرے حال زار پر دو ناگہانی مصیبتیں پڑیں۔ مگر حافظ حقیقی نے رفع کر دیں۔ ایک تو یہ کہ اِسی دن رستے میں اچانک پیچش کے مانند پیٹ میں بڑا سخت درد محسوس ہوا۔ ہر چند برداشت کرنا چاہا، لیکن نہ کرسکا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھاگیا۔ بیتاب ہوکر زین کے ایک پلڑے پر سر رکھدیا۔ تکلیف کی شدت سے جب غشی تک نوبت پہنچی تو خادموں کو آواز دی کہ جلدی مجھے گھوڑے سے اُتار لو۔ اُنھوں نے اُتار لیا۔ چند لمحے اسی حالت میں گزرے، اس کے بعد ایک بلغم آمیز دست ہوا، درد میں بھی کچھہ کمی ہوی، پھر میں سوار ہوکر روانہ ہوگیا۔ دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ ہم چند تیر پرتاب آگے بڑھے تھے کہ دیکھا دریاے شور کے کنارے پر، سارے ریگستان میں دریا کے مانند کئی کوس تک پانی ٹھہرا ہوا ہے۔ ناچار ہم اُسی میں روانہ ہوے، یہاں تک کہ یہ پانی طے ہوگیا۔ مگر اس کے کنارے پر کسی قدر نیم خشک کیچڑ نظر آئی۔ ہم نے سمجھا کہ زمین شاید خشک ہوگی۔ غلطی سے اور اُسی طرف بڑھے، اور اپنے گھوڑے کو اس دلدل میں ڈالدیا۔ سواری کے آگے چند خدام پیدل چل رہے تھے۔ وہ بیچارے سینے تک دلدل میں دھنس گئے۔ میں اس پانی کیچڑ کو اُسی پانی کیچڑ اور برساتی نالوں کی طرح سمجھا، جو

پہلے گزر چکے تھے، کچھہ خاطر میں نہ لایا، اور بے دھڑک گھوڑے کو ڈالدیا۔ گھوڑے کا اس گیلی ریت کی دلدل میں پہنچنا تھا کہ کمر تک دھنس گیا، نہ آگے بڑھنے کی مجال تھی نہ پیچھے ہٹنے کی۔ مگر خدا کے فضل سے میں اُسی طرح گھوڑے کی پیٹھہ پر ڈٹا رہا۔ گھوڑا دم بہ دم اندر کو دھنستا جاتا تھا۔ میرے سارے ملازم یہ حالت دیکھکر بدحواس ہوگئے، اور سوچنے لگے کہ کس طرح نکالنا چاہئے۔ مشکل یہ تھی کہ نزدیک آنے والا بھی اندر دھنستا تھا۔ میں نے کہا کئی آدمی ایک دوسرے کا ھاتھہ مضبوط پکڑلیں اور اسی طرح محفوظ کنارے تک ایک سلسلہ بناکر کھڑے ہوجائیں۔ پھر ھر ایک شخص دوسرے کا ھاتھہ کنارے کیطرف کھینچے۔ اس تدبیر سے ہم سب باھر نکل آئینگے۔ اسکے بعد میں دو آدمیوں کے کندھوں پر بیٹھہ گیا، اور سب نے وھی ترکیب کی۔ اس حکمت سے حق تعالےٰ نے ہمیں اِس آفت سے نجات دی اور میرے گھوڑے کو کچھہ ایسی طاقت بخشی کہ ایک ھی جست میں وہ ساحل سلامتی پر پہنچ گیا۔ "الحمد للہ علے کل حال"۔ اس روز ھم منصور کوٹ میں اُتر پڑے۔ غریب مستحقوں کو صدقہ دیا۔ صبح سویرے کیچڑ اور دلدل کی کثرت کے سبب دریاے شور کے کنارے کا راستہ چھوڑ کر بمقام برھم پورہ پہنچ گئے۔ دیکھا کہ بڑا رونق دار اور آباد قصبہ تھا۔ اس کے بعد آٹھواں کوچ ھوا، مگر برھم پورے سے روانہ ہوکر ھم راستہ بھول گئے۔ پہاڑی ٹیلوں اور ٹیکریوں سے گزرتے ہوے پالٹن نامی قریے میں پہنچے۔ دو ڈاک رھبر ھمارے ساتھہ تھے۔ لیکن نہ ھم یہاں کی تلنگی زبان سمجھتے تھے، نہ وہ لوگ ھماری ھندی زبان۔ ضروری گفتگو اشاروں سے ھوا کرتی تھی۔ اِس گانوں کے زمیندار بڑے مفسد تھے۔ یہ سمجھہ کر کہ ھم لوگ سوداگر ھیں، ھمارے سرکاری ملازموں کے ساتھہ بہت تکرار کی۔ راھداری کے پروانوں کو ھاتھہ تک نہ لگاتے تھے۔ خوں ریزی تک نوبت پہنچنے کے قریب تھی۔ آخر ھمارے ملازموں کو دھمکی دی کہ اچھا ھم آج رات تم سے سمجھہ لینگے، ھوشیار رھنا۔ اُس روز ذرا بھی ایک دوسرے کی زبان سمجھہ میں نہ آتی تھی۔ سودا سلف، اور لین دین سب اِشاروں سے ھوتا رھا۔ مجھے یاد ھے کہ اس سفر میں میرے داھنے ھاتھہ کی ایک اُنگلی میں ایک پھنسی ھوگئی تھی، جس میں شدید درد تھا، اُسکی تکلیف سے سخت بخار بھی آگیا تھا۔ اپنی تمام ضرورتیں بائیں ھاتھہ سے پوری کرتا تھا۔ ساری رات بیداری اور ھشیاری میں گزار کر بڑے ھمت و استقلال سے صبح کی۔

اب خیریت کے ساتھ آگے روانہ ہوے۔ اِس واردات میں یہ سانحہ دل میں القا ہوا:

سانحہ: انسان عالم ناسوت میں سخت غافل ہے۔ اِسے یہ بھی خبر نہیں کہ اُسکی دوسری سانس میں کیا ہونے والا ہے، اور اسکے پیچھے کون لگا ہوا ہے۔ کسی شدت کی مجبوری اور مصیبت میں زیادہ اندیشہ و اضطرار پیش آجائے تو ہمّت میں ہرگز کمی نہ آنا چاہئے، بلکہ اپنے مقصد کو مد نظر رکھے، اور آگے ہی قدم بڑھاتا رہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

"قدم عشق پیشتر بہتر"

لیکن اگر کوئی مصیبت پیش ہی آجائے تو اپنا پانوں پیچھے نہ ہٹائے، ورنہ لوگ اِسے بزدلی جانتے اور بہادر لوگ ایسے شخص کو ہیجڑا کہتے ہیں۔ قطعہ:

ظفری! سخت غافل انسان است - مضطرب شد چو دید شدت را
عیب نبود چنیں ز غفلت، لیک - در نبازد حواس و ہمت را

اس کے بعد دو کوچ اور کرکے ہم اسی مہینے کی تیئیسویں تاریخ کو جمعے کے دن سیکاکول میں داخل ہوگئے۔ دیکھا کہ یہ قصبہ بھی بڑا بارونق تھا، ہر چیز میسر آتی تھی۔ اتفاق سے اُسی دن ہندوؤں کی ایک عید تھی۔ بیلوں کو جھولوں اور پھولوں سے آراستہ کرتے ہیں، اُن کی گردنوں پر جوے رکھکر ہل کے مانند بناتے ہیں، پھر اُس پر ایک شخص کو سوار کرتے اور بیلوں کو زور سے بھگاتے ہیں۔ یہ شخص اس ہل جیسی لکڑی پر کھڑا رہتا ہے اور گرتا نہیں تو خوب ہنستے خوش ہوتے ہیں۔ ساری بستی کے مرد اور عورتیں زیور اور عمدہ عمدہ کپڑے پہن کر اِس میلے میں تماشا دیکھنے حاضر ہوتے ہیں۔ شام کے وقت ایک خوب صورت بیل پر مٹی وغیرہ سے نقش و نگار بناتے ہیں۔ اُسے عمدہ جھول اور پھولوں سے سنوارتے ہیں اور رتھ کے مانند بانس وغیرہ کی ایک گاڑی بنا کر بیل کو اس پر سوار کرتے ہیں، اور اس کے سر پر طاؤسی مورچھل جھلتے رہتے ہیں۔ کہار لوگ اس گاڑی کو کندھوں پر اُٹھا لیتے ہیں۔ روشنی کے لئے بہت سی مشعلیں ساتھ ہوتی ہیں۔ سواری بڑی شان اور تعظیم کے ساتھ آہستہ آہستہ روانہ ہوتی ہے۔ بستی کے سارے بازاروں میں اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر لئے پھرتے ہیں۔ تماشائیوں کا بڑا انبوہ ساتھ ساتھ پیدل چلتا ہے۔

ہم نے قصبے میں اپنی سواری کے داخل ہوتے ہی یہ تماشا دیکھا، اور تین روز یہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک انگریز بہادر رئیس نے خود بخود ایک سبزہ گھوڑا نذر کی طور پر بھیجا، جسے ہم نے خوشی سے قبول کرلیا۔ حاکم وقت نے بھی حسب معمول راہداری کے خطوط دیے اور ڈاک رہبر ساتھ کردیا۔ میرا ایک عمدہ چھکڑا معہ بیلوں کے بیکار ہوگیا تھا، وہ میں نے یہاں کے ایک فقیر کو خیرات کردیا۔ اسی مہینے کی ۲۶ تاریخ کو ہم روانہ ہوے۔ اور ۲۸ تاریخ کو ایجانگر میں پہنچ گئے۔

ایجانگر کا بیان

ایجانگر میں پہنچتے ہی "کونیری تالاب" کے کنارے پر خیمے لگا دیے گئے۔ ہم نے یہ عجیب تماشا دیکھا کہ اِس تالاب کا پانی خون کی طرح بالکل لال ہے۔ اگرچہ صوبۂ اُڑیسا سے لیکر یہاں تک ہر جگہ کی خاک دھول، گل ارمنی یعنے گیروھے جو خون کی طرح سرخ نظر آتی ہے۔ گھروں پر بھی خوش نمائی کے لئے اسی لال مٹی سے کہہ گل کرتے ہیں۔ مگر پانی ہر جگہ کا سفید تھا، نہ معلوم یہ پانی کس وجہ سے سرخ ہے۔ مزہ تو میٹھا ہی ہے۔ آدمی اور جانور سب پیتے ہیں، کچھہ نقصان نہیں کرتا۔ ہم نے یہاں کے لوگوں کا گانا بھی سنا، گویّوں اور قدیم کلاونت کی طرز پر اچھا گاتے ہیں۔ اچھروتی اور طلبورہ بھی اچھا بجاتے ہیں۔ اِس شہر کا والی رام راج زندہ ہوتا تو یقیناً وہ ہمیں آگے نہ بڑھنے دیتا۔ کیونکہ لکھنؤ سے ظفرالدولہ مبارزالملک، ابراہیم خاں دھونسا مرحوم کے منجھلے بیٹے محتشم جنگ کی معرفت ہمارے شقے یہاں آچکے تھے۔ راجہ ہماری طلب میں عرضی اور راہ خرچ بھیجنے ہی والا تھا کہ بیچارہ مارا گیا۔ بہت افسوس ہے! یہ راجہ ہندوستانیوں کا بڑا قدرداں تھا، اور اس کا بھائی سیتا رام راج اس وقت مندراج میں ہے۔ اتفاق سے ہمارا گذر اُس وقت ہوا جبکہ راجہ کا نابالغ بیٹا اُسکی جگہ پر مسند نشین ہوا ہے، جسکی عمر دس گیارا سال کی ہے۔ اس کا نام راجہ بابو نرائن راج بہادر ہے۔ یہ لڑکا بالکل ناسمجھہ ہے۔ اپنی نانی پلکا راما اور دوسرے اہلکاروں کے ہاتھوں میں گویا گرفتار ہے۔ اپنی بےبسی اور مجبوری پر بھی ضیافت اور

زر نقد کی پیش کش سے ہماری خدمت بجالایا۔ اس شہر میں بارہ روز رہنے کا اتفاق ہوا، کیونکہ یہاں کا ناظم موجود نہ تھا۔ آخر اُس کے نائب نے حسب معمول راہداری کا پروانہ تیار کرکے بھیجا اور ہم ماہ شعبان المعظم کی بارھویں کو مچھلی بندر روانہ ہوے۔ یہاں سے ہمیں اور ہماری سرکار کے ملازموں کو شدید خارش کی بیماری ہوگئی، جو بمشکل دفع ہوی۔ اس علاقے کی آبادی بتدریج اُجڑ رہی ہے۔ راج کی حالت خراب ہے۔

پدّاپور کا بیان

یہاں سے پہاڑوں کی طرف روانہ ہوے، نو کوچوں کے بعد اسی مہینے کی انتیسویں کو پدّاپور پہنچے۔ اُس کا والی راجہ تماراج بہادر تھا۔ یہ بھی ویجانگر کے راجہ کی طرح اس وقت مجبور اور بے بس تھا۔ پھر بھی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ آدھی رات کے وقت اپنے ملازموں اور مصاحبوں محمد قاسم اور نذر علی بیگ کے ہمراہ زر نقد اور چند پیش کشیں ہمارے حضور میں بھیجیں۔ اپنی بیمقدوری کا عذر بھی پیش کیا۔ اور اُسی رات اپنے کسی ضروری معاملے کے انفصال کے لئے خود کہیں باہر چلا گیا۔ ویجانگر سے پداپور تک پہاڑوں کے باوجود راستہ بہت ہموار اور بے خطر تھا۔ یہاں کے فرسخ بھی زیادہ سخت نہیں معلوم ہوے۔ البتہ گنجام تک بات چیت ذرا ذرا سمجھ میں آتی تھی۔ مگر اس کے بعد یہاں کے لوگوں سے بات چیت کرنا، اُن کی سمجھنا اور اپنی کہنا مشکل ہوگیا۔ اِن سب کے لئے اشاروں پر نوبت پہنچ گئی تھی۔ ناچار ویجانگر کے ایک "دو بھٹیے" سے تلنگی زبان کے چند ضروری مفرد و مرکب کلمے لکھکر میں نے یاد کرلئے۔ اپنے ضروریات اِدھر اُدھر کے راہگیروں سے اِنہیں اشاروں کے ذریعے ادا کرلئے جاتے تھے۔ اثنائے راہ میں راجہ ریت کھاک کا مکان تھا۔ اُس نے ضیافت بھجوائی۔ ویجانگر سے یہ حال ہمارے دیکھنے میں آیا کہ لوگ تاڑ کے پتوں سے گھاس کے چھپروں کی طرح مکانات بناتے ہیں۔ تاڑ اور کھجوروں کے درخت عظیم آباد سے یہاں بہت زیادہ ہیں۔ اور اِن درختوں سے ایک خاص ترکیب سے دودہ یا عرق نکال کر بیچتے اور پیتے ہیں۔ یہ شراب کی طرح نشہ آور ہے۔ تین روز قیام کے بعد اسی مہینے کی بائیسویں کو جمعے کے دن ہم وہاں سے آگے روانہ ہوے۔

گھن پلڈی بھیماورم کا ذکر

پانچ کوچوں کے بعد ہم گھن پلڈی بھیماورم میں داخل ہوے۔ یہ بستی دو بڑے بڑے گانوں کا مجموعہ ہے، دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوے اور خوب آباد ہیں۔ ہم ایک عاشور خانے میں اُترے۔ اتفاق سے اِس روز ھندوؤں کا ایک میلا تھا، جسے یہاں جاترا کہتے ہیں۔ یہ میلا ھماری فرودگاہ کے سامنے ھی تھا۔ تلنگستان کے مردوں اور عورتوں کا رقص و سرود ملاحظہ فرمایا۔ ”کل جدید لذیذ“ کے مصداق بہت پسند آیا۔ کیونکہ یہ نازک ادائیں بتاتی ہیں۔ مگر سب کی سب ”پردۂ آھنگ“ گاتی ہیں۔ اِس پردے کے سر اِن کے گلوں سے بہت اچھی طرح ادا ھوتے ہیں۔ جودھپور میں راتھور مردوں اور عورتوں سے سورٹھہ راگنی اور ملک تلنگانہ میں یہاں کی عورتوں سے پردۂ آھنگ سننے میں آیا جو نہایت ھی دل آویز تھا۔

بندر مچھلی پٹن میں ھمارا داخلہ

ماہ شعبان المعظم سنہ صدر کی تیسویں تاریخ کو ھم اچانک رات کے وقت مچھلی بندر پٹن میں پہنچے۔ اور اس بندر کے نواب قطب الملک مبارک الدولہ حسن علی خاں بہادر مبارک جنگ کے باغ میں اچانک جا اُترے۔ نواب موصوف نے اطلاع پاتے ھی آدھی رات کو ماحضر ضیافت ھمارے حضور میں بھجوائی، چند روز کے بعد خود بھی حاضر ھوے۔ ھم نے نواب صاحب کو بہت سادہ مزاج اور صاحب اخلاق پایا۔ کئی بار حاضر ھوے اور بڑی منت و اصرار سے پورے رمضان المبارک تک ھمیں اپنے باغ ھی میں روک رکھا۔ بہترین افطاریاں بھجواتے رھے۔ حد درجہ ھماری دلداری کرتے اور رضاجوئی کے لئے ھر وقت حاضر رھتے تھے۔ رمضان کا پورا مہینا نہایت آرام اور صوم و صلاۃ کی پابندی سے یہیں گزارا۔ مگر طبیعت کی کسل مندی کے سبب چھ روزے افطار ھوے۔ عیدالفطر کا دن اتفاق سے نو روز ھی کے دن واقع ھوا۔ نواب صاحب اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے ھمراہ آداب و تسلیمات اور تہنیت بجالانے کے لئے حاضر ھوے۔ ھم نے بندھی ھوی پگڑی اور گوشوارہ عنایت کیا۔ اور جو دوپٹہ ھمارے کاندھے پر تھا، وہ بھی دے دیا۔ آداب بجالائے، اور شام کے وقت ھمیں اپنے گھر لے گئے۔ پوری تیاری کے ساتھ رسم ضیافت ادا کی۔

قسم قسم کے کھانے تھے اور رقص و سرود بھی، تین پہر رات تک اس بندر کی تلنگستانی وغیرہ طائفوں کا ناچ گانا ہوتا رہا۔ یہاں کی رنڈیاں سب کی سب ہندو ہیں، اور ناچتے وقت کُرتی نہیں پہنتیں، صرف پشواز پہنتی ہیں۔ یہ بہت بدنما معلوم ہوتا ہے، سونے اور موتیوں کا زیور بکثرت مگر موٹا اور بھدا، نزاکت نام کو نہیں۔ صورت شکل بھی ایسی ہی بھونڈی اور بھدی ہے۔ عید کے بعد ہمیں چند ضروری امور کے سبب یہاں کچھ روز اور ٹھہرنا پڑا۔ اس بندر کے ناظم نے حسب معمول راهداری کا خط تیار کراکے بھیجا۔ نواب صاحب پھر اپنے "عسکری باغ" میں لے گئے، اور دوبارہ اُسی طرح ضیافت کی، جیسے پہلے کی تھی۔ کئی کوس تک اپنے ہمراہ بگھی کی سواری پر دریاے شور کا تماشا دکھانے لے گئے۔ طبیعت میں کئی روز سے انقباض تھا، وہ سب دور ہوا۔ اور خوب فرصت حاصل ہوئی۔ روانگی کے وقت زر نقد پیش کش اور انگریزی پالکی ہماری سواری کے لئے نذر کی۔ "سلہ پلی" کا مالک راجہ ناگیشور سردیس مکھہ اور سرکار مصطفےٰ نگر وغیرہ نے حاضر ہوکر کچھہ نقد اور ایک مغلئی ہندوستانی جھالردار پالکی نذر گزرانی۔ حالانکہ یہ لوگ اِس وقت معزول ہیں، خدا خدا کرکے یہاں کہار بہم پہنچ گئے۔ اِس سے پہلے ہم لکھہ چکے ہیں کہ عظیم آباد اور مرشد آباد سے کہاروں کے بھاگ جانے کے سبب گھوڑے کی سواری کے سوا اور کوئی سواری ساتھہ نہ تھی۔ جگہ جگہ نالکی اور پالکی کو امانت کی طور پر چھوڑنا پڑا تھا۔ اب کہاروں کے مل جانے سے ہم پھر پالکی میں سوار ہوے۔

مچھلی بندر سے چینا پٹن مندراج* کی جانب ہماری روانگی

۲۲ شوال سنہ ۱۲۱۲ھ کو منگل کے دن، پانچ گھڑی دن رہے کلام اللہ کی فال و استخارہ کے موافق اور نواب موصوف کے نجومی کی تجویز کردہ مبارک ساعت میں اس بندر سے ہم چیناپٹن کو کوچ فرما ہوے۔ آدھے کوس تک نواب صاحب مشایعت کی طور پر حاضر اور ہمرکاب رہے۔ پھر واپسی کی اجازت پاکر رخصت ہوے۔ پہلی ہی منزل میں ہم نے دیکھا کہ گرمی کے موسم نے سرسبز جنگلوں کو پہاڑوں کی طرح سبزہ سے محروم اور

---

* مدراس کا قدیم املا۔

گرم و خشک کردیا ہے۔ جس وقت ہمارا سفر شروع ہوا ہے، برسات کے دن تھے، حالت یہ ہوی کہ بارش کے موسم میں سفر کرنے کے سبب ہمارا بہت سا اسباب تلف ہوگیا۔ جگہ جگہ پر پانی کھڑا تھا، مجبوراً گھوڑے کی سواری اختیار کرنا پڑی، پھر بھی حد سے زیادہ تکلیف پہنچی۔ لیکن سارے جنگل اور پہاڑ سینکڑوں کوس تک قسم قسم کے جنگلی خودرو پودوں، اور پھولوں سے بھرے اور لدے ہوے تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی، خدائے آفریدگار کا گلزار پر بہار دکھائی دیتا تھا۔ یہ بہار دیکھنے والے کے دل سے ایک ہی نظر میں سفر و حضر کے تمام آلام اور صدموں کا زنگ دور کردیتی تھی۔ اِس وقت یہ اشعار میری زبان پر تھے۔ جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت امیرالمؤمنین اسداللہ الغالب علی ابن علی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تصنیف ہیں، اور اپنی باقی آرزووں کی تکمیل کا منتظر تھا۔ قولہ:

تغرب من الاوطان فی طلب العلی
وسافر ففی الاسفار خمس فوائد

ففرج غم و اکتساب معیشة
و علم و آداب و صحبة ماجد

فان قیل فی الاسفار ذلّ و محنة
و قطع الفیافی و ارتکاب شدائد

فموت الفتٰی خیر من مقامه
بدار هوان بین واش و حاسد*

ہر راہ اور فرودگاہ میں جہاں کہیں بھی جانور سر جھکا لیتے، ذری دیر میں شکم سیر ہوجاتے تھے۔ مگر اب یہ منظر دیکھتے ہیں کہ چوپایے زمین پر سر پٹکتے ہیں، مگر خاک کے سوا کچھہ منہ میں نہیں آتا۔ فرضکہ مچھلی بندر سے ہم نے دو تین کوچ کئے۔ راستے میں نواب والاجاہ عمدۃالامرا بہادر امیرالہند ثانی کا سر بمہر خط ملا، جو درج ذیل ہے۔

---

* ترجمہ: بلند مراتب کی طلب میں اپنے وطنوں سے باہر نکل! اور سفر کر کہ سفروں میں پانچ فائدے ہیں - ۱. غم دور ہونا ' ۲. روزی میسر آنا ' ۳. علم ' ۴. آداب ' ۵. اچھے آدمی کی صحبت کا حصول - اور اگر یہ کہا جائے کہ سفر میں ذلت اور تکلیف ہے ' صحرانوردی ہے ' اور سختیاں برداشت کرنا ہے تو یاد رکھو کہ رسوائی اور ذلت کے ساتھہ گھر میں رہنے ' چغلخوروں اور حاسدوں میں قیام کرنے سے ایک جوانمرد کے لئے موت بہتر ہے۔

مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ھو الکریم

"نمیقۂ انیقہ بہجت و ثیقہ پہنچا، جس میں تشریف فرمائی کی کیفیت اور دوسرے حالات بھی درج تھے۔ جناب کی طبع سامی کے نتائج اشعار آبدار کے اوراق بھی ملے، اور شیفتہ بنایا۔ ہمارے لئے وہ وقت کیا اچھا ہوگا کہ جمال سامی سے آنکھیں روشن کرینگے۔ مرزا ھمایوں بخت اپنے فرزند اور متعل کے ساتھہ والد ماجد مرحوم کے زمانے میں اس دیار میں رونق افروز ہوے تھے۔ واقعی بات یہ ھے کہ اس خوبی اور بزرگی کے آدمی، ایسے صفات حمیدہ اور پسندیدہ اوقات کے بزرگ اب تک دیکھنے میں نہیں آئے۔ لیکن حالات کی تنگی کچھہ ایسی دامن‌گیر ہوی کہ ھماری جانب سے اُن کی شان میں تھوڑی بہت کوتاھی عمل میں آگئی۔ اس سے اُن کا محترم دل برداشتہ ہوگیا، اور دوسرے دیار کو عزم آرا ہوے۔ مگر فرط مہربانی سے پھر دوبارہ بمصداق: "العفو عند کرام الناس ماٴمول"* اس ملک کو تازہ رونق بخشی ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ میں اپنے اوقات اور قصور کی وجہ سے سربہ‌گریبان خجالت ہوں۔ اِن وجوہ پر نظر کرتے ہوے، اس ملک میں آپ جیسے بزرگ کی تشریف آوری کے موقع پر تحقیقی حالات سے مطلع کردیا ھے۔ مقصد یہ ھے کہ جناب اپنے ورود اور یہاں کے حالات مشاہدہ کرنے کے بعد اگر یہاں کا قیام پسند فرمائیں اور ھمارا مقدر یاوری کرے تو یہ عین ھماری آرزو ھے۔ اور اگر مزاج وھاج کسی دوسری جگہ تشریف لے جانے پر آمادہ ہو تو اختیار ھے۔ غرضکہ اِس ضعیف کو مشتاق ملاقات سمجھکر اپنی تشریف فرمائی سے ھمارے غریبانہ جھونپڑے کو رونق بخشیں۔ اپنی نافہمی کے باوجود اشعار آبدار سے بہت کچھہ فیوض حاصل کئے، اور حرزجاں بنایا۔ اللہ ھمارے اور آپ کے ساتھہ ھے۔ میرے دوست کے فرزند اور میرے دوست قطب‌الملک کو ھدیۂ سلام قبول ہو"۔

غرضکہ ھر منزل پر اور ھر گانوں میں، وھاں کے زمینداروں سے دانہ اور گھاس وغیرہ کا سرانجام بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ جب ھم ونگول پہنچے تو

---

* ترجمہ: اچھے لوگوں سے عفو ھی کی امید کی جاتی ھے۔

نواب والاجاہ مرحوم کے حقیقی بھانجے حافظ ناصر محمد خاں افتخارالدولہ بہادر شاندار مہمان‌داری کے ساتھہ استقبال کو موجود تھے۔ انہوں نے راہداری کا خط اور دانہ گھاس وغیرہ کی تاکید کے خط لکھکر اپنی مہر لگا کر بھجوائے۔ اور معمول کے موافق ہر منزل پر ضیافت کی رسم بجالاتے رہے۔

جب ہم نیلور پہنچے تو وہاں کا حاکم بھی حسب معمول رسم ضیافت بجالایا۔ وہاں ایک مقام ہوا، پھر ہم کوچ فرماکر چھتر نیکٹا چلم پہنچے۔ اس منزل میں دانہ اور گھاس میسر نہ آنے کی وجہ سے گانوں کی آبادی سے بہت دور پر اُترنا پڑا۔ ہمارا ایک بڑا سبزہ آختہ گھوڑا بھاگ کر کہیں جنگل میں غائب ہوگیا۔ بہت کچھہ تلاش کرایا مگر پتا ہی نہ چلا، آخر اس معاملے کو یونہی چھوڑ کر ہم آگے روانہ ہوے۔ مندراج پہنچنے تک بار برداری وغیرہ کے کئی جانور ضائع ہوگئے۔ اِن رستوں میں بھی سمندر کی کھاڑیوں کی دلدل اور کیچڑ کی سخت آفت نظر آئی۔ بہزار دشواری نائیڑپیٹ پہنچے۔ یہاں سے ہم نے اپنی آمد کی اطلاع کا خط اور اس مکتوب محبت کے ساتھہ اپنے طبع‌زاد عربی، فارسی، ترکی اور اردو زبانوں کے چند اشعار نواب عمدۃالامراء بہادر کو بھیجے۔ یہیں ہمیں نواب صاحب کا دوسرا خاص خط اور دوبارہ جواب باصواب ملا، جس میں ہمارے باورچی‌خانے کے ماہانہ خرچ کے لئے تنخواہ کی تعیین بھی کردی تھی، اور نہایت ارادت و اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا تھا۔ ہم نے بھی وہیں سے اُس کا جواب کمال اشتیاق کے ساتھہ اپنے ہاتھہ سے لکھکر روانہ کیا، اور آگے کوچ فرمایا۔ آخر ذی‌قعدہ سنہ ۱۲۱۲ھ کی ۱۶ تاریخ کو دوبحتیہ کے چھتر میں اُترے جو چینا پٹن سے تین چار کوس کے فاصلے پر ہے۔ رات کے وقت ہمارے بھتیجے نورچشم میرزا شمس‌الدین ملقب بہ مرزا سکندر شکوہ یعنی میرزا ہمایوں بخت کے صاحبزادے حضور میں پہنچے۔ نذر پیش کی، اور اپنے دیدار سے مسرور کیا۔ یہاں بھی ہمیں نواب صاحب موصوف کے چند خطوط ملے جو اشتیاق ملاقات اور کمال درجہ مہربانیوں اور دلداریوں پر ملنی تھے۔ بودباش کے لئے جو مکان تجویز ہوا تھا اُس کا بھی ذکر کردیا تھا۔ نواب صاحب موصوف کی تحریر کے موافق یہاں سات مقام ہوے۔

۲۲ ماہ ذیقعدہ سنہ صدر کو نواب صاحب کی طرف سے ہمیں دوسرا مکتوب ملا، جس کی نقل یہ ہے:

نواب صاحب کا دوسرا مکتوب:

محبت آمیز مکتوب موصول ہوکر مسرت بخش ہوا- چینا پٹن کے قریب جناب کی تشریف فرمائی کی خوش خبری ملی- مراتب زیارت و ملاقات کو عجلت کے ساتھہ بجالانے میں جو تقصیر ہوی، وہ فرمانروائے بنگالہ کے وارد ہونے اور اُسکے سوال و جواب اور تجویز مکان کے سبب ہوی- اب امید ہے کہ اپنے کرم عمیم سے چار پانچ گھڑی کے بعد جمعرات کو اول دن میں ہمارے خانۂ دل محبت منزل کی رونق کے لئے توجہ فرمائینگے- نورچشم سراج الملک بہادر اور نورچشم امیرالملک بہادر حافظ احمد خان بہادر کے ساتھہ خدمت سامی میں حاضر ہوتے ہیں- اِن شاءاللہ ـ اللہ معنا و معکم- غلام حسین

چینا پٹن میں ہمارا ورود اور نواب محمد علی خاں والاجاہ مرحوم کے بڑے اور لائق بیٹے نواب والاجاہ امیرالہند ثانی کی ملاقات کا بیان*

نواب صاحب کی تحریر کے مطابق نماز صبح کے بعد ۲۳ ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۲ھ کو میں چینا پٹن پہنچنے کے ارادے سے سوار ہوا اور ماس کلیس کے باغ میں جا اُترا- صبح کے ناشتے میں مشغول تھا کہ نورچشم میرزا نور علی عرف سکندر شکوہ ہمارے بھتیجے، اور نواب صاحب کے فرزند امیرالملک بہادر، سراج الملک بہادر نواب موصوف کے دونوں بھانجے، یعنی برخوردار سعادت اطوار نواب سلطان النساء بیگم کے نورچشم مع اراکین، بان، نشان، ماہی مراتب، نوبت،

---

* ''سوانحات ممتاز'' کے مصنف نے میرزا اظفری کے مدراس پہنچنے کا ذکر اِن الفاظ میں کیا ھے:
سنہ ۱۲۱۳ھ میں نواب عمدةالامراء بہادر کے زمانۂ ریاست میں شاہزادۂ عالی وقار و بلند مرتبت میرزا علی بخت بہادر (اظفری) نہایت شوکت و حشمت کے ساتھہ وارد مدراس ہوے' جو تمام علوم میں یکتاے زمانہ تھے - نواب موصوف نے اُن کے ورود کے دو تین روز بعد کلس محل کے دیوان خانے کو آراستہ کراکر نہایت عزت و توقیر کے ساتہ طلب فرمایا - اور ملاقات سے مشرف ہوکر عنایت باغ میں ٹھہرایا جو برجداس مدلی کے بنگلے کے نام سے مشہور ھے - شاہزادۂ موصوف کے قیام کے لئے اُسے تیار و آراستہ کرایا تھا - تاج الامراء بہادر (ولی عہد) رئیس الامراء (بھانجے) امیرالدولہ (پھپیرے بھائی) افتخارالدولہ بہادر بہرام جنگ اور امیر اسداللہ خان بہادر کو استقبال کے لئے روانہ فرمایا - دوسرے دن خود اپنے بھانجوں اور ارکان دولت کے ساتھہ اُن کی بازدید کے لئے تشریف لے جاکر ملاقات بازدید سے مشرف ہوے - اور اُن کے اخراجات کا معقول بند و بست فرمایا -

نقارہ اور فوج وغیرہ کے ساتھہ ہمارے استقبال کے لئے پہنچے، اور اُسی باغ میں ملاقات کی۔ اِن دونوں بہادروں کو میں نے خلعت کی کشتیاں دیں۔ پاندان اور عطردان وغیرہ کی رسم ادا کی۔ پھر اُسی تجمل کے ساتھی اِن نورچشموں کے ہمراہ ہم نواب والاجاہ ثانی کے مکان پر پہنچے۔ نواب صاحب نے دروازے تک استقبال کر کے سلام کیا، اور میرا ہاتھہ پکڑ کر پالکی سے اُتارا۔ میں نے سلام کا جواب دیکر گلے سے لگایا۔ نواب صاحب ایک فرشتہ سیرت اور خوب‌صورت بزرگ معلوم ہوتے تھے۔ ایک مدت سے ہم ایسی صورتوں کے بھوکے تھے۔ اِن کو دیکھکر اچھی طرح جی سیر ہوگیا۔ اب گوش مشتاق اُن کے کلام شیریں کی طرف مائل ہوے۔ کلام نے تمام مکروہات اور سفر کے آلام کا زنگ دل محزوں سے مٹادیا۔ حق تو یہ ہے کہ اِس نو سال کے عرصے میں یعنے قلعۂ مبارک سے نکلنے کے بعد سے اب تک بہت سے امیروں، وزیروں کو دیکھا اور ملاقات ہوی۔ لیکن ایک کو بھی نواب صاحب کی طرح صحیح طور پر اخلاق محمدی سے متصف نہ پایا۔ سننے والے کے کان اُن کے نقد کلام سے خرمن خرمن فرحت و مسرت کے پھول چنتے ہیں، اور دل انبار انبار نقد دل جمعی و ہمدردی سمیٹتا ہے۔ ”اللھم زد ولا تنقص“ خدا اِنہیں تمام آسمانی اور زمینی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ اس شیریں کلامی کے ساتھہ ہم ایک دوسرے کا ہاتھہ پکڑے ہوے دروازے کے اندر پہنچے تھے کہ بھائی صاحب مرزا ہمایوں بخت بہادر آئے۔ وہ اور ہم رسم سلام علیک بجالائے، اور بغل‌گیر ہوے۔ ساتھہ آٹھہ سال کے بعد ملاقات نصیب ہوی تھی، ایک دوسرے کو دیکھہ کر خوب دل خوش ہوا۔ تھوڑے دنوں سے باہم کچھہ شکررنجی پیدا ہوگئی تھی، نواب موصوف نے ہم دونوں میں سے کسی کو زبان بھی نہ کھولنے دی، بلکہ سخت قسم دیکر باہمی تصفیہ کرادیا، دل صاف ہوگئے۔ ”الحمد للہ علے ذلک“ اِسکے بعد شعر و شاعری پر بات چیت ہونے لگی۔ میں نے نواب موصوف کو تمام علوم میں صاحب ذوق پایا۔ خصوصاً فارسی اردو شاعری میں بیحد فصیح ہیں۔ مکتوبات میں عبارت منشیانہ اور مختصر مگر ماقلّ و دلّ لکھتے ہیں۔ غرض اُن کا کلام بہت پسند خاطر ہوا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

بیا زاہد کہ پیدا کردہ ام از بہر تو دینے
پرستش کن دل خودراء مشو در بند آئینے

مطلع ریختہ:

محو وحدت کے تئیں پوشاک کیا درکار ہے
جوں حباب اسکو تو جو سر ہے وہی دستار ہے

* یاد اُس شوخ کی مجھہ دل میں بھری رہتی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے

یہ میرا کلام ہے:

بتے دیدم خدایا بادل بے مہر سنگیلے
کہ بہر عاشقاں آورد حادث دین و آئیلے
تہی از کافر یہا نیز نبود چین پیشانی
گرہ دارد دو صد دل ایں بت چہلم بہر چیلے

در جواب ریختہ:

آنکھہ میں زلف کی تصویر دھری رہتی ہے
ظن مردم ہے کہ سرمے سے بھری رہتی ہے
گاہ وہمِ دہن اور گاہ کمر کا ہے خیال
عاشقوں کو بھی عجب دردسری رہتی ہے
چشم بد دور نہ توکو مرا رونا کوئی
شاخ دل اپنی تو آنسو سے ہری رہتی ہے
نہیں معلوم کدھر کو نگہ لطف پڑی
اِس طرف آپ کی کچھہ کم نظری رہتی ہے
اظفرؔی دل میں ہمارے ہے خیال ممتازؔ
"لوگ کہتے ہیں کہ اِس گھر میں پری رہتی ہے" †

ہندوستانی (اردو) بات چیت میں اُن کے کلام کا انداز کرنا تکیوں کے طریقے پر نہیں، بلکہ شاہجہاں آباد کے میرزاؤں کا سا ہے۔ کبھی کبھار اتفاق سے بعض الفاظ یہاں کے نکل جاتے ہیں، اُن پر عام حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ الغرض چند گھڑی کے بعد بہت شایستہ طریقے سے ضیافت فرمائی۔ اُٹھتے

---

* حافظ فضل علی متخلص بہ ممتازؔ، مرزا محمد رفیع السودا کے تلامذہ میں ہیں۔ میر حسن نے اپنے تذکرۃ الشعرا میں اُن کا ذکر کیا اور کلام دیا ہے۔ اس میں بھی یہ بیت موجود ہے۔ ذرہ بھر تفاوت نہیں۔ کیا اِسے توارد کہا جائے؟

† معلوم ہوتا ہے یہ دونوں غزلیں مرزا اظفرؔی نے نواب صاحب کی غزلوں پر بعد کو کہی ہیں۔

وقت میں نے اپنی سربستہ پگڑی مع گوشوارہ کے اس کے علاوہ شال اور رومال اپنے ہاتھ سے نواب موصوف کو پہنایا، اُڑھایا، اور ایک تلوار بھی عنایت کی۔

ہماری سگی بڑی بہن، نواب عظمت آرا بیگم معروف بہ فیض النساء بیگم مرزا ہمایوں بخت کی بیوی ہیں، وہ راقم کو بہت عزیز رکھتی ہیں، گویا مادر مہربان ہیں۔ نو سال سے اُن کی دولت دیدار سے محروم تھا۔ وہ بھی میرے دیکھنے کے لئے بہت بیقرار تھیں۔ اس لئے نواب موصوف نے بہ جد ہوکر سب سے پہلے مجھے ہمشیرہ صاحبہ و قبلہ سلمہا اللہ تعالیٰ کے پاس بھجوایا۔ نواب صاحب ہمیں سوار کرانے کے لئے ساتھ ساتھ آئے۔ اثنائے راہ میں، مرزا ہمایوں بخت بیچ میں آگئے۔ ایک طرف مجھے اور دوسری طرف نواب صاحب کو کھینچ لیا۔ مگر نواب موصوف پھر ہم دونوں بھائیوں کے بیچ میں آ گئے، اور دونوں کے ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے ”بندہ آپ دونوں صاحبوں کی پناہ اور سایے میں آگیا“۔ میں نے کہا ”نہیں نہیں بلکہ آپ ہم دونوں کے دست گیر ہوے ہیں“۔ یہ سنکر کمال انبساط کے ساتھ مجھ سے فرمایا کہ ”گستاخی معاف، کچھ روز تو جناب قلعۂ مبارک میں قید رہے۔ اب بندہ قید کرکے رکھیگا۔ کہیں آگے نہ جانے دیگا“۔ میں نے کہا: ”بجان منت“ بقول شاعر:

”کے دام فگندی تو کہ ما صید نہ گشتیم“

خوش ہوکر فرمایا کہ ”میری کیا مجال، بلکہ جناب نے بندے کو اپنا اسیر اخلاق بنالیا ہے“۔ غرض اسی دُرافشانی کے ساتھ پالکی تک ہمراہ تشریف لائے۔ پھر ہمارا ہاتھ پکڑ کر پالکی میں سوار کرایا اور سلام کرکے رخصت ہوے۔

بہرام جنگ بہادر بخشی کے بڑے بھائی حافظ احمد خاں بہادر اور اپنے دوسرے اہلکاروں کو فوجی تجمل اور نوبت وغیرہ کے ساتھ جناب ہمشیرہ صاحبہ کی ملاقات کے لئے میرے ہمراہ میلاپور روانہ فرمایا اور تاکید فرمائی کہ بہن صاحبہ کی ملاقات کے بعد حسینی باغ میں اُتاریں، جو خاص آنجناب ہی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ یہ حکم دیکر نواب صاحب واپس ہوے۔ میں اپنی پالکی میں اور بھائی صاحب مرزا ہمایوں بخت اپنی پالکی میں سوار ہوے۔ دونوں پالکیاں برابر جا رہی تھیں، ہم دونوں مسرت آمیز باتیں کرتے ہوے میلاپور پہنچ گئے۔ میں اُترکر محل میں گیا، اور جناب ہمشیرہ صاحبہ سے ملاقات کی۔ قلعۂ مبارک سے بھاگنے کے وقت

میں نے اِن تمام صاحبوں کو وہیں قید سلاطینی کی حالت میں چھوڑا تھا، جدائی کا زمانہ بہت طویل ہوچکا تھا، اس لئے باتوں باتوں میں گزشتہ دور کا تذکرہ آگیا- میں نے میرزا ہمایوں بخت سے اپنے فرار ہونے کے بعد کے حالات دریافت کئے اور پوچھا کہ حضرت قدر قدرت شاہ عالم پادشاہ، صوبہ‌دار دھلی اور وہاں کے اہل‌کاروں نے آپ صاحبوں کے ساتھہ کیا سلوک کیا- اگرچہ دھلی کی خبروں اور آپ لوگوں کی تحریروں سے حالات معلوم ہوتے رہے- پھر بھی آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں- میرزا ہمایوں بخت نے کہا: بھئی کیا کہوں، مختصر یہ ہے کہ بیحد تکلیفیں اور مضرتیں پہنچانے کے بعد حضرت قدر قدرت نے اپنے والد ماجد حضرت عرش منزل مرحوم کے عرس میں ہم کو دیوان خاص میں طلب کیا اور اپنے حضور میں بلواکر خود اپنی زبان گوھر فشاں سے ارشاد فرمایا کہ ”باباجان! میں نے تمھارے ساتھہ کوئی برائی نہیں کی، مگر تمھارے بھائی میرزا علی بخت میرزا کلاں نے میرے ساتھہ دغا کی، وہ راجاؤں کے پاس بھاگ گئے- اب راجاؤں نے ملکر اُنہیں بادشاہ بنایا ہے- بہتر ہوگا کہ اپنے بھائی کے پاس ہی چلے جاؤ، اور اپنی اپنی تنخواہیں اُن سے مانگو- میں تم لوگوں کو اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا“- اِس کے بعد ہمیں عورتوں اور بچوں سمیت جبراً قلعۂ مبارک سے باہر نکلوادیا- میرزا ہمایوں بخت کی زبانی یہ ماجرا سنکر میں نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، مگر میں جناب بادشاہ سے یہ امید نہ رکھتا تھا کہ میرا عذر قبول نہ فرمائینگے — خیر-

غرض ہم نے ایک دوسرے سے مل کر ہر ایک کے دیدار سے اپنی آنکھیں خوب سیر کیں- ایک پہر تک میں یہیں رہا، پھر رخصت ہوکر سوار ہوا- حافظ احمد خاں، نواب موصوف کے اور اہلکاروں کے ساتھہ ہمارے ہمراہ تھے- یہ دیانت، امانت، عقل و صلاح اور علم و اخلاق میں اپنے بھائی بہرام جنگ بخشی سے کئی درجہ بہتر ہیں- انھوں نے نواب صاحب کے حکم کے موافق ہمیں نواب سلطان‌النساء بیگم کے حسینی باغ میں اُتارا- بیگم صاحبہ موصوفہ نے اپنی طرف سے اور بھی فرش، آلات شیشہ و چھپلی اور اسباب باورچی خانہ و آبدار خانہ وغیرہ تمام ضروریات کا سامان بھجوایا- ہم نے انھیں اپنی بہن بنا لیا ہے- شام کے وقت نواب موصوف کی طرف سے پر تکلف پختہ مہمانی آئی- اور تقریباً رات کا ایک پہر گزرا ہوگا کہ بھائی صاحب میرزا ہمایوں بخت

مع اپنے بیٹے کے، مہمانی کا کھانا اور گوئیوں کو ساتھ لئے ہوئے تشریف لائے۔ ایک پہر تک گانا سننے کا سلسلہ رہا، پھر مکلف ہوئے کہ کل آپ کی مہمانی ہمارے یہاں طے پائی ہے، ضرور تشریف لانا چاہئے۔ میں نے دل و جان سے قبول اور عطر و پاندان کی رسم بجا لاکر رخصت کیا۔ بھائی صاحب سوار ہوکر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن تیسرے پہر کو میں گھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہوا۔ شام کے قریب بھائی صاحب کے مکان پر پہنچا۔ بڑی شاندار مہمانی رہی، گانےوالے مردوں اور عورتوں کے کئی طائفے موجود تھے۔ جناب ہمشیرہ صاحبہ نے فرط محبت سے اس مکان کی سب چیزیں بطور سوغات عنایت فرمادیں۔ اگرچہ ہمیں یہ گوارا نہ تھا، مگر اُن کی بزرگی اور اصرار پر نظر کر کے لےلیں۔ تمام رات ناچ گانے کی سیر میں گزرگئی۔ تھوڑی رات باقی تھی کہ میں رخصت ہوا۔ بھائی صاحب نے بھی نہایت ملت سماجت اور بےحد اصرار سے کچھہ چیزیں سوغات کی طور پر تواضع فرمائیں۔ پھر میں اپنی پالکی میں سوار ہوکر صبح کی نماز کے وقت اپنے گھر پہنچ گیا۔ میری فرودگاہ سے میلاپور تک دو کوس کا فاصلہ ہے۔ چند ہفتوں تک ہمشیرہ صاحبہ، نواب موصوف اور نواب سلطان النساء بیگم کی سرکار سے برابر روزانہ پختہ مہمانی آتی رہی۔ تین چار روز بعد نورچشم سراج الملک بہادر، امیرالملک بہادر، حافظ احمد خاں بہادر، شجاعت علی خاں وغیرہ ہمارے پاس آئے اور رسم ضیافت بجالائے۔ نواب سلطان النساء بیگم میں اور ہم میں بہن بھائی کا رشتہ قائم ہوگیا ہے، اس لئے بقر عید کے دن میں اُن کے مکان پر گیا۔ ضیافت فرمائی، پوشاک کی کئی کشتیاں تواضع کیں، بہت کچھہ نقد اور سامان سے بھی سلوک کیا۔ اُسی روز دوبارہ نواب صاحب سے ملاقات میسر آئی۔ آج اُنھیں پہلی بار سے زیادہ شیریں زبانی میں سر گرم پایا۔ تیسری بار محرم الحرام کی دسویں کو ملاقات ہوئی۔ اور بھی بدرجہا زیادہ تواضع و انکسار سے پیش آئے۔ غرضکہ نواب صاحب بےنظیر انسان ہیں۔ خدائے تعالیٰ اُن کی ذات باکمال کو اسی طرح کامیاب و بامراد رکھے۔ اُسی روز نواب صاحب نے اپنے بھائی حسام الملک بہادر کی ملاقات کرائی، ہم ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ بہادر موصوف اخلاق میں نواب موصوف سے بھی کچھہ سوا نظر آئے۔ جب کبھی ملاقات کا اتفاق ہوتا ہے کچھہ ایسے انکسار اور تواضع سے پیش آتے ہیں کہ

گویا لاکھوں کا سلوک کر رہے ہیں۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔ سچ تو یہ ہے کہ نواب
والاجاہ مرحوم کے اکثر صاحبزادے اِن صفات میں تمام دوسرے اُمراء سے بڑھ
چڑھ کر ہیں۔ راقم نے ۲۲ محرم الحرام سنہ ۱۲۱۳ھ کو جناب ہمشیرہ صاحبہ،
بھائی صاحب اور نورچشم میرزا سکندر شکوہ کو اپنے مکان میں مہمان بلایا۔
ضیافت کی، تحفے تحائف نذر کئے۔ تمام رات مردوں اور عورتوں کا
ناچ گانا رہا۔ صبح کے وقت نواب صاحب کا محبت سے لبریز رقعہ ملا،
انہوں نے کسل مند ہونے پر بھی اپنے ہی ہاتھ سے لکھا تھا اور مبارک باد دی تھی۔
عبارت بہت متین اور الفاظ قلّ و دلّ لکھتے ہیں۔ اس لئے اس رقعے کی
نقل درج ذیل کرتا ہوں۔ نواب موصوف کا لڑکپن کا نام غلام حسین ہے اور
اُن کی عادت ہے کہ اپنے رقعوں کے آخر میں یہی نام لکھتے ہیں۔

نواب صاحب کا مکتوب

یا جامع المتفرقین! اب تو محفل انس و محبت کی حضوری ہے اور سب
دوست یکجا ہیں۔ اِس حسن اتفاق کے موقع پر بے اختیار شوق دامن
کھینچتا ہے۔ مگر زکام کی شدت اور اعضا کا درد حضوری سے مانع ہے، بلدہ
مبارک باد پہنچاتا ہے۔ اللہ معنا و معکم۔ غلام حسین۔

اسکے جواب میں میں نے بھی ایک رقعہ اپنے ہی ہاتھ سے لکھا۔

میرا رقعہ

یا مسبب الاسباب برادر جانا! حقیقت میں یہ حسن اتفاق آں جناب ہی
کے حسن سلوک سے حاصل ہوا ہے، اور آپ ہی کے وجود محترم کی بدولت
مدت کے بچھڑے ہووں پر ملاقات کا دروازہ کھلا۔ جو مبارک باد جناب نے
لکھی ہے، گویا ہماری زبان سے ہے، تہنیت کی ضمیر بھی اُسی جامع کی
طرف راجع ہے۔ مزاج وہاج کی کسل مندی سے ہمارے دلوں میں فکر و
تردد رونما ہے۔ چاہتا ہوں کہ بطور عیادت خود پہنچ کر دیدار فرحت
آثار سے طمانیت حاصل کروں، مگر یہ بھی اجازت پر موقوف ہے۔ وہ شافی
حقیقی جلد شفاے عاجل اور صحت کامل عطا فرمائے۔ "بالنبی و آلہ الامجاد"

اسی سال ماہ صفرالمظفر کی بائیسویں تاریخ کو ہم نے یہاں کی ایک عورت سے نکاح کیا، جو ایک پٹھان کی لڑکی تھی، اور اُس کا خطاب خورد محل رکھا۔ خدا کے فضل سے وہ حاملہ ہوئیں اور اسی سال ماہ ذی قعدہ کی انتیسویں کو بیٹا پیدا ہوا۔ ہم نے اُسکا نام مرزا والا بخت اور عرف مرزا جانی رکھا۔ نواب موصوف نے اِس پسر نیک اختر کی پیدایش کے دن مبارک باد کے ہمراہ ضروری مصارف کے لئے پانسو روپے بھجوائے، اور بڑے چلّے کے دن کئی سو ھُن* کا سلوک فرمایا۔

نواب صاحب کا وہ مکتوب جو ۲۹ ماہ ذی قعدہ کو مرزا والا بخت عرف میرزا جانی کی ولادت کی تہنیت میں آیا تھا

الحمد للہ و رسولہ و آلہ۔ خدائے تعالیٰ بہت بہت مبارک کرے۔ کیا فرماتے ھیں اس دیار کی آب وھوا کی تاثیر کی نسبت کہ کس قدر تفریح آور ھے۔ مہمانی اور تنہا ناچ دیکھنا حرام ھے۔ نثار جشن ان شاء اللہ حاضر کرتا ھوں۔ اللہ معنا و معکم۔ غلام حسین

پھر ہم اصل مقصد کی طرف رجوع ھوتے ھیں

یہاں پہنچنے کے پانچ مہینے بعد نواب سلطان النساء بیگم ھمشیرہ صاحبہ نے پانچ ھزار روپے ھمارے پاس بھجوائے تاکہ زاد سفر کے لئے بھیج کر اپنے قبائل‡ کو بلالوں۔ آخر ماہ ربیع الثانی سنہ صدر کی پہلی تاریخ

---

* ایک ھن تقریباً ساڑھے تین روپے کا ھوتا ھے۔

‡ قبائل کو لکھنؤ سے بلانے کے متعلق سوانحات ممتاز کا بیان:

ایک روز نواب صاحب نے میرزا علی بخت بہادر کی ملاقات کے دوران میں دریافت کیا کہ اپنے متعلقین کو کبتک جناب وھاں لکھنؤ میں) رکھینگے، یہاں کیوں نہیں بلا لیتے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ زاد راہ کی فکر میں ھوں۔ نواب صاحب نے زاد راہ کی مقدار دریافت کر کے اُس کی ھنڈوی لکھنؤ روانہ کردی۔ اور تھوڑے دنوں بعد سنہ ۹-۱۲ھ میں مرزا محمد امین الدین صاحب عرف میرزا امانی صاحب میرزا علی بخت موصوف کے چھوٹے بھائی اپنے بڑے بھائی کے محلات کو لیکر مدراس پہنچے، اور اپنے بڑے بھائی کے گھر میں اُترے۔ دوسرے دن بہادر مطی نواب صاحب کو اطلاع دیکر میرزا امانی صاحب کو اپنے ہمراہ

کو جہاز کے رستے ہمارے اہلکار دیوان راے بھگوان داس وغیرہ ہمارے قبائل کو لانے کے لئے لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ خداے تعالیٰ اُنھیں اپنی حمایت و حفاظت کے ساتھہ جلد پہنچاے۔ بمنہ و کمال کرمہ۔ جو کچھہ شایستہ سلوک اور قابل قدر مراعات، نقد اور پوشاک، زیور، زر و جواہر وغیرہ کی تواضع ہماری بہن فیض النساء بیگم کے ساتھہ عمل میں آئی اور آتی رہتی ہے۔ سب صرف نواب سلطان النساء بیگم کی ذاتی تواضع کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نواب سلطان النساء بیگم اگرچہ بظاہر عالم نسواں میں پیدا ہوئی ہیں، لیکن ان کی ذات تمام صفات میں کیا ہمّت اور مروّت، کیا ایفاے عہد اور کیا ذہنی ذکاوت، کیا عقلی ثبات اور صفائی فطرت وغیرہ میں مردوں سے بہتر ہے۔ خداے تعالیٰ تمام امور میں اُن کے دلی مقاصد پورے کرے اور عاقبت بخیر فرماے۔ بالنبی و آلہ الامجاد۔ بیگم موصوفہ کے نام کا ایک معما بھی ہم نے تالیف کیا ہے۔

پئے حجت خدا از قدرت خویش - مع التعریف گر زن سانس آراست
سزاوار شہیِ عالم زن - بود این خواہر من بے کم و کاست

اسیطرح ایک معما سراج الملک بہادر موصوف کے نام کا بھی کہا ہے :

با تاج انور فردر زیں چو کردۂ جا - گویا چراغ شہری اے نور دیدۂ ما

نصیرالدولہ عبدالوہاب خاں بہادر کی وفات کے بعد نواب صاحب نے مرحوم کے بیٹوں سے برج داس کا باغ خالی کراکر ۹ جمادی الثانی کو ہمیں اِس باغ میں اُتارا، اور اسی روز پھر دوبارہ نقد و جنس کے ساتھہ مہمانی بھجوائی۔ باورچی خانے کے مصارف ماہانہ بھیجتے رہتے ہیں۔ کبھی دیر ہوجاتی ہے تو

لے گئے اور نواب صاحب سے ملاقات کرائی ۔ ملاقات کے بعد نواب صاحب اُن کے اور میرزا علی بخت بہادر کے محل کے اخراجات کا بندوبست کر کے اپنی زندگی بھر ان کے خبرگیراں رہے ۔

مرزا اظفری اور اُن کے محل (بیگم صاحبۂ اظفری) ہمیشہ اپنے معاملات کے متعلق سوال و جواب نواب صاحب کی سرکار میں نواب سلطان النساء بیگم کے ذریعے کرتے رہتے تھے ۔ ایک روز بیگم صاحبہ موصوفہ نے شاہزادۂ معلی کی محل کی خواہش کے موافق اُن کو اور اُن کی دونوں لڑکیوں کو اپنے محل میں طلب فرمایا ' اور نہایت عزت و احترام کے ساتھہ اُن کی ملاقات سے شرف یاب ہوئیں ' اپنی دونوں بہنوں سے بھی ملاقات کرائی ۔ اور اُن کے ساتھہ بہت کچھہ سلوک و مراعات ' یک جہتی و محبت شفقت قلبی کا طریقہ مرعی رکھتی تھیں ۔

مہرزدہ خطوط اپنے ہاتھہ سے لکھکر ادائی کا اقرار کرتے ھیں- اِس کے علاوہ جب کبھی کوئی ضروری کام پیش آجاتا ھے تو اُسکے سرانجام میں بھی کوتاھی نہیں فرماتے- غرض ھم اُن کے گھر میں نہایت آرام کے ساتھہ ھیں، گویا اپنے گھر میں بیٹھے ھیں- بالفعل ھمارے دل میں کوئی فکر و تردد نہیں- آگے دیکھنا ھے کہ وہ خداے برتر جو کام کا اصلی بنانے والا ھے، پردۂ خفا سے کیا ظاھر کرتا ھے-

---

مبارک الدولہ قطب الملک حسن علی خاں بہادر مبارک جنگ کی عرضی، جو ھمارے قبائل کے لکھنؤ سے مچھلی بندر پہنچنے کے بارے میں ھمارے پاس آئی تھی

ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۴ھ کی پانچویں کو حضرت مقدسہ محل اشرف خیر و خوبی کے ساتھہ حضور کی جانب روانہ ھوی ھیں- ان شاء اللہ تقدس دیدار فیض آثار سے بہرہ ور ھونگی- بندے نے فرط عقیدت اور انتہاے حسن ارادت کے ساتھہ کچھہ مراتب خصوصیت اخلاص آثار لالہ بھگوان داس کے ذریعے پیش کئے ھیں- موصوف حضور میں پہنچا ئینگے اور آں جناب کی بزرگ ترین مہربانیوں سے امید ھے کہ وہ شرف قبول سے مقرون ھوں گے- زیادہ حد ادب-

---

ھمارے قبائل کا چینا پٹن مندراس پہنچنا

ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۴ھ کی گیارھویں تاریخ کو خشکی کے رستے سے جناب عالیہ حضرت والدہ صاحبہ خدا اُن کا سایہ ھمارے سر پر تادیر رکھے خیریت اور سلامتی کے ساتھہ ھمارے پاس پہنچیں- اِن کے ساتھہ ھمارے چھوٹے علاتی بھائی مرزا محمد امین الدین عرف مرزا امانی اور بیگم صاحبہ یعنے ھماری محل بھی تھیں- یہ نہایت عفیفہ اور صحیح النسب سادات سے ھیں- نواب خان دوراں خاں شہید مرحوم کے قرابت داروں میں ھیں- اِن کے ساتھہ ھماری شادی خاص حضرت قدر قدرت شاہ عالم بادشاہ عالم کے دست خاص سے لکھے ھوے حکم سے قلعۂ مبارک شاہ جہان آباد میں ھوی تھی- اُس وقت تک ھمارا کوئی نکاح یا شادی اور کسی

ادنٰی و اعلیٰ کے ساتھہ نہیں ہوی تھی، بلکہ اِس کا خیال بھی نہیں آتا تھا- بیگم صاحبہ کے ہمراہ میری دونوں نورچشم بیٹیاں بھی آگئیں- خدا اِن کی عمروں میں ترقی دے- ایک کا نام سعیدۃالنساء بیگم اور دوسری کا نام وجیہۃالنساء بیگم ھے- یہ دونوں "محل موصوفہ معتصمہ" ھی کے بطن سے ھیں- پہلی بچی قلعۂ شاہ جہاں آباد میں اور دوسری لکھنؤ میں پیدا ہوی تھی- غرضکہ الحمدللہ سب خیریت اور سلامتی کے ساتھہ پہنچ گئے- اگرچہ اثناے راہ میں بہت کچھہ اسباب تلف ہوگیا- اِس حسن خدمت کے صلے میں، میں نے اپنے دیوان کو راے کے خطاب اور خلعت سے سرفراز فرمایا، اور بہت شاباشی دی-

اس کے بعد جناب ہمشیرہ صاحبہ نواب سلطان النساء بیگم نے اِن سے ملاقات کی- اور نقد و جنس کے علاوہ جڑاؤ زیور، قیمتی کپڑے، بدری اور سونے چاندی کے برتن وغیرہ عطافرماے دونوں نورچشموں کو خوش کرنے کے لئے عمدہ عمدہ چینی کی گڑیوں اور کھلونوں سے تواضع کی- بچیوں کو جب کبھی کوئی ضرورت پیش آتی ھے، بہن صاحبہ موصوفہ اُن کی تکمیل میں ضرور امداد فرماتی اور دونوں پر دلی شفقت مبذول رکھتی ھیں-

ہماری سابقہ ماہوار کے علاوہ، نواب صاحب موصوف کی طرف سے والدہ صاحبہ کی، ہمارے محل اور بھائی کی تنخواہیں بھی مقرر ہوگئیں، جو ہماری تنخواہ کے ساتھہ برابر پہنچتی رہتی ھیں- اسی سال ہمارے چھوٹے محل میں ایک لڑکی پیدا ہوی، خداے تعالٰے عصمت و عفت کے ساتھہ اُسے طبعی عمر کو پہنچاے- نواب موصوف نے ایک مرتبہ حسینی باغ میں ہم سے ملاقات فرمائی- پان وغیرہ کی رسم ضیافت عمل میں آئی- دو تین بار برج داس کے باغ میں تشریف لائے، مگر دروازے پر ھی ملاقات کر کے چلے گئے-

---

شاہزادۂ سلیمان شکوہ بہادر کا پہلا رقعہ، جو ہمارے معتمد، راے بھگوان داس دیوان کے ہاتھہ ہمارے نام آیا تھا

میرے عزیز فرزند! ہمیشہ قادر ذوالجلال کی عنایتوں اور مہربانیوں کے مورد رہیں- بیحد دعاؤں اور بے حساب اشتیاق کے بعد آپ کے دل پر جو

اتحاد و محبت کے اثر سے معمور ہے منکشف ہو کہ اِس اثنا میں ہمارا الطاف منزل دل آپ کے حالات معلوم کرنے کے لئے متفکر تھا۔ آپ کے معتمد نے حضور میں حاضر ہوکر صحت و عافیت کی خوش خبری دی اور اُن اطراف میں آں فرزند کے خیریت سے پہنچنے کا حال عرض کیا۔ ہمارے عطوفت منزل دل کو مسرت و خوشی اور اطمینان و رفعت حاصل ہوئی۔ آں فرزند کے خلوص و محبت اور صدق ارادت کے مراتب ہزارگونہ یاد دہی اور یاد آوری کے مقتضی ہیں۔ آپ کی جانب سے یک جہتی کے جو مدارج مابدولت کے حضور ساطع النور میں ثابت ہوچکے ہیں۔ وہ شرح اور تفصیل کے محتاج نہیں۔ آں فرزند عزیز کے اِن مضبوط تعلقات کی وجہ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری مہربانیوں سے بھرے ہوے دل کو آپ ہر لمحہ اور ہر آن اپنی ارادت مندانہ حالت کی جانب متوجہ اور اس سے وابستہ تصور کریں۔ اپنی خیریت مزاج سے جو عقیدت و ارادت سے بھرا ہوا ہے، اکثر و بیشتر مطمئن اور مسرور کرتے رہیں۔ زیادہ شوق ملاقات اور دعاؤں کے سوا کیا لکھا جائے۔

اس شقہ کے ساتھ نواب صاحب کے نام جو شقہ آیا تھا، اُس کی نقل میرے پاس نہیں ہے۔

نواب خان دوراں خاں مرحوم کے نواسے نواب اشرف خاں کی عرضی جو بردوان سے ہمارے قبائل کے ہمراہ پہنچی

قبلۂ عالم و عالمیاں سلامت۔ سرفراز نامۂ نامی وحی آسمانی کی طرح راے بھگوان داس جیو کے ذریعے پہنچا جو حضور کے قبائل کے ہمراہ جارہے ہیں۔ اس خط نے عز ورود فرماکر ممتاز و معزز فرمایا۔ جن مراتب کی طرف راہ نمائی کی گئی تھی، اُن کی آگاھی کا شرف بخشا۔ خدا کا شکر اور احسان ہے کہ اُس نے ہم ترقی چاہنے والوں کی خواہش کے موافق ایک طرح سے حضور کے لئے وھاں کے قیام کی صورت ظہور پزیر فرمادی۔ خداے سبحانہ تعالےٰ جناب مستطاب کو روز بروز بہبودی اور خیر سے مقرون فرمائے۔ ”بمحمد و آلہ الامجاد“۔ حضور کے ایما کے موافق راے صاحب حضور کے قبائل کے ساتھ اس ضعیف کے مکان میں دو روز تشریف فرمارہے۔ پھر عنایت ایزدی کی رهنمائی میں اُس طرف روانہ ہوے۔ خداے سبحانہ تعالےٰ

بہت جلد اچھی طرح، خیر وعافیت کے ساتھ مقام مقصود پر پہنچائے۔ اُمید ہے کہ اپنے مزاج وہّاج کی صحت کی خوش خبری سے اس خیر طلب کو اکثر مفتخر اور شادماں فرماتے رہینگے۔ ملازمت کی آرزو کے سوا اور زیادہ کیا التماس کرے۔ الٰہی آفتاب اقبال ترقی پر رہے۔

نواب اشرف خاں کے بیٹے خواجہ محمد حسین خاں بہادر کی عرضی جو ہمارے قبائل کے ساتھ پہنچی تھی۔ یہ صاحب بردوان میں خاندوراں خاں مرحوم کے بھائی خواجہ انور شہید کے مقبرے میں رہا کرتے ہیں

قبلۂ عالم وعالمیاں۔ اِن مبارک ایام میں آں خداوند (جو بہت سی اُمیدوں کا مرجع ہیں) کے محترم قبائل کا نزول اجلال ہوا، جو اس جاں نثار فدوی کے لئے قسم قسم کے افتخار کا سبب اور طرح طرح کی عزت اور وقار کا موجب ہوا۔ ایزد منّان کا شکر اور سپاس ہے کہ اُس نے آپ جیسے بزرگی اور احسان والے آقا کو اپنے عام فضل و کرم سے عزت و وقار کے ساتھ اُس دیار میں ٹھہرنے کی صورت عطا فرمائی۔ خدا کا احسان ہے کہ ہم عقیدت مندوں کے دلوں میں جو کچھ آرزویں پنہاں تھیں، قوت کی کمین گاہ سے ظہور کے تختے پر جلوہ آرا ہوئیں۔ دعا ہے کہ وہ خدا عز اِسمہ ترقی چاہنے والوں کی خواہش سے زیادہ جناب کو اعلٰے مدارج اور مراتب پر فائز فرمائے۔ برب العباد۔ امید ہے کہ فدوی کو حضور پر نور اپنے وابستگان سے تصور فرماکر ہمیشہ عنایات آمیز شقوں کے شرف تحریر سے ممتاز و سرفراز فرماتے رہینگے۔ چونکہ حضور کے تفضلات اس فدوی کے حال پر مبذول ہیں۔ اسلئے ہمیشہ اور ہر وقت میرا عقیدت منزل دل حضور کی دولت ملازمت حاصل کرنے کا خواہاں اور امیدوار و نگراں رہا کرتا ہے۔ جس وقت بھی ملازمت ملازمان کی سعادت کے لئے ایماء اور ارشاد ہوگا، اُسی وقت حاضر حضور ہوجاؤں گا۔ آفتاب دولت و اقبال تابان و درخشاں باد۔

شاہزادۂ میرزا سلیماں شکوہ بہادر کے شقے کی نقل، جو ۲۹ جمادی الاول سنہ ۱۲۱۵ھ کو راقم کے نام آیا- یہ دست خاص کا لکھا ہوا تھا اور اس پر اُن کی چھوٹی مہر لگی تھی

سلطلت کی آنکھہ کی ٹھنڈک، جان سے زیادہ عزیز فرزند، برخوردار کامگار، راحت جاں محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر سلمہ اللہ ہمیشہ آپ شاہانہ الطاف کے مورد رہیں- اور معلوم کریں کہ آپ کی عرضی نظر سے گزری- جو کچھہ کیفیت درج تھی معلوم ہوئی- خدا کے فضل اور جناب رسالت پناہ کی عنایت سے اپنی جانب کے حالات سزاوار شکر ہیں- اور آں فرزند کے مزاج کی خیریت درکار ہے- اب اگر نواب صاحب کو شقہ لکھوں گا تو اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ کے معروضے کے مطابق اُسی القاب سے لکھوں گا- باقی حالات سیادت و نجابت مرتبت فدوی خاص لائق العنایات والاحسان میر بہادر علی خاں سے معلوم ہونگے- زیادہ والسلام-

تنبیہ: میر بہادر علی خاں عالی قدر سادات سے ہیں- اور اِن کی بیوی شاہزادۂ موصوف کی حقیقی خالہ ہیں-

---

شاہزادۂ موصوف کے اُس شقے کی نقل جو منشی کے ہاتھہ کا لکھا ہوا ہے اور اُس پر اُن کی خاص چھوٹی مہر لگی ہے اِس مہر پر شاہزادے کا یہ سجع کندہ ہے

"اِنہ من سلیمان و اِنہ بسم اللہ الرحمن الرحیم"

میرے عزیز فرزند! آپ ہمیشہ حافظ حقیقی کی حفاظت و حمایت میں رہیں- اور دونوں جہاں کے مطالب میں کامیاب ہوں- آپ کی بھیجی ہوی عرضی عین تردد اور دلی انتظار کی حالت میں پہنچی- آپ کی صحت و عافیت سے اطلاع حاصل ہوی، اور جو حالات عرض کئے گئے تھے وہ واضح و لائح ہوے- آپ نے لکھا تھا کہ ایں جانب کا شقہ نواب عمدۃالامراء کو عمدہ طور سے پہنچادیا- لیکن القاب میں ولی عہد میرزا اکبر شاہ بہادر کی تحریر کے موافق لفظ برادر لکھنا ضروری ہے- ایں جانب کے نوشتہ جات میں سے کسی ایک کا جواب بھی آں فرزند کی جانب سے وصول نہ ہوا- میرے فرزند عزیز! یہاں سے آں فرزند کو دو قطعے روانہ کئے گئے، لیکن آپ کے اِس عریضے کے سوا

اور عریضے ہماری نظر سے نہیں گزرے۔ کمال تردد کا سبب تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب تشویش دور ہوئی۔ ایک شقہ چھوٹے کاغذ پر نواب عمدۃالامراء بہادر کی خدمت میں پہنچانے کے لئے ''القاب برادر،، اور اشتیاق ملاقات، و ثناء کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔ اسکو پہنچاکر اُن کی عرضی جواب میں بھجوانا چاہئے۔ باقی مراتب سیادت مرتبت میر بہادر علی خاں کے ذریعے پہنچائے گئے ہیں۔ اُن کی تحریر سے دریافت کر کے آپ کو اُن کے حالات کی درستی اور استحکام میں دل سے مصروف رہنا چاہئے۔ ہرچند میرے دل کو یقین ہے کہ آں فرزند عزیز کو کہنے اور لکھنے کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی اُس دلی محبت کے تقاضے سے لکھتا ہوں، جو آپ میرے ساتھ رکھتے ہیں، امید ہے کہ آپ ہرگز غافل و عاطل نہ رہیں گے۔ بطور تاکید لکھا جاتا ہے کہ بہرطور آں فرزند کے مساعی جمیلہ اور بلیغ کوششوں کے اظہار سے ہم کمال درجہ ممنون اور شکرگزار ہوں گے۔ آں فرزند کا حسن عقیدت اور محبت ہمارے خاطر مبارک میں نقش ہے، اور آپ کو اپنا سب سے زیادہ عزیز جانتا ہوں۔ یقین ہے کہ ہماری دولت خواہی کے تمام امور میں آپ دل و جاں سے آمادہ و حاضر رہیں گے۔ میں بھی آں فرزند سے نہایت خوش اور رضامند ہوں۔ تمام وجوہ سے اپنی خاطر جمع رکھیں۔ اور جس امر کی تاکید کیگئی ہے، اس کی تکمیل کے لئے مصروف رہیں، اس سے زیادہ اور کیا لکھا جاے۔ آپ کو لازم ہے کہ اپنے مزاج کی صحت اور خیر و عافیت سے جلد جلد مسرور کرتے رہیں۔

فرزند عزیز از جان محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر حافظ حقیقی کی حفاظت میں رہیں۔ ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۵ھ۔

شاہزادۂ موصوف نے ایک شقہ لکھنؤ سے نواب عمدۃالامراء بہادر کے نام بھیجا تھا۔ نواب موصوف نے اس کو کھول کر پڑھا اور پڑھ کر میرے پاس بھجوادیا۔ میں نے اس کی نقل لےکر رکھ لی تھی جو درج ذیل ہے:

تاریخ ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۵ھ

امارت و ایالت پناہ، حشمت و شوکت دستگاہ، اعتضاد خلافت و فرمانروائی اعتماد سلطنت و کشور کشائی، اسوۂ مخلصان درگاہ، عمدۂ مخصوصان بارگاہ، قدوۂ خوانین بلند مکان۔ زبدۂ امراے رفیع الشان، مطرح انظار عنایت

متوالی، مورد الطاف متعالی، محرم خلوت خاص، انیس بزم با اختصاص، لائق العنایت والاحسان، قابل المرحمت والامتنان۔ برادر عزیز از جان ہماری طرح طرح کی عنایات سے مفتخر اور مباہی رہ کر معلوم کریں کہ اس اثنا میں فرزند عزیز از جان محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر کی تحریر سے آں امارت و ایالت پناہ کی صحت و عافیت کا مژدہ پاکر کمال مسرت و شادمانی حاصل ہوی۔ آپ کے اخلاق حمیدہ اور پسندیدہ صفات از بسکہ سامعہ افروز ہوے۔ باوصفے کہ رسل و رسائل کا سلسلہ جاری نہیں۔ لیکن میں اپنے خاطر عاطر میں جو اشتیاق اور باطنی شوق و ذوق رکھتا ہوں، وہی اس طرف سے خیریت دریافت کرنے اور رسائل شوق کے سلسلے کو حرکت میں لانے کا سبب ہوا۔ اُسی کے اشارے پر عمل پیرا ہوکر یہ شقہ لکھا گیا۔ آں برادر عزیز کی خوبیوں کا مقتضٰے اور ارادت و عقیدت کا یہ فریضہ ہے کہ ہمیں اپنی خیر و عافیت کا جویا اور مشتاق سمجھکر ہمیشہ اِس خوش خبری سے شاد کرتے رہیں۔ فرزند عزیز میرزا علی بخت بہادر آپ کے حسنِ سلوک، مروت اور جوانمردی کے بہت بہت شکرگزار اور آپ کے اوصاف میں ترزبان ہیں۔ عزیز موصوف کا آں قوت بازوے خلافت کے پاس رہنا نہایت مناسب، بہتر اور ہمارے دل کی کمال خوشی کا باعث ہے۔ خدا کے فضل سے وَہ قابلیت، اور فہم و فراست سے مہذب و آراستہ ہیں۔ اور اس زمانے میں دوستوں کی خیرخواہی میں بے نظیر ہیں۔ جس امر کی نسبت جناب اظہار فرمائینگے، یقیناً اُس کا سننا اور پسند کرنا ہر اہم معاملے میں اُن کے لئے بہتری اور ترقی کا باعث ہوگا۔ ہم کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ سمجھتے رہیں۔

لفافے پر مہر اور یہ عبارت لکھی تھی: اُنتیس جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۵ ھ۔ سر نامہ پر لکھا تھا: "امارت و ایالت پناہ، حشمت و شوکت دستگاہ، اعتضاد خلافت و فرمانروائی، برادر عزیز از جان، عمدۃالامرا امیرالہند عمدۃالملک، اسدالدولہ انورالدین خاں، حسین علی خاں بہادر ذوالفقار جنگ"۔

شاهزادۂ موصوف کے ایک دوسرے شقے کی نقل جو اسی مہینے میرے نام پہنچا تھا۔ اُس پر بھی چھوٹی دستی مہر لگی تھی

میرے فرزند عزیز محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر ہمیشہ اس حافظ حقیقی کی حفاظت و حمایت اور مطالب دارین سے کامیاب رہیں۔ سیادت و نجابت مرتبت میر بہادر علی خاں کی معرفت آپ کی مرسلہ عرضی پہنچی۔ اُسلیے مسرت اور خوشی دکھائی، اس کے مضمون سے آگاهی اور دریافت صحت سے نہایت درجہ اطمینان خاطر حاصل ہوا۔ حقیقت میں آں فرزند عزیز کی محبت اور ارادت، دولت خواهی و خیرسگالی ہمارے دل پر منقوش اور ہمارے گمان کے موافق ہے۔ اور حد قیاس سے زیادہ ہم اُس کے متوقع ہیں، اسقدر کہ بیان و اظہار کی ضرورت نہیں۔ آں فرزند کا اُس دیار میں رہنا میرے لئے اطمینان و دل جمعی کا باعث ہے۔ بلکہ بعینہ خود اپنا رہنا تصور کرتا ہوں۔ یقین ہے کہ جو کام بھی میری دولت خواهی کا سبب ہوگا، ہرگز آپ اس میں کسی قسم کی کوتاهی نہ کرینگے۔ ضروری ہے کہ اسی طرح اپنی خیریت لکھواتے رہیں، اور سمجھہ لیں کہ ہم آپ کی یاد میں ہیں۔

میرزا سکندر شکوہ عرف میرزا جھینگا کے شقے کی نقل جو اسی مہینے میرے نام پہنچا تھا۔ یہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے اور میرزا سلیمان شکوہ موصوف کے سگے بھائی ہیں

فرزند عزیز از جان محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر، آپ ہمیشہ مورد تفضلات اور بعافیت رہیں۔ مرسلہ عرضی ہماری نظر فیض مظہر سے گزری، مندرجہ کیفیت معلوم ہوئی۔ نواب عمدۃالامرا بہادر سے عرائض حاصل کرنے کے باب میں اپنے کوشاں رہنے کے متعلق آپ نے جو کچھہ لکھا ہے سب معلوم ہوا۔ حقیقت میں یہ بات آپ کی عقیدت مندی سے بعید نہیں۔ یقین ہے کہ ہمارے معاملات میں کسی طرح سے قاصر نہ رہینگے۔ آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ آپ کے نام حضرت قدر قدرت کے شقے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسلئے میں اس مضمون کی ایک عرضداشت حضور میں روانہ کرتا ہوں۔ جس وقت شقے حاصل ہوں گے آپ کو بھجوادوں گا۔ دوسری بات

یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے حضور پرنور حضرت ظل سبحانی خلداللہ ملکہ کی جانب سے ایک ملبوس خاص نواب عمدۃالامراء بہادر کے لئے روانہ ہوا ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے قلم عطوفت رقم سے تحریر کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اپنی خیریت کے عرائض روانہ کرتے رہیں۔ کیونکہ اس سے ہمارے دل کا اطمینان متصور ہے، اور مابدولت کو ہمیشہ اپنی یاد میں مشغول سمجھیں۔ دوسری کیفیتیں فدوی خاص سید شمس الدولہ کی تحریر سے ظاہر ہونگی۔

شاہزادۂ میرزا سکندر شکوہ کے اُس شقے کی نقل جو لکھنؤ سے میری معرفت نواب عمدۃالامراء کے نام ۱۶ شعبان المعظم سنہ ۱۲۱۵ھ کو آیا تھا

امارت و ایالت پناہ، حشمت و شوکت دستگاہ، اعتضاد خلافت و فرمانروائی، اعتماد سلطنت و کشور کشائی، اسوۂ مخلصان درگاہ، عمدۂ مخصوصان بارگاہ، ذروۂ خوانین بلند مکان، زبدۂ اُمرائے ذی شان، لائق العنایت والا حسان، برادر عزیز از جان امیرالہند والا جاہ عمدۃالامراء اسدالدولہ انورالدین خان حسین علی خان بہادر ذوالفقار جنگ مورد تفضلات رہکر مفتخر رہیں۔

فرزند عزیز محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر کی اکثر عرضیوں سے آپ کی عقیدت مندی کی حقیقتیں اور آں خاصان بارگاہ کی خوبیاں حضور اقدس میں منکشف ہوتی رہی ہیں۔ جو شاہانہ مہربانیوں کے ازدیاد کا سبب اور سلطانی عنایت و عاطفت کا مزید موجب ہوئیں۔ اس لئے اپنے قلم فیض توام سے جو صفحۂ ہستی کو زینت دینے والا ہے۔ لکھا جاتا ہے کہ آپ کی عقیدت مندی کا لازمہ یہ ہے کہ اپنی خیر و عافیت کی اکثر عرضیاں ہمارے حضور میں ارسال کرتے رہیں، تاکہ خاطر اقدس کی مسرت کو بڑھاتی رہیں۔ اور جس وقت کوئی امر ایں جانب کے توسط سے حضرت ظل سبحانی خلداللہ ملکہ و سلطنتہ کے حضور سے تعلق رکھتا ہو، بےتامل ایسا فرمادیا کریں۔ خدا نے چاہا تو اس باب میں شایستہ عنوان کے ساتھ ہماری بلیغ کوشش مبذول رہے گی۔

نواب صاحب کے اُس مکتوب مودت اسلوب کی نقل جو دونوں شاهزادوں کے شقوں کی رسید اور جواب میں یکم رمضان سنه صدر کو میرے پاس پہنچا

سعادت توام نشانات کے شقے پہنچنے سے بہت کچھه سعادتیں حاصل کیں۔ خدانے چاها تو بہت جلد آں جناب کی معرفت جوابات لکھواکر اور تحائف بھجواکر بہرہ‌ور هوتا هوں۔ تحائف اور نشانات ماسبق کے جوابات کی تحریر میں جو دیر هوئی هے، اس سے جناب کے خاطر گرامی میں کچھه تعجب پیدا هوا هوگا۔ مگر:

کجا دانند حال ما سکبساران ساحلها

اتفاقی امور کا هجوم میرے لئے تعویق کی تائید کرتا رها۔ الله معنا و معکم۔

غلام حسین

اِن دونوں شاهزادوں کے اور جو شقے آئے تھے، اُن کے متعلق نواب صاحب معز نے اسی سنه میں مجھے ایک رقعه لکھا، جسکی نقل درج ذیل هے۔ اُسی میں میر محمد تقی میر دهلوی کو مدراس بلانے کا وعدہ کیا تھا، جو میرے استاد اور بے نظیر شاعر هیں۔ خدا اُنهیں سلامت رکھے۔

"آپ کی تحریروں کو اپنی آنکھوں کا سواد بنایا۔ شاهزادے کا نشان (مکتوب) جو میرے نام تھا، رکھه لیا هے۔ باقی کاغذات لفافے میں ارسال کرتا هوں۔ الله تعالےٰ نے چاها تو میر محمد تقی میر کو آپ کی معرفت بلوائے لیتا هوں۔ الله معنا و معکم"۔

غلام حسین

نواب صاحب کے ایک اور رقعے کی نقل جو میرے رقعے کے جواب اور شاهزادوں کے شقوں کی رسید میں، اسی ماہ و سنه میں آیا تھا۔ یه رقعه موصوف نے اپنے خاص خط سے قلم سرمهٔ فرنگی (پنسل) سے لکھا تھا

جناب کے رقعهٔ گرامی نے معه شقهٔ مکرم کے وارد هوکر معزز فرمایا۔ اگرچه یہاں کی کیفیتیں بیان میں نہیں لاتا هوں، پھر بھی جناب کے باورچی‌خانهٔ

خاص کی ماہوار بھیجنے میں جو تعویق ہوی، اُس سے آپ جیسے نکتہ فہموں کو حال معلوم ہوجائیگا- محض اُس قادر لایزال کی بےمثال مہربانیوں سے اس ضعیف کے کام سرانجام پا رہے ہیں- جناب کی خدمت میں شقۂ مکرم کا جواب لکھنے میں یہ امر مانع ہے کہ چاہتا ہوں پہلی بار تحفوں کے ساتھہ جواب روانہ کروں- اِن شاء اللہ المستعان بہت جلد اِس دولت سعادت کو حاصل کروں گا- ماہوار کی تاخیر سے آں جناب اپنے خاطر کو مکدر نہ کریں- آیندہ ایسی تکلیف نہ ہوگی- اللہ معنا و معکم- غلام حسین

میرے چچیرے بھائی مرزا تاج الدین کے مدراس آنے کا بیان*

اسی سال بقر عید کے مہینے میں میرزا محمد تاج الدین نامی اپنے متعلقین کے ساتھہ یہاں پہنچے- موصوف ہمارے چچاؤں کے فرزندوں میں ہیں- عمر میں ہم سے بہت بڑے اور بہت بال بچوں والے ہیں- جس وقت یہ مدراس پہنچے، نواب عمدۃالامراء بہادر مرض موت میں گرفتار تھے- مگر امیرالدولہ بہادر امیر جنگ کی وساطت سے جو نواب والاجاہ مرحوم کے حقیقی بھانجے ہیں، میرزا صاحب موصوف کی تھوڑی بہت ماہانہ مدد معاش مقرر اور ایک ماہوار وصول بھی ہوگئی- نواب موصوف کی وفات کے بعد اسی سال کمپنی انگریز بہادر کی سرکار سے اِن کے نام چار سو روپیہ ماہانہ مقرر ہوگئے، جو والاجاہی خاندان وغیرہ کے ساتھہ پاتے اور اپنی بسر اوقات کرتے ہیں- عرصے سے اِنہیں خشکی دماغ کا عارضہ لاحق ہے- اللہ تعالیٰ شفاے عاجل اور صحت کامل عطا فرمائے- آمین-

---

* سوانحات ممتاز کا بیان:

سنہ ۱۲۱٦ھ میں میرزا تاج الدین بہادر شاہزادہ اپنے محلات اور فرزندوں کے ساتھہ نواب عمدۃالامرا کی حکومت کے آخر میں مدراس پہنچے- مگر ایسے وقت کہ نواب مرض الموت کی حالت میں تھے- دادے شاہ کے باغ میں فروکش ہوے- نواب صاحب کی شدید بیماری کے سبب اُن سے ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا- مگر جناب بندگان عالی حضرت نواب عظیم الدولہ بہادر امیرالہند والاجاہ ثالث نے اپنی مسند نشینی کے بعد کلس محل کے بڑے دیوان خانے میں عزت و تکریم کے ساتھہ ملاقات کی-

وزیر معزول عمادالملک متخلص بہ نظاؔم مغفور کے انتقال کی خبر پہنچنے کا بیان

اسی سال سننے میں آیا کہ نواب عمادالملک غازی الدین خاں بہادر وزیر معزول متخلص بہ نظاؔم کسی مصلحت کی بنا پر مہاران سے نواح کالپی میں پہنچے اور اپنی جاگیر معاش میں وفات پائی۔ اُن پر خدا کی رحمت ہو۔

اُس شقے کی نقل جو میرزا سلیمان شکوہ کی جانب سے میرے نام پہنچا۔ اُس کے ساتھ میری معرفت نواب سلطان النساء بیگم کے نام کا شقہ بھی تھا، یہ شقے نواب مغفرت مآب کی وفات کے بعد لکھنؤ سے ہمیں پہنچے اور ماہ صفر سنہ ۱۲۱۶ھ کی اُنتیسویں کے لکھے ہوئے تھے

میرے عزیز فرزند محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر! خدا کی حمایت اور دونوں جہاں کے مقاصد میں کامیاب رہیں۔ مسرت طراز عریضہ عین انتظار میں خوشیاں لئے ہوئے پہنچا۔ آں فرزند کی خیر و عافیت سے کمال درجہ خوش اور مطمئن کیا۔ مندرجہ حقیقت واضح ہوئی۔ آں فرزند کی محبت اور عقیدت کے مراتب میرے ضمیر میں نقش پزیر ہیں۔ اور آپ کے حسن کوشش سے ہم بہت خوش ہیں۔ آں فرزند کے اظہار سے بھی زیادہ آپ کی دولت خواہی اور جانفشانی کے مدارج میرے دل میں جگہ رکھتے ہیں۔ اعتماد سلطنت برادر عزیز از جان نواب عمدۃالامراء بہادر کو ہمارا شقہ پہنچا دینے کے حالات معلوم ہوئے اور یہ بھی کہ وہ عرضی اور سوغات بھیجنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ برادر عزیز نواب موصوف کی جانب سے جواب پہنچنے میں ذرا دیر ہے، تاہم برادر موصوف کی بہن نواب سلطان النساء بیگم صاحبہ کو شقہ لکھا جائے۔ اُسی ایما کے موافق ایک ملفوف شقہ مسماۃ موصوفہ کے نام روانہ ہے، آپ پہنچادیں، اور جواب لےکر یہاں بھیجدیں۔ ہمیں رات دن اپنی طرف متوجہ اور اپنی صحت و عافیت

کا طالب سمجھکر اپنی خیریت کی خوش خبری سے مسرور کرتے رهیں۔ زیادہ اشتیاق آمیز دعاؤں کے سوا کیا لکھا جائے۔ آپ کے دیوان فدوی خاص عقیدت اختصاص رائے بھگوان داس کو مہربانی آمیز دعائیں۔

اُس شقے کی نقل جو نواب سلطان النساء بیگم موصوفہ کے نام آیا تھا

زیب حریم عصمت و عفت، زینت دودمان عزت و حرمت، فراست و شعور کی بزم کو زینت دینے والی اور حضور کی (ہماری) خاص الخاص دولت خواہ، همشیرۂ معظمہ محترمہ مکرمہ سلطان النساء بیگم سلمہا اللہ تعالٰے۔

بہت بہت دعا اور گلزار مدعا کی گلدستہ بندی کے بعد معلوم ہو کہ اپنے سابقہ روابط کے اقتضا سے برادر عزیز از جان، عمدۃالامراء والاجاہ بہادر کی صحت و عافیت معلوم کرنے کے لئے ہمارا خاطر عاطر همیشہ متوجہ اور متعلق رهتا ہے۔ اِس لئے کئی شقے فرزند عزیز از جان محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر کی معرفت بھیجے گئے۔ اور اب اُنہیں فرزند عزیز کے لکھنے سے آں همشیرۂ معظمہ کے عمدہ صفات، پسندیدہ خصائل، نیکیاں اور خوبیاں معلوم ہوئیں۔ ہم بہت خوش اور مسرور ہوے۔ ہماری دلی عطوفت اور مہربانی کا تقاضا ہوا کہ اگرچہ خط و کتابت کا سلسلہ آپ کی طرف سے جاری نہیں ہوا ہے، تاہم آپ کی صحت و عافیت کا احوال پوچھتے رهنا، اپنے خاندان والا شان کے دستور کے مطابق ہمارے لئے مستحسن و محمود ہے۔ اِس لئے خامۂ الطاف شمامہ سے لکھا جاتا ہے کہ ہم کو اپنے مزاج کی صحت کا جویا سمجھکر نوید عافیت سے مسرور کرتی رهیں۔ اور اپنے بھائی اعتماد سلطنت عمدۃالامراء بہادر سے فرمائیں کہ یہاں سے دو قطعہ شقے، فرزند عزیز محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر کی معرفت، جناب کے نام بھیجے گئے ہیں۔ آپ کی برادرانہ محبت اور ارادت سے بعید ہے کہ اب تک جواب سے ہمیں خوش و خرم نہ فرمایا۔ چاہئے کہ آں همشیرۂ معظمہ مابدولت کی وکالت فرماکر برادر عزیز موصوف سے جواب حاصل کرکے اپنے جواب کے ساتھ جلد ہمیں خوشنود کریں۔ کہ کمال

درجہ مابدولت کی استرضائے خاطر کا سبب ہوگا- فرزند عزیز کا پاس خاطر اور دل جوئی عین مابدولت کی خوشنودی ہے- زیادہ آں ہمشیرہ کی خوبیوں کے اشتیاق کے سوا کیا لکھا جائے-

---

راقم کے نام مرشد زادۂ موصوف کے خالو کمترین میر بہادر علی کی عرضی- تاریخ و سنہ صدر

جناب عالمیاں مآب قبلہ و کعبۂ دوجہاں سلامت-

کمترین میر بہادر علی آداب و تسلیمات، کور نشات بندگی اور ملاقات کی سعادت حاصل کرنے کی تمنّا کے بعد جو بیحد فوائد رساں اور ہمارے مطالب عظمٰی کا خلاصہ ہے- عرض کرتا ہے کہ عنایت نامۂ عظامی نے عین انتظار میں صاحب عالم عالمیاں کے نام کے عریضے کے ساتھ عز اجلال فرمایا، اور سرفراز و ممتاز کیا- ذات بابرکات کی صحت اور سلامتی پر اطمینان خاطر حاصل کرکے خدا کے شکر کا سجدہ بجالایا، مندرجہ حقیقت واضح ہوئی- نواب سلطان النساء بیگم صاحبہ کے نام حضور کا شقہ بھجوانے اور دیگر معاملات کے بارے میں تفصیل اور تشریح کے ساتھ جو کچھ بھی آں جناب نے لکھا تھا، کمترین نے حضور پرنور میں عرض کیا- اور اُس کے مطابق حضور سے ایک شقہ نواب موصوف کے نام کا آں جناب کے نام کے شقے کے ساتھ ملفوف بھجوا گیا ہے، مطالعۂ ساطعہ میں آئیگا- جناب صاحب عالم دام اقبالہ آں جناب سے نہایت رضامند ہیں- آں جناب خود بھی عرائض لکھیے نیز نواب عمدۃالامراء بہادر اور نواب صاحبہ موصوفہ سے شقہ جات کے جوابات بھجوانے میں دیر نہ فرمائیں، تاکہ کمترین کے اطمینان خاطر میں اضافہ ہو- اور جو مرکوزات دلی جناب کے پیش نظر ہیں، اُن سے غافل نہ رہیں- زیادہ حد ادب-

---

ماہ ذیحجہ سنہ ۱۲۱۵ھ میں شاہزادوں کی خدمت میں سوغات، تحفے اور نذریں بھیجنے کے لئے نواب صاحب کا وعدہ فرمانا اور موصوف کی وفات کے حالات کا مختصر بیان

عیدالضحیٰ کے دن، تیسرے پہر کے وقت نواب موصوف اور بیگم صاحبہ موصوفہ نے ہمیں طلب فرمایا اور رسم ضیافت بجالائے- میں نے شاہزادوں کے شقوں کے جوابات کا ذکر چھیڑا تو مسکراتے ہوے نہایت شیریں زبانی سے فرمایا کہ ''اس تاخیر کی معذرت میں کمترین نے خدمت گرامی میں چند نیاز نامے بھیجے ہیں، اُن کی خلاف ورزی نہ ہوگی- خدا نے چاہا تو کل پھر جناب سامی کو زحمت دوں گا، اور مفصل عرض کروں گا- سوغات، ہدیوں اور نذرانوں کی کشتیاں تیار کرکے رکھوائی ہیں- جناب ہی کی معرفت دونوں شاہزادوں کو روانہ کروں گا''- اس کے بعد میں رخصت ہوکر اپنے گھر چلا آیا- دوسرے روز تیسرے پہر کو پھر نہایت منت واصرار سے طلب کیا- میں اپنے بھائی میرزا محمد امین‌الدین اور اپنے دیوان راے بھگوان داس کے ساتھ گیا- نواب موصوف نے دروازے تک استقبال کیا، میرا ہاتھ پکڑے ہوے اندر لے گئے اور خلوت کرادی- یہاں اب صرف اُن کے بھتیجے تاج‌الامراء، سید شجاعت علی خاں، ہمارے بھائی اور دیوان موجود تھے- اِن چار کے سوا کوئی نہ تھا- شاہزادوں کو جوابات، سوغات اور نذرانے روانہ کرنے میں جو تاخیر ہوی تھی، اس کے کئی ایسے اسباب اور بین عذر بیان کئے جنھیں عقل نے باور کر لیا- اُسکے بعد کہا: اگرچہ یہ چیزیں اُن بلند اقبال مرشد زادوں کے لائق نہیں، لیکن بالفعل سوغات و تحفہ‌جات اور نقد نذرانے کی چند کشتیاں دونوں مرشدزادوں کے لئے تیار کراکے رکھی ہیں- اسی مہینے خدمت گرامی میں بھیجدوں گا تاکہ جناب اپنی معرفت روانہ فرمائیں- میں نے کہا ''مجھے منظور نہیں کہ یہ کام میری معرفت ہو- اس لئے کہ ہماری سرکار کے لوگ ہمیشہ میرے خطوط وغیرہ لے کر آتے جاتے ہیں- اگر آپ مرشد زادوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں تو اپنے معتمدوں کے ذریعے یہ نذرانے، خطوط اور تحائف روانہ فرمائیں''- نواب صاحب نے اس بارے میں بہت سے عذر کئے، اور سخت قسمیں دیکر اس کام کا سرانجام میرے ہی ذمے رکھا- کہا کہ یہ امانت سرکار کے دیوان کو سپرد کئے دیتا ہوں- اور ایک عرضی

جناب سامی کے نام اس طرح لکھے دیتا ہوں کہ میری وہی عرضی جناب اپنی عرضی کے ساتھ مرشدزادوں کی خدمت میں بھجوادیں، اور رسیدیں طلب فرمالیں- غرض نواب صاحب نے میرے دیوان راے بھگوان داس کے لئے ایک جہاز کا انتظام کیا- اور اُسکا خرچ بھی مقرر فرمادیا تاکہ اُس میں سوغات اور نذرانے کا زر نقد وغیرہ اپنے همراہ لےجاکر پہنچائے- اور جوابات لے کر جلدتر اُسی جہاز پر واپس آجائے- اِن اُمور کے طے پاجانے کے بعد میں نے پوچھا کہ " سنا ہے جناب کے دشمنوں کے بدن پہ چند روز سے کچھہ چھوٹی بڑی پھنسیاں نکل آئی ہیں- یہ خارش کی قسم سے ہیں یا کوئی دوسرا مواد ہے- اسی وقت مجھے چند پھنسیاں بتائیں اور کہا کہ یہ اسی ذیقعدہ کے مہینے سے جلن اور چبھن کے ساتھہ نمودار ہوئی ہیں- دیکھنا ہے کس قسم کا مواد ہے- میں نے کہا علاج کے لئے حکیم احمداللہ خاں دہلوی کی طرف رجوع فرمائیں وہ حکیم میر حسن دہلوی کے شاگرد رشید ہیں، عمر و زید کے علاج سے اجتناب رکھیں- ضرور اس باب میں احتیاط سے کام لیں- پھر رخصت ہوکر میں اپنے گھر چلا آیا- القصہ اُسی مہینے کے آخر میں نواب موصوف کی پیٹھہ اور پہلو پر دملوں کے عارضے نے شدت دکھائی- روز بروز مرض بڑہ رہا تھا- محرم الحرام اور صفرالمظفر سنہ ۱۲۱۶ھ کے پورے دو مہینے نہایت بےچینی اور بیقراری کے ساتھہ گذرے- یورپ کے حکماء یعنی بڑے بڑے عقل و دانش والے ڈاکٹر علاج کے لئے مامور تھے- لیکن:

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود
واں دوا در راہ خود گمرہ شود

ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۶ھ کی تیسری تاریخ کو بدہ کے دن پانچ گھڑی دن گزرنے پر نواب صاحب نے اپنی زندگی کی ودیعت خازنان جنت کے حوالے کردی، اور اپنا سامان ہستی اِس دار دنیا سے لے کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے- خدا اُن کی مغفرت کرے- مجھے بیحد صدمہ ہوا، اور چند شعر اُن کی تاریخ وفات کے کہے، جو درج ذیل ہیں-

فغاں! وداع جہاں کرد عمدۃالامرا
دگر عروس دکن ہم چو اونیابد جفت

به خلقها همه خُلق محمدی می داشت
که بود، کز دل او گرد غم ز رحم نه رفت
غریب پرور و مهماں نواز بود و کریم
ممد شاه و گدا بود آشکار و نهفت
چهار شنبه و سوم ربیع اول بود
که از سریر ریاست به تخت میت خفت
چو جست اظفری تاریخ ایں غم عمدهٔ
۱۲۱۶ھ
خرد ز روے تحیر چراغ بود بگفت

نہایت ہی متحمل مزاج، متین، عاقبت اندیش، نکتہ بیں اور اخلاق مؤمنین سے آراستہ انسان تھے- فارسی خاصکر ریختہ میں شعر بہت اچھا اور بہ نسبت دکھنیوں کے خوب کہتے تھے- اپنا تخلص ممتاز رکھا تھا- بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی، تفنن طبع سے بھی بہرہ یاب تھے- اکثر فوراً بر محل جواب دیتے تھے- اِن کے طبع زاد چند اشعار لکھے جاتے ہیں:

میں بچائے ہوے اِس دل کو لئے پھرتا ہوں
آہ کیا عقدۂ مشکل کو لئے پھرتا ہوں
ہم کو منظور نہیں قصرامل کی تعمیر
عمر جوں سایۂ دیوار ڈھلی جاتی ہے
دامن کو تیرے کھینچ کے چھوڑے ہر آن دل
باعث لٹک کے چلنے کا تیرے ہے جان! دل
یا تکمۂ قبا ہو تو، یا چھاتی کا پدک
ہرگز نہ چھوڑیو تو یہ دونوں مکان دل

عظیم الدولہ بہادر امیرالہند والاجاہ ثالث سلمہ اللہ کی نوابی کا ذکر، جو نواب محمد علی خاں بہادر امیرالہند والاجاہ کے منجھلے بیٹے نواب امیرالامراء غفراللہ لہما کے فرزند ہیں- اس سال اس ضمن میں اور جو جو حالات پیش آئے وہ بھی لکھے جاتے ہیں

نواب عمدۃالامراء بہادر مرحوم کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے علی حسین جن کا خطاب تاج الامراء اور تخلص ماجد تھا، اپنے باپ کی امارت حاصل کرنے

پر آمادہ ہوے۔ لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر میسر نہ آئی، اور یہ نقش اُن کی مراد کے موافق صورت پذیر نہ ہوا۔ بادشاہ انگلستان کی حکومت کے امینوں نے اپنی طور پر بندوبست کرکے ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۶ھ کی انیسویں تاریخ کو امیرالامراء بہادر مرحوم کے بیٹے کو مسند ریاست پر بٹھایا اور انہیں کے نام نامی سے نوابی کی نوبت بجوائی۔ اُنہیں امیرالہند، والاجاہ عظیم الدولہ کا خطاب دیا، اور اُن کے حالات و حیثیت کے لائق ماہانہ معاش اور سالانہ آمدنی کا پانچواں حصہ مقرر کردیا۔ سارے مالی اور ملکی کار و بار پر خود قبضہ کرلیا۔ عالم علوی کے کارکنوں نے جو کچھہ ہماری معاش مقرر کر رکھی تھی وہ بھی والاجاھی خاندان وغیرہ کے ساتھہ معین کردی گئی۔ ہر مہینے بلا حجت بڑے آرام کے ساتھہ ''النصیب یصیب،، کے مطابق پہنچتی رہتی ہے۔ اس وقت ہم گوشۂ گمنامی میں بیٹھے ہوے۔ بیکار لوگوں کی طرح محض بیکار و بے اعتبار ہوکر اپنی مستعار زندگی کے دن گن رہے ہیں۔ اور منتظر ہیں کہ داعی موت کب پہنچتا ہے، کب ہم اس کی آواز پر لبیک کہکر اس دار ناپائیدار کو چھوڑتے ہیں، اور عدم کے زاویۂ بقا میں جا کر پناہ لیتے ہیں۔

اُسی مہینے میں عظیم الدولہ بہادر نواب ہونے کے بعد راقم کے مکان پر تشریف لائے۔ میں نے ایک سربستہ دستار مع گوشوارہ تبرکاً اُن کے سر پر رکھدی۔ وہ اپنے بزرگوں کے طریقے پر آداب بجالاکر بیٹھہ گئے، اُن کی موروثی خوش اخلاقی کے ہم بہت شکرگزار ہوے۔ عطر و پان کی رسم ادا کی۔ اسی طرح میرزا ھمایوں بخت کے مکان پر بھی تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے بھی تبرکاً کچھہ دیا۔ اور نواب صاحب کے اخلاق سے بہت شاد ہوے۔ اِس کے بعد نواب صاحب نے ہمیں اپنے مکان پر بلوایا۔ دروازے تک استقبال کیا، اور میرا ھاتھہ پکڑے ہوے اندر لے گئے، مسند پر بٹھایا، اور خاطرخواہ پان، عطر وغیرہ کی رسم بجالائے۔ رخصت کے وقت بھی باغ کے دروازے تک رسم مشایعت ادا کی۔ ہمیں سوار کرایا، اور سلام کرکے رخصت ہوے۔ ہم نے انہیں نہایت پسندیدہ اخلاق اور عمدہ اوصاف کا آدمی پایا، اور بہت مسرور ہوے۔ خداے تعالٰے ہمیشہ اُن کی ذات گرامی کو انہیں پسندیدہ صفات کے ساتھہ، بغیر کسی رنج و ملال کے مسند ریاست پر برقرار اور بیہودہ گفتار و کردار کی بدنامیوں سے مامون و محفوظ رکھے۔ ہمارے

ساتھ نہایت شایستہ سلوک اور عمدہ برتاؤ کرتے رہتے ہیں- ہمیں جو کچھہ ضروری کام شادی اور مہمانی وغیرہ کا پیش آتا ہے، بے توقف امداد فرماتے ہیں- شادی، مہمانی، جشن، فاتحہ و درود نیز بزرگوں کے عرس اور سیر تماشے وغیرہ میں عزت و حرمت کے ساتھہ دعوت دے کر ہمیں بلاتے بٹھاتے اور ضیافت کی رسم پاندان و عطردان وغیرہ کے ساتھہ بجالاتے ہیں- اُن کی محل عالیہ یعنے نواب بیگم صاحبہ اپنے سارے خاندان میں نہایت عالی ہمت اور نیک سیرت ہیں- اپنے پرائے سب سے خاصکر ہم اور ہمارے محلات سے شادی و مہمانی میں دعوت دیکر بہترین سلوک کرتی رہتی ہیں، عمدہ اخلاق سے پیش آتی ہیں- ہمیشہ ہر طرح سے ہمیں خوش رکھتی ہیں- اِن کے سب سے بڑے نیک اختر بیٹے فخرالامراء بہادر نہایت صالح نوجوان اور مؤدب و مہذب انسان ہیں- بلکہ اپنے والد سے بھی زیادہ با اخلاق ہیں- چھوٹے بیٹے کا نام محمد علی خاں بہادر ہے، یہ ابھی بچے ہیں- مگر چہرے سے شایستگی کی علامتیں نمایاں ہیں- عظیم الدولہ کی نوابی کے دوسرے سال کے آغاز میں پیدا ہوے، خدا اِن سب کو سلامت رکھے-

---

راقم کے یہاں لڑکی پیدا ہونے کا بیان

اسی سال ۱۰ جمادی الاول سنہ ۱۲۱۱ھ کو ہماری چھوٹی محل سے ایک بیٹی پیدا ہوی- ہم نے سارا بیگم نام اور جانی بیگم عرف رکھا- خداے تعالیٰ صحت و عافیت اور عفت و عزت کے ساتھہ عمر طبعی کو پہنچائے- اور خاطرخواہ اطمینان عطا فرمائے- بمنہ و کمال کرمہ-

---

سرفرازالدولہ ناظم‌الملک مرزا احسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ کی وفات کا ذکر

اسی سال (سنہ ۱۲۱۶ھ) میرے برادر جان میرزا جلال‌الدین بہادر کی تحریر پہنچی، جو اُنہوں نے لکھنؤ سے بھیجی تھی، اُس سے یہ اطلاع ملی کہ ماہ رجب سنہ صدر میں سرفرازالدولہ ناظم‌الملک میرزا احسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ، اپنی طبعی موت سے چل بسے، جو آصف‌الدولہ وزیر مرحوم کے نائب تھے- خداے تعالیٰ اُنھیں بخشے، اور جنت نعیم میں جگہ دے- اس نہایت وحشت ناک

خبر کو سن کر میں بے اختیار رو پڑا۔ کیونکہ اُن کا مکان دھلی کے تمام امیرزادوں اور لکھنؤ کے سارے شرفاء کا مرجع تھا۔ ھمارے ساتھہ بھی بہت کچھہ عمدہ سلوک مربی رکھتے اور ھماری قابل قدر مدارات کرتے رھتے تھے۔

سرفرازالدولہ مرحوم کے اخلاق سے متعلق چند باتیں

سرفرازالدولہ کے ساتھہ سات سال تک صحبتیں رھیں۔ لیکن کبھی کسی حالت میں بھی انھوں نے ھمارے آداب کو نظر انداز نہ کیا، خواہ کیسا ھی موقع ھو۔ کبھی ھمارے سامنے مسند یا سوزنی پر تکیہ نہ لگایا۔ یہاں تک کہ ایک بار نہایت شدید سردی کے موسم میں بغیر کسی اطلاع کے میں اُن کی مزاج پرسی کو چلا گیا۔ اُنھوں نے مسہل لئے تھے، مگر ھمارے پہنچتے ھی مسند چھوڑ کر لب فرش تک آگئے۔ اور سلام کرکے ھمارا ھاتھہ پکڑ کر اپنی مسند پر بٹھایا، اور خود ھمارے سامنے بہت دور، دو زانو ھوکر بیٹھے۔ ھر چند میں نے کہا کہ سردی سخت اور مسہل کی حالت ھے، آپ کے لئے نرم و گرم فرش زیادہ مناسب ھے۔ اس مسند پر اگر آپ بیٹھنا نہیں چاھتے تو بہتر ھے کہ اپنے لئے دوسری مسند منگوالیں۔ مگر سرفرازالدولہ نہ مانے۔ میری طرف سے جب بہت اصرار و مبالغہ ھوا تو کہنے لگے کہ ”آپ قیامت تک غلام سے یہ بے ادبی نہ دیکھینگے۔ سو برس تک روزانہ اگر اسی طرح احقر کے مکان کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشتے رھیں، تب بھی خدا نے چاھا تو ھمیشہ میرا طرز عمل یہی رھیگا۔ بلکہ آپ اس ادب و آداب میں اور اضافہ ھی ملاحظہ فرمائینگے“۔ اُن کا انکسار اِس انتہائی درجے پر دیکھکر آخر میں نے کہا کہ ”آپ کو ھماری جان کی قسم ھے، خدا کے لئے ھمارے سامنے اپنے کو غلام نہ کہا کیجئے۔ کیونکہ آپ نے اِس بیکسی کی حالت میں ھماری دستگیری کی ھے۔ ھم آپ کو اپنا مربیؑ جانتے ھیں“۔ یہ کلمہ سنتے ھی اُٹھہ کھڑے ھوے اور ھاتھہ باندہ کر کہنے لگے کہ ”اگر جناب کو اس غلام کی جان عزیز ھے تو غلام کی جان اور خون کی قسم کہ پھر کبھی غلام کو مربی نہ فرمائیگا۔ اپنی نسبت یہ لفظ سن کر مجھے لرزہ آتا ھے۔ میں کون اور کیا چیز ھوں کہ آپ حضرات کا دستگیر و مربی ھوسکوں۔ میں تو حضور کے غلاموں کے غلام سے زیادہ نہیں۔ غلام کے نصیب نے یاوری کی جو آپ حضرات کی خدمت کی سعادت حاصل ھوگئی“۔

ایک اور دن کا ذکر ہے کہ سخت بیمار تھے، اُٹھنے کی طاقت نہیں تھی- میں عیادت کے لئے گیا، تواضع نہ کرسکنے کی معذرت کر کے ہم دونوں بھائیوں کو کرسیوں پر بٹھایا- باقی سب چھوٹے بڑے امیر، اور اپنے پرائے، یہاں تک کہ اُن کے بیٹے بھی اُن کے پلنگ کی پٹی کے برابر قالین کے فرش پر بیٹھے رہے-

ایک دن میں اور سرفرازالدولہ دونوں گھوڑوں پر سوار جریب بازی و نیزہ بازی میں مشغول تھے- میں نے سبقت کر کے ایک چھڑی بہت ہی آھستہ سے سرفرازالدولہ کی پیٹھہ پر لگادی- مسکرا کر فرمایا کہ ماشاءاللہ بہت خوب ضرب لگائی- میں نے کہا: آپ بھی اپنی چھڑی سے وار کریں- دیکھوں خالی دے سکتا ہوں یا نہیں- فرمایا: میں پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ کھیل کی حالت میں بھی آپ کبھی غلام سے کوئی بے ادبی نہ دیکھیںگے-

ایک روز میرے سامنے اِدھر اُدھر کی باتوں کر رہے تھے، کہ ایک دم اُٹھہ کھڑے ہوے، اور فرمایا: حکم ہوتو غلام ایک کام سے ذرا دیر کے لئے گھر کے اندر ہو آئے، ابھی ابھی حاضر خدمت ہوجائیگا- میں نے کہا مبارک- سرفرازالدولہ چلدئے، تھوڑی دیر بعد ایک کاغذی تصویر ھاتھہ میں لئے ہوے گھر سے نکلے- اور تصویر میرے ھاتھہ میں دے کر فرمایا کہ اِس کو ملاحظہ فرمائیے- میں نے دیکھکر کہا: کوئی مغل سوار ھے- ھاتھہ پر باز لئے ہوے کسی پہاڑ پر چڑہ رہا ھے- سرفرازالدولہ نے فرمایا: ذرا اِس کاغذ کی پشت پر بھی ایک نگاہ فرمالیجے- دیکھا کہ بغیر کسی خطاب کے ایک مغل کا نام لکھا ہوا تھا- میں نے کہا: کسی مغل کا نام ھے، مگر میں نہیں جانتا یہ کون ھے، فرمانے لگے: اس غلام کے حقیقی دادا ھیں، جو آنحضرت کے جد اعلیٰ یعنے حضرت بہادر شاہ بادشاہ ابن حضرت اورنگ‌زیب عالمگیر غازی کے عہد میں بازداری کی خدمت پر مامور تھے- یہ سن کر میں اُس تصویر کی تعریف کرنے لگا- فرمایا کہ غلام کی غرض اپنے دادا کی ذات و صفات کی تعریف نہیں بلکہ "مطلب سعدی دیگرست"- میں نے کہا: وہ کیا؟ فرمایا کہ: خدا اپنے فضل سے اگر جناب کو مقدور عطا فرمائے تو غلام کی یہ موروثی خدمت یاد رھے- میں نے متعجب ہوکر کہا: اللہ تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ھے- مگر یہ خدمت تو آپ کے مرتبے سے بہت کم ھے- ھاں اُس وقت اور بلند مراتب میں سے کوئی خدمت لینا چاھئے، جو آپ کی شان

کے لائق ہو۔ انھوں نے کہا: یہ سب حضور کی مہربانیوں پر موقوف ہے، لیکن اس عالی شان خاندان کی عادت یہی ہے کہ دوسری خدمتیں، موروثی خدمت کے ضمن میں ہوا کرتی ہیں۔ اِس کے بعد سرفرازالدولہ ایک تاش باف کا چارجامہ میرے حضور میں لائے، جو بالکل نیا تیار کیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اور بولے کہ یہ چارجامہ کس کا ایجاد کردہ ہے۔ میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں بیان کیجئے۔ کہنے لگے: غلام کے حقیقی چچا سرکار دولت مدار حضرت محمد شاہ بادشاہ فردوس آرامگاہ مغفور کے زین خانے کی خدمت پر تھے۔ حضور مغفور کو فتق کا عارضہ لاحق ہوا تو زین پر بیٹھنے سے تکلیف ہونے لگی۔ اس لئے ایک پیش زین ایسا بنوانا تجویز فرمایا جس میں بیٹھنے کی جگہ فراخ ہو، کاریگروں کو حکم فرمایا گیا۔ آخر یہ نئے ایجاد کا چارجامہ غلام کے چچا کی معرفت تیار ہوکر حضور میں پیش ہوا۔ غلام کے چچا بہت کچھ مورد تحسین ہوے۔ اِس زین کے دکھانے کی غرض بھی صرف یہی ہے کہ یہ خدمت بھی خاطر عاطر میں رہے۔

سرفرازالدولہ ایک بار کلکتے گئے۔ وہاں سے واپسی کے بعد مجھ سے بھی ملاقات کی۔ دیر تک کلکتے کی، اس کی عمارتوں کی صفائی، اور وہاں کی سب چیزوں کی تعریف کرتے رہے۔ مثلاً شیشے کے آلات و سامان، چینی کے برتن، چھریاں، بندوق وغیرہ کہ ہر شے اس زمانے کی نو ایجاد، اور نئے انداز کی بنی ہوی تھی۔ پھر فرمایا کہ کلکتے میں جس وقت میں نے حاضرین پر نگاہ ڈالی تو حضرت کی جگہ خالی پائی۔ بے اختیار یاد کرتا تھا، گویا حضرت غلام کے دل میں تھے۔ میں نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ اس وقت بھی ہم غائبین کی جگہ حاضرین سے بلند اور اعلےٰ تھی۔ حاشیہ نشینوں نے اِس فقرے کی تفسیر پوچھی۔ میں نے کہا: الحمد للہ کہ اس وقت ہم غائبین کی جگہ دل میں تھی۔ اور حاضرین کی جگہ اُس منزل میں۔ خوش ہوکر فرمایا: بلکہ ہمارے اور ہمارے بزرگوں کے سر اور آنکھوں پر، اگر آپ منزل بنائیں تو ہم اسے اپنی ابدی سعادت جانینگے۔ پھر فرمایا کہ حضرت کے تصدق سے اگرچہ سب چیزیں مہیا تھیں اور اِس غلام کا ارادہ بھی تھا کہ اِس سفر میں حضرت کی ہمرکابی حاصل ہو۔ مگر بعض حاشیہ نشینوں نے غلام کو ڈرا دیا کہ خدا جانے نواب صاحب کیا سمجھیں اور لوگ کہینگے کہ تیموری خاندان کی نسل کو تورہ بنائے ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اس تہمت

سے ڈر کر حضرت کو یہیں چھوڑ گیا۔ مگر درحقیقت حضرت غلام کے دل میں جاگزیں تھے۔ میں نے کہا: بھائی جان! اب یہ فضیلت ہمارے لئے رذالت ہوگئی ہے۔ جو کوئی سنتا ہے کہ ہم تیموری نسل سے ہیں، ہم سے کنارہ کرتا ہے۔ لومڑی اور مور کی دم کا قصہ ہے کہ اِسی دم سے ان دونوں کو فضیلت حاصل ہے۔ مگر یہی دم اُن کے لئے وبال جان ہوگئی ہے۔ اِسی دم کی بدولت وہ تکلیف اُٹھاتے اور دکھہ پاتے ہیں۔ نہیں معلوم زمانہ آگے کیا رنگ لاتا اور ہمارے ساتھہ کیا کھیل کھیلتا ہے۔ سرفرازالدولہ نے ایک آہ سرد بھر کر کہا: خاطر مبارک کو ملول نہ فرمائیے۔ یہ زمانہ بھی نہ رہیگا، آخر کوئی نہ کوئی جوہر شناس حضرت کی قدر و قیمت پہنچانیگا۔ اور یہ کج رفتار زمانہ بھی سیدھے راستے پر لگ جائیگا۔ حضرت کی عزت تو حضرت کی ذات کا وہ جوہر ہے جو کبھی جدا ہونے والا نہیں۔

ایک دن ایک عید کے موقعے پر، گومتی پار، سرفرازالدولہ کی بارہ‌دری کے نیچے، ندی کے کنارے ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ میں تھا، میرزا جلال‌الدین محمد ظفرالدین عرف میرزا حسین بخش بھی تھے۔ ان کو میں نے اپنی اولاد کی طرح تربیت کیا اور پالا ہے۔ اکثر تیر اندازی اور سیر و تماشا وغیرہ میں، نواب وزیر اور اُن کے نائب کی مجلسوں میں اِنہیں اپنے ساتھہ رکھتا تھا۔ ہم سب بیٹھے تھے کہ اتنے میں سرفرازالدولہ کے صاحبزادے محمد رضا خاں بہادر آگئے۔ نہایت ادب کے ساتھہ مبارک باد کہکر اپنا سر جھکایا کہ میں گلے لگا لوں۔ مگر جوش محبت سے میں نے چاہا کہ اُٹھہ کر سینے سے لگاؤں۔ فوراً سرفرازالدولہ نے میرا ہاتھہ پکڑ لیا، اور کہا: آپ کو غلام کی جان کی قسم! پھر کبھی ایسی نا مناسب اور خلاف شان حرکت کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لائیگا۔ ورنہ غلام کی آزردگی کا باعث ہوگا۔ آیندہ مجھے سامنے آنے میں بھی تامل ہوگا۔ یہ غلام زادہ کب اِس امر کی لیاقت رکھتا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ حضرت اپنا دست شفقت اس کے سر پر رکھدیں۔ اور بیٹھنے کا حکم فرمائیں۔ یہ کلمات سن کر میں نے اُنہیں دعا دی، اور کرسی ہی پر بیٹھا رہا۔

ملّا محمد ولایت زا نے اُن کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ کہا تھا جو درج ذیل ھے:
یہ بزرگ نواب آصف الدولہ مرحوم کے اُستاد تھے

لاجوردِ کہ ربا طبع فلک! مردم رباست
می زند زنگار بر آئینۂ دل ایں رماد

چرخ برگردد، زمیں ویراں شود، اختر سیاہ
اُمہات دھر و آبا را موالیدے مباد

می کند در تنگنائے خاکت آخر توتیا
گر فریدونی وگر کیخسروی گر کیقباد

مجلس خلد اشتباہ سرفرازالدولہ را
دربہ بست و بروخ دلہا در حسرت کشاد

آنکہ از پہلوے جاھش پشت گرمی داشت مہر
دور چرخش برد و بر خاک لحد پہلو نہاد

گردش چشمش برائے چشم زخم حرص و آز
داشت بر بازوے دل خاصیت حرز جواد

طرزدان ملت بیضاء رواج آموز شرع
حامی دیں، شعلۂ بازار آئینِ سداد

چوں رجب شد از محرم در وفاتش مشتبہ
اشک و آہ ھمرانش داد طوفاں را بباد

مُزد اعمالش چو شد فردوس، رضوان بہشت
"نعم اجرالعاملین"، گفت و برویش درکشاد

روح گفت از عالم ناسوت کاے ناسوتیاں
بہر تاریخ وفاتش در دعا ھر بامداد

قدسیاں وادی بوادی ایں منادی می کنند
"وادی جنت مکان سرفرازالدولہ باد"
١٢١٦

والدۂ ماجدہ کی وفات کا بیان

اسی سال ۲۲ شوال سنہ صدر کو اِس ستم رسیدہ کی والدہ نے مرض سرسام میں دنیائے فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرمائی، اور فردوس میں جابسیں۔ اُن پر خدا کی رحمت ہو۔ بمصداق "رضینا بالقضا"، میاں قاسم علی پیرزادہ کے باغ میں دفن کیا۔ یہ باغ ترمل کھیڑی میں قادرولی کے جھنڈے اور برجداس کے باغ سے قریب ہے، عنایت باغ اس کا لقب ہے۔ جناب مرحومہ کے کچھہ صفات اِس کتاب کے آغاز میں لکھہ چکا ہوں۔

انا للہ و انا اِلیہ راجعون۔

نواب تاج الامراء علی حسین بہادر ولد نواب عمدۃ الامراء مرحوم کی وفات کا بیان

اسی سال ماہ ذیحجہ کی دوسری تاریخ کو منگل کے دن تاج الامراء نے وفات پائی۔ اِن کا نام ماجد حسین اور تخلص ماجد تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر تھی کہ اسہال کبدی میں مبتلا ہوے اور نہایت حسرت و ارمان کے ساتھہ بالکل نوجوانی کے عالم میں اپنی طبعی موت سے انتقال کیا۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔ اِس کم سنی میں فارسی اشعار کمال فصاحت کے ساتھہ کہتے اور نازک مضامین پیدا کرتے تھے۔ اشعار کو سمجھتے بھی خوب تھے۔ عمر اگر وفا کرتی تو دکن میں "صائب" وقت ہوتے۔ اُن کے طبعزاد چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔

ابیات ماجد

نہ خواہد بست مانی نقش خط آن پریرورا
اگر از جوہر آئینہ سازد خامۂ مورا

مگر دیداست حسن گردنت ساقی سرت گردم
کہ مینا ایں قدر برداشتہ فریاد قلقل را

نقاب از گل مگر برداشت است آں آفتاب امشب
کہ از خجلت عرق ریزد چو شبنم آفتاب امشب

ماہ در آب شود غرق ز خجلت ما چند
گل رخ من اگر آید بلب جو امشب

شباب رفت وھمیں قد حلقہ سانے ہست
اگرچہ گم شدہ تیرم ولے کمانے ہست

اُن عرضیوں کی نقلیں جو میں نے بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر کے حضور میں ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۲۱۶ھ میں بھیجی تھیں اور اُن رقعوں کی نقلیں جو اِن عرضیوں کے ساتھہ میرزا مغل و میرزا طغل کے نام بھیجے تھے

حضرت قدر قدرت کے نام کی عرضی:

یہ خانہ زاد نمک پروردہ بھی ھے اور فرزند بھی، راسخ الاعتقاد فدوی بھی- اور جناب اقدس کی حقیقی پھپی کا نواسازادہ بھی- اپنے بندوں کو پیدا کرنے والے معبود سے امید واثق رکھتا ھے کہ زندگی بھر اِس غلام سے رسوخیت کے سوا بغاوت اور سرکشی کی کوئی بات سرزد نہ ھوگی- اب تک اُسی کے موافق عمل ھو رھا ھے، جو خانہ زادی اور فرزندی کا شیوہ ھے- حضور پرنور کو تفصیل سے معلوم ھوا ھوگا- جےپور اور جودھپور کے متعلق جو کچھہ حضور کے مبارک کانوں تک پہنچا ھے، سب بیہودہ افترا پردازوں کی جانب سے ھے- اصلیت کچھہ بھی نہیں، تاھم حضور کی شاھانہ عنایت سے امید ھے کہ مجھہ سے بالارادہ یا غلطی سے جو کچھہ بھی تقصیر ھوی ھو اُسے معاف فرماکر یہ حکم اشرف نافذ فرمایا جائے کہ ولی عہد بہادر حضور کے شقۂ خاص کرامت اختصاص کے دو کلموں سے غلام کو سرفراز فرمائیں- چند سال سے غلام نے اپنا تخلص تبدیل کر دیا ھے- پہلے غضنفر تھا، اب ظفری رکھا ھے- اطلاعاً عرض ھے- زیادہ حد ادب-

---

ولی عہد بہادر کے نام کی عرضی

حضرت صاحب عالم و عالمیان ولی عہد بہادر سلامت- آداب و تسلیمات ادا کرنے کے بعد التماس پرداز ھوں کہ حضرت قدر قدرت کے حضور میں

ایک عرضی روانہ کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ میرے غیر واقعی قصوروں کی معافی کے لئے نہایت درجہ کوشش مبذول فرماکر مرحمت نامہ عنایت فرمائینگے۔ تاکہ جو کچھہ خدمت نیاز مندوں اور فرزندوں کے لائق ہے، دور بیٹھہ کر بجالاؤں۔ اور جس امر کے لئے مامور فرمائیں، اس میں کوشاں رہوں۔ دونوں صاحبان مہربان مرزا مغل صاحب اور مرزا طغل صاحب کو بندہ کی جانب سے بندگی پہنچائیں۔ آں جناب کی نسبت بندے کی رسوخیت کا جو حال ہے، وہ اُن صاحبوں سے دریافت فرمائیں۔ سب سے پہلے آں جناب سے نوازش کی امید ہے، جناب کو معلوم ہے کہ اس سے پہلے یعنی ہمارے جد امجد حضرت بہادر شاہ خلد منزل کی حکومت تک اِس عالی شان خاندان کا یہ دستور تھا کہ اپنے فرزندوں سے اچھے اچھے کام لیا کرتے تھے، اور عمدہ منصبوں پر سرفراز فرماتے تھے۔ مگر یہ رسم ہمارے جد اعلٰی یعنی محمد معزالدین شاہ جہاندار شاہ المخاطب بہ حضرت عرش آرامگاہ موصوف کے عہد سے اُٹھہ گئی۔ اُنھوں نے ہم سب یعنی اپنے چچاؤں کی آل و اولاد کو قلعۂ مبارک میں قید فرمادیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گورکانی سلطنت کا رعب و داب برباد ہوگیا۔ کیونکہ یہی فرزند سلطنت کو قوت پہنچانے اور حکومت کی اعانت کرنے میں قوی دست و بازو ہوا کرتے ہیں۔ (فہم من فہم) دو کھلے ہوے رقعے مرزا مغل اور مرزا طغل صاحبان کے نام جناب کے نام کی عرضی کے ساتھہ ملفوف ہیں۔ امیدوار ہوں کہ اِنہیں پہنچا کر اور اِن کے جواب لے کر اپنے خاص شقے کے ساتھہ عنایت فرمائینگے۔ بجز تسلیمات اور فرزندانہ بندگی کے اور زیادہ کیا لکھا جائے۔

مرزا مغل اور مرزا طغل صاحب کے نام کے رقعوں کی نقل

صاحبان مہربان، قدردان مرزا مغل صاحب و مرزا طغل صاحب! اللہ آپ دونوں کو سلامت رکھے۔ بڑے مرزا اظفری کی جانب سے جسکا تخلص پہلے فضور تھا، فرزندانہ بندگی کے بعد عرض ہے کہ: ایک طویل مدت گزرگئی کہ آپ صاحبوں کی خیر خیریت معلوم نہ ہوئی۔ دل کو بیحد اضطرار لاحق ہے۔ اور جان کو قرار نہیں۔ وہ مسبب چاہے تو ملاقات کے اسباب بہم پہنچا سکتا ہے۔

بیت: ہر دم دعاها میکنم برخاک می مالم جبیں
تو جمع کن با دوستاں یا جامع المتفرقیں

ولی عہد بہادر کی عرضی کے ساتھہ جو رقعہ ملفوف ہے، یقین ہے کہ اُس کے مضمون سے مطلع ہوکر آپ بھی ولی عہد بہادر کے شقے کے ساتھہ اپنی خیریت لکھکر شاد فرمائینگے۔ بشرطیکہ اپنی قدیم عادت کے موافق چند سطریں خود اپنے ہاتھہ سے لکھیں، اور اس رقعے میں چند کلمے ترکی زبان میں مرزا مغل صاحب کی جانب سے بھی ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہم میں اور آپ میں کیسے کیسے سربستہ راز ہیں، جن کو ہمارے اور آپ کے اور خاص خاص میاں جیوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سب راز چھپانے کے قابل ہیں، بعض سرسری قسم کے بھی ہیں جن کے اظہار میں کوئی قباحت نہیں۔ نیز ہمارے آپ کے درمیان بہت سے ایسے بھی راز ہیں جنکی خبر شاید کسی فرشتے کو بھی نہیں۔ کسی شاعر کا شعر ہے:

میان عاشق و معشوق رمزیست - کراماً کاتبیں را هم خبر نیست

اپنی قدیم تصنیف کی ہوی کوئی بیت بھی روانہ فرمائیے، جو پہلے میری نظر سے گزرچکی ہو، تاکہ وہ دور یاد آجائے اور اُس خط کو اپنی آنکھوں سے لگا کر نور اور سینے پر رکھہ کر سرور حاصل کروں۔ چند شعر اپنے قدیم دیوان سے نشانی کی طور پر لکھتا ہوں:

گر کہے دل گر کلویں میں پھر کسے اکراہ ہے
لوگ دیوانے کہیں، کچھہ باؤلی یہ چاہ ہے

تجھہ میں جس دم دھیان جاتا ہے - ہوش آیا اُس آن جاتا ہے
دل مرا گم ہوا صنم واللہ! - تجھہ پہ میرا گمان جاتا ہے
تیرے مژگاں کی کیا کروں تعریف - تیر یہ بے کمان جاتا ہے
ہاے ظالم ہوں نیم جاں تک دیکھہ! - ہاتھہ سے اک جوان جاتا ہے
سج میرے شوخ کی ذرا دیکھو - جیسے بانکا پٹھان جاتا ہے

سیہ مستان چشمت کار کردند
بچشمک عالمے بیمار کردند

شود خورشید چوں طالع من از روے تو اندیشم
هلالم گر نظر آید ز ابروے تو اندیشم

دهلدار بهسم از دوزخ، بترسم ز آتش هجرت
ز جلت گر رود ذکرے من از کوئے تو اندیشم

بُرد آن ماه دگر صبر و قرارم امشب
از فلک می گزرد نالۂ زارم امشب

اُس ترکی رقعے کی نقل جو میں نے مرزا مغل صاحب کو لکھا تھا

ایکیم امر اقلیقیم میرزا مغل صاحب قوللوق سونعزہ جیللیمیں بولسون اول گویلد ین کیم سیزلاردان آیرو بولوب ترو گون یوخلو قد اقالار میں اومی بود ور گیم ایکی حرف اوزی ایلیکیلگر نی تبسکی دین تبسیب اورمی ایشیلیگزنی سیونیچ بویور سون لار نوق تیمہ۔

ترکی کا ترجمہ: صاحب من مہربان من میرزا مغل صاحب! بندگی کے بعد معلوم ہو کہ جس روز سے آپ سے جدا ہوا ہوں، رات دن آپ ہی کی یاد میں رہتا ہوں۔ امید کہ اپنے ہاتھہ سے دو حرف لکھہ کر اپنے دوست کو شاد فرمائینگے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

ولی عہد بہادر کے اُس شقے کی نقل جو دہلی سے راقم کے نام پہنچا تھا

فرزند نامدار عزیز از جان میرزا علی بخت بہادر سلمہ اللہ تعالےٰ۔ آں فرزند عزیز از جان کی بھیجی ہوی عرض داشت پہنچی۔ مندرجہ مراتب و حالات تفصیل کے ساتھہ معلوم ہوے۔ چونکہ آپ کی خیر و عافیت کی خوش خبری مرقوم تھی، اِس نے خوشی پر خوشی بڑھائی۔ آپ نے لکھا ھے کہ آں فرزند کی خطائیں معاف فرمائی جائیں۔ تاکہ جو خدمت فرزندوں کے لائق ھے بجا لاؤں۔ میرے نامدار فرزند! آں عزیز از جان سے کبھی کوئی ایسا قصور

سرزد نہیں ہوا، جس سے ہمارے ضمیر روشن میں آں فرزند کی طرف سے کوئی کدورت یا ملال موجود ہو۔ ہم آں فرزند سے بہت خوش اور راضی ہیں۔ اِس طرف سے آپ بہمہ وجوہ اطمینان رکھیں۔ اور یہ جو ظاہری جدائی پیدا ہوگئی ہے، اس کو قادر قدیر کی مرضی کے سوا اور کیا تصور کرسکتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آں فرزند کی جدائی ہمارے خاطر مبارک کو کب گوارا ہے۔ اِس اثنا میں امارت و ایالت مرتبت، شوکت و شہامت منزلت عظیم الدولہ عبدالعلی خاں بہادر شوکت جنگ کی عرض داشت کے خریطے موروثی خانہ‌زاد رائے لکھپت رائے کے ذریعے معہ نذروں کے ہماری نظر انور سے گذرے۔ عمدۃالامراء کی وفات کے واقعے کو سن کر ہمارا خاطر عاطر متأسف ہوا۔ حضور لامع‌النور کی جانب سے عطیے بعد کو شرف صدور پائینگے۔ یہاں کے صوبہ‌دار نے اب تک نذرانہ ادا نہیں کیا ہے، اِس وجہ سے توقف ہوا۔ صوبیدار کا نذرانہ پہنچتے ہی، خلعت روانہ ہوگا۔ آپ کو چاہئے کہ ایک عرضداشت حضور انور میں ارسال کردیں۔ باقی حالات آپ کو رائے لکھپت رائے کی تحریر سے معلوم ہوں گے۔ تحریر ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۷ھ۔

لفافے پر ولی عہد بہادر کی مہر کا نقش یہ تھا:

”میرزا اکبر شاہ بہادر ولی عہد شاہ عالم بادشاہ غازی“

اس شقے کے شکریے میں ہم نے پھر چند عرضیاں روانہ کیں۔ مرزا مغل و طفل صاحب کو اپنے رقعوں کا جواب نہ پہنچنے کی شکایت میں مکرر رقعے لکھے۔ اور ولی عہد بہادر کے نام کی عرضی کے ساتھ ملفوف کر کے روانہ کئے۔

دوسرے شقے کی نقل جو ولی عہد بہادر کی طرف سے راقم کے نام شرف صدور لایا تھا

فرزند نامدار عزیز از جان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آں فرزند نامدار کی بھیجی ہوی عرضداشت پہنچی۔ عرض کئے ہوے مضامین تفصیل کے ساتھ واضح ہوے۔ بظاہر آں فرزند عزیز از جان نے مہر خاص پر شبہہ کیا۔ اس امر کا ظہور آں فرزند کی دانائی سے دور، نظر آتا ہے۔ یہی مہر قدیم زمانے سے

شقوں پر لگائی جاتی ہے، کوئی اور مہر نہیں ہے۔ میرزا مغل کے نام جو رقعہ آپ نے بھیجا ہے، اسکا جواب ملفوف پہنچے گا، حاصل فرمالیں۔ امارت و ایالت مرتبت امیرالہند والاجاہ عظیم الدولہ بہادر کے وکیل رائے لکھپت رائے ہمیشہ حضور میں حاضر رہتے ہیں۔ جو کچھہ بھیجنا ملنظور ہو اُن کی معرفت اپنی عرضیوں کے ساتھہ روانہ کریں۔ کیونکہ وہ حضور کا خانہ زاد ہے۔

سرنامہ یہ تھا: "فرزند نامدار عزیز از جان میرزا علی بخت بہادر"

نقش مہر: "مرزا اکبر شاہ بہادر ولی عہد محمد شاہ عالم بادشاہ غازی"۔ محررہ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۸ھ۔

مرزا مغل و مرزا طغل صاحبان کے رقعے کی نقل جو ولی عہد بہادر کے شقے کے ساتھہ راقم کے نام ملفوف پہنچا تھا۔ تاریخ و سنہ وہی ہے

برادر بجان برابر خوشتر از جان علی بخت عرف میرزا کلاں متخلص بہ فغفور و اظفری حفظہ اللہ۔ طغل اور مغل کی طرف سے سلام اور یاد بود کے بعد واضح ہو کہ مدت مدید کے بعد جب سے آپ جے پور سے لکھنؤ گئے ہیں، ایک بار پہلے اور ایک بار اب آپ نے حضرت ولی عہد بہادر دام اقبالہ کے نام کی عرضی کے ہمراہ خط بھیجا جو ہمیں ملا۔ کمال خوشی ہوئی کہ آپ نے خواب غفلت سے بیدار ہوکر دوستوں کو یاد کیا۔ اس زمانے میں اگر آپ شہر میں ہوتے تو تمام دن صحبت اور ہم جلیسی میں گزرتے۔

وکالت کے بارے میں آپ نے جو کچھہ لکھا ہے، اگر بندے کا توسط ملنظور ہے تو بہتر، اور جو کسی دوسرے کا ذریعہ مناسب معلوم ہو، تب بھی بہتر۔ بشرطیکہ کچھہ کام نکلے، اور اگر جیبور کی طرح ہوا تو کیا حاصل۔ چھوٹے مرزا اور میاں مہرن کے حالات سے آپ نے کچھہ اطلاع نہ دی کہ کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ بہر حال حق تعالیٰ دوستوں کو زندہ اور خوش رکھے۔ ہمیشہ جب تک ملاقات میسر نہ آئے، اپنی خیریت کی خبروں سے مسرت بخشتے رہیں۔ حضرت ولی عہد بہادر کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ پھر بادشاہ سلامت کے زیر سایہ حاضر ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہاں کے حالات اخباروں سے معلوم ہوتے رہتے

ہوں گے، اُن کے لکھنے کے لئے بڑا دفتر چاھئے۔ اگر ایک بار پھر ملاقات کرسکیں تو "چشم ما روشن" ایں جانب نے چند خطوط کی مشق کی ھے۔ ایک فرد محض نشانی کی طور پر لکھکر بھیجی جاتی ھے۔ نیز کبوتروں کے کباب اور دستر خوان اور رکابی کی نشانی وفاداری کے ثبوت میں یاد دلاتا ہوں، جو آپ نے نو محلے میں اس وقت ھمارے پاس بھیجی تھی، جبکہ نمک حرام افغان کی لڑائی کی آگ شدت سے بھڑک رھی تھی۔ یہ پتے کی باتیں نشانی کی طور پر لکھتا ہوں۔ اس راز سے اور کوئی واقف نہیں جو آپ کو لکھہ سکتا اپنی تالیف کی ھوی یہ بیت بھی نشانی کے طور پر پیش ھے:

ھجر تیرے میں ھم خراب ھوے - اس لئے لائق عتاب ھوے

والسلام۔

اس ترکی چغتائی رقعے کی نقل جو مرزا مغل نے اپنے دست خاص سے راقم کو لکھا تھا

یو چیغائے یا لبار پاقچی دان اولجائے سو نعزہ تو یار غا بو لسون بلتھنگیز کوپ تالا بدین بتشتے اونی کونی گورگار یندان کو نکلو ملی سپوتچی و با عزیمتی مسرتے یوادی تیلگری تعالٰے سی بیلا ورگیم۔ سیزنی کوپ یوخلا میں فی قیلاے کیم تیری فاتیق وکوک یراق بار آوری تعالٰے ایہ بیزنی و سیزنی یتریک ویلکیکا بیر قالا کور وشی قلسون۔ اوندان یراق بوق میں چیغائے سایم قلہ سیزنی، دعاے خیر بیرلہ یوخلامیں۔

ترکی شقے کا ترجمہ: اس بندۂ عاجز کی جانب سے سلام کے بعد واضح ھو کہ آپ کا خط مدت کے بعد پہنچا۔ اس کے دیکھنے سے ھمارے دل کو خوشی اور جگر کو مسرت ھوی۔ خداے تعالٰے جانتا ھے کہ آپ کو میں کس قدر یاد کیا کرتا ہوں۔ کیا کروں کہ زمین سخت اور آسمان دور ھے۔ خداوند تعالٰے آپ کو اور ھم کو زندگی میں پھر ایک بار ملادے تو اُس سے بعید نہیں میں ہر بار آپ کو دعائے خیر سے یاد کرتا ہوں۔ والسلام۔

فخیرہ بیگم کے رقعے کی نقل جو مرزا مغل اور مرزا طغل صاحبان کی حقیقی بڑی بہن ہیں- یہ رقعہ اُنہوں نے راقم کے نام اپنے ہاتھ سے اردو میں لکھا تھا

ازیں جانبہ بعد سلام و اشتیاق تمام کے معلوم فرماویں کہ آپ ہمشیرہ صاحبہ سے ملاقات فرماکر جو اُس سمت کو کوچ فرما ہوے ہیں، اُس دن سے اپنی خیریت کی خبر سے یاد و شاد نہیں فرمایا، کہ دل ہمارا تمہاری خیریت کا نگراں ہے- امید کہ دوستی قدیمی کو یاد فرماکر اپنی خیریت کی خبر سے اطلاع بخشو، جو خاطر اپنی جمع ہو- از طرف برخوردار من کہ اسم معلوم است- سلام و نیاز قبول باد- از ہمشیرہ صاحبہ نیز، زیادہ چہ- محررۂ یازدہم رجب المرجب سنہ الیہ- ———

تنبیہ: مرزا مغل کا اصلی نام نامی محمد اکرام‌الدین اور مرزا طغل کا اسم گرامی محمد عبدالمقتدر ہے- یہ دونوں صاحبان عالی شان شاہزادۂ محمد علاءالدولہ بہادر معروف بہ مرزا بابا کے صاحبزادے ہیں- علاءالدولہ شاہزادہ محمد اعزالدین کے فرزند تھے- اور اعزالدین محمد عزیزالدین کے چھوٹے بھائی تھے- یہ عالمگیر ثانی بادشاہ کے نام سے مشہور ہیں، حضرت عرش منزل ان کا لقب ہے اور محمد معزالدین بادشاہ کے بیٹے تھے، جو جہاندار شاہ کے نام سے مشہور تھے- اِن کا خطاب عرش آرامگاہ ہے- یہ محمد معظم بہادر کے فرزند تھے جن کا خطاب خلد منزل ہے- اور یہ حضرت اورنگ‌زیب عالمگیر اول بادشاہ غازی کے بیٹے تھے، جن کا خطاب حضرت خلد مکان ہے- (انار اللہ برھانہم)-

اگرچہ طغل و مغل دونوں صاحبان رشتے میں راقم کے چچا ہوتے ہیں- لیکن وفور شفقت، فرزندنوازی اور بزرگانہ عنایت سے بڑے صاحب مجھے "یار" کے خطاب سے یاد کرچکے ہیں، خطوط میں بھی اسی لفظ سے یاد فرمایا کرتے ہیں- اور چھوٹے صاحب نے مجھے اپنا بھائی کہا ہے- اس لئے اب تک اسی عنوان سے اپنے رقعوں میں عزت بخشتے ہیں- اس رشتے کے علاوہ بہت سے ایسے اسرار ہیں جو بیٹا ماں باپ تک سے نہیں کہہ سکتا- مگر اِن صاحبوں نے امانت‌دار سمجھ کر مجھے اُن سے مطلع کیا- اور ہمیشہ مجھ گنہگار کی پرورش و امداد پر آمادہ رہا کرتے ہیں- غلام قادر مردود کے ہنگامے کے بعد

راقم کو اپنی سرکار کے کتب خانے وغیرہ کا تحویلدار بھی بنا دیا تھا۔ ہمیشہ نہایت عمدہ سلوک اور بہترین برتاؤ فرماتے رہتے تھے۔ بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر کے حضور میں مجھ عاصی کی ہمیشہ وکالت کرتے تھے۔ میں جو عرضیاں شاہی وعدوں کے ایفاء اور اپنے مطالب کی تکمیل کے بارے میں لکھتا تھا۔ اُن کو پہنچاتے اور اُن کا جواب حاصل کر کے حضرت قدر قدرت اور ولی عہد بہادر کے خاص دستخط سے مزین کراکر میرے پاس بھیجتے رہتے تھے۔ اب تک بعض عرضیاں میرے پاس موجود ہیں، جن پر حضرت قدر قدرت اور ولی عہد بہادر کے دستخط ہیں۔ قوی امید ہے کہ وقت آئیگا تو انہیں صاحبان عالی شان کی وساطت سے میرے تمام مطالب اُن وعدوں کے موافق پورے ہونگے، جن کی تکمیل کا وعدہ بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر نے اپنے دست خاص کی تحریروں میں کیا ہے۔ مرزا مغل و طغل کا نسب نامہ اور اس شفقت و عنایت کا بیان جو راقم پر مبذول رکھتے ہیں، تبرکاً مکرر درج کیا گیا ہے۔ ضعف تالیف پر محمول نہ کیا جائے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مرزا بابا موصوف مغفور شاہ عالم بادشاہ کی سلطنت کے زمانۂ آغاز میں بادشاہ جم جاہ کی رضامندی اور اجازت کے بموجب بارہ سال تک نیابت سلطنت کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔ جبکہ بادشاہ سلامت پایہ تخت میں موجود نہ تھے۔ بلکہ الہ آباد میں مقیم تھے۔ اس زمانے میں ولی عہد سلطنت مرزا جواں بخت جہاندار شاہ مرحوم تھے۔ اور بختاور خاں خوجہ متوفی جس کا خطاب بہروز خاں تھا، عہدۂ نظارت پر فائز تھا، اور نجیب الدولہ پٹھان صوبہ دار تھا۔ یہی شخص نمک حرام غلام قادر مردود کا حقیقی دادا تھا۔ مرزا بابا علاءالدولہ (مرزا طغل و مرزا مغل کے والد موصوف) نیابت سلطنت کی خدمت انجام دے رہے تھے کہ دہلی کے صوبہدار اور دوسرے امراء وغیرہ نے بعض وجوہ کی بنا پر آں جناب کو سرکشی و بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا اور فتنہ انگیزیوں کی بہت سی باتیں سکھائیں۔ مگر آپ نے ذرا بھی اِن باتوں کو اپنی توجہ و رضا کے کانوں میں جگہ نہ دی۔ حالانکہ اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے اس امر کی قابلیت بھی رکھتے تھے۔ راقم بھی اُس زمانے میں ہوش رکھتا تھا۔ ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور اپنے کانوں سے سنتا تھا۔ حضرت عرش منزل یعنے عزیزالدین عالمگیر ثانی بھی جناب علاءالدولہ موصوف کے حقیقی چچا تھے۔ وہ بھی اپنے عہد سلطنت میں

جناب موصوف کو بلند حوصلہ پاکر اپنی رکاب اقدس کے ہمراہ اور اپنے فرزندوں سے زیادہ اعزاز کے ساتھہ رکھتے تھے۔ اور اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کی شادی جناب موصوف سے کر دی۔ جناب مرزا مغل، مرزا طفل، فقیرہ بیگم اور تغلق سلطان بیگم جو چھوٹا بیگم کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ چاروں اِنہیں لاڈلی بیگم موصوفہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوے۔ اللہ اِن سب کو سلامت رکھے۔

جس وقت نمک حراموں نے ہنگامۂ بغاوت گرم کیا، علاءالدولہ بھی اس بلا میں گرفتار تھے۔ حضرت بادشاہ مغفور کی شہادت کے بعد باقی لوگ صاحب موصوف کو گرفتار کرکے قلعۂ مبارک کے نو محلۂ سلاطین میں لے آئے اور ایک قیدی کی حیثیت سے رکھا۔ اُس وقت کے حاکموں نے محمد محی الملۃ ولد محمد محی السنۃ ابن محمد کام بخش کو جو حضرت خلد مکان کے چھوٹے بیٹے تھے، نو محلۂ مبارک کی قید سے نکال کر بادشاہ بنایا، اور شاہ جہاں ثانی کا خطاب دیا۔ ۹ یا ۱۰ مہینوں تک اِن کی سلطنت کا سکّہ جاری رہا۔ جب بھاؤ اور وشواس راؤ دکن کی فوجیں لیکر پہنچے تو مرزا علاءالدولہ موصوف نے اُن سے خط وکتابت کی اور بہت کچھہ سمجھایا بجھایا۔ آخر دکھنیوں نے شاہ جہاں ثانی کو اسیر کرکے پھر دوبارہ قلعۂ مبارک کے نو محلے میں قید کر دیا۔ اور بادشاہ جم جاہ کے بڑے بیٹے مرزا جواں بخت جہاندار شاہ مغفور کو نو محلے سے نکال کر شاہ عالم بادشاہ کا ولی عہد قرار دیا، علاءالدولہ کو بھی آزاد کیا۔ اس وقت ولی عہد بہادر کی عمر سات آٹھہ سال کی تھی۔ حضور کی دولت عالیہ کے خیمے بلدۂ الہ آباد میں نصب تھے۔ وہاں بادشاہ سلامت قیام فرما تھے، یہاں دکھنیوں نے اُن کی سوتیلی ماں نواب زینت محل بیگم کو محل معلٰے میں سردار خواتین، اور بختاور خاں کو ناظرکل بناکر، بادشاہ سلامت نیز دیگر سلاطین اور ذی اقتدار بیگمات کی ڈیوڑھیوں پر مقرر کیا اور ولی عہد بہادر کو جناب موصوف کے حوالے کردیا۔ ولی عہد بہادر نے مختارالسالک وغیرہ کے مشورے سے نجیب الدولہ افغان کو اِس دیار کا صوبیدار بنایا۔ اور شاہ عالم بادشاہ کے نام نامی کی نوبت خلافت بجوائی، اُنہیں کا سکّہ ضرب کیا گیا۔ اس سلطنت کے بست وکشاد کے مختار کل بارہ سال تک جناب مرزا علاءالدولہ ہی رہے۔

نواب زینت محل موصوفہ حضرت عزیزالدین عالمگیر ثانی عرش منزل شہید کی محل عالیہ تھیں- اِن کے بطن سے ایک بیٹی کے سوا اور کوئی اولاد نہیں ہوئی، جن کا نام خیرالنساء بیگم اور نواب عمدۃالزمانی خطاب تھا- اس لئے نواب زینت محل صاحبہ نے شاہ عالم بادشاہ کو بچپن ہی سے اپنی فرزندی میں لے کر پرورش کیا تھا، جو حضرت عرش منزل کے بڑے اور لائق بیٹے تھے- نواب عمدۃالزمانی کی شادی محمد عزت افزا سے ہوی- ان کا عرف مرزا مدّو تھا اور محمد ہمایوں بخت کے صاحبزادے تھے، اور محمد ہمایوں، بادشاہ فرخ سیر شہید مرحوم کے حقیقی بھائی تھے- اِن کے ہاں دو بیٹے اور ایک لڑکی پیدا ہوی- ایک کا نام مرزا بھچو اور دوسرے کا مرزا مکھو، لڑکی کا چکنا بیگم صاحبہ ہے، اصلی نام اس وقت بھولتاہوں- خدا اِن سب کو سلامت رکھے-

شاہ عالم بادشاہ بارھویں سال الہ‌آباد سے مراجعت فرماکر قلعۂ مبارک میں تشریف لائے، اور دارالخلافت شاہ جہاں آباد دھلی کے تخت سلطنت پر اقبال و دولت کے ساتھ جلوس فرمایا- مرزا جواں بخت ولی عہد مرحوم کا بیاہ، جو نواب تاج محل بیگم کے بطن سے تھے، قتلق سلطان بیگم عرف چھوٹا بیگم کے ساتھ کیا اور اپنی بیٹی بیگم جان نامی کو مرزا مغل موصوف کے ساتھ بیاہ دیا- بیگم جان سے ایک بچہ پیدا ہوا، اُسی زچگی میں انھوں نے وفات پائی- چھ مہینے کے بعد نو مولود بچہ بھی نہ رہا- اُن کے انتقال کے بعد شاہ عالم بادشاہ نے اپنی دوسری صاحبزادی کو مرزا مغل سے منسوب فرمادیا- مگر میرے سامنے اِن کی شادی نہیں ہوی تھی- پھر حضرت قدر قدرت نے اپنی صاحبزادی عزیزالنساء بیگم کا عقد مرزا طغل سے کردیا- اب تو ضرور وہ صاحب اولاد ہوں گے- خدا سب کو سلامت رکھے-

حکیم احمداللہ خاں دھلوی کی وفات کا ذکر

ماہ رجب المرجب سنہ صدر کی انیسویں کو اسی بلدۂ کرناٹک میں حکیم احمداللہ خاں نے طبعی موت سے وفات پائی- خدا اُن پر رحمت فرمائے- کسی شخص نے تاریخ وفات کا یہ قطعہ کہا:

احمداللہ کہ دریں عصر مسیحائی کرد
رخت بربست ازیں دارفنا با ایماں

سال رحلت مع حرف سرنامش هاتف
گفت: "امروز برفت آه فلاطون زماں"

حکیم صاحب موصوف، حکیم میر حسن دهلوی کے شاگردوں میں تھے۔ اور مجھ سے کہا کرتے تھے کہ بارہ سال تک میں اپنے استاد مغفور کے هاتھ کے نیچے نسخہ نویسی کا فن حاصل کرتا اور اُن کا مطب دیکھتا رہا، تب کہیں کچھ صلاحیت پیدا ہوی۔ حق تو یہ ہے کہ طبابت، حکمت اور دیگر علوم میں بے مثل تھے۔ دکن کے حکیموں میں ایک بھی ان کے لگے کو نہ پہنچا۔ اُنھوں نے فن طب میں کئی رسالے تالیف کئے ہیں، جن کا سمجھنا بھی دکھنیوں کے لئے دشوار ہے۔ چند رسائل کے نام یہ ہیں: (۱) تحقیق البحران، (۲) سلم الدرجات، (۳) شفاء المجدور، (۴) امتناع کیمیا۔ اور تالیفات بھی ہیں، جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے۔ معالجے کا طریقہ وہی تھا جو اُن کے استاد کا تھا۔ اکثر فصد اور مسہل پر علاج منحصر رکھتے تھے۔ میرے اور حکیم صاحب کے آنے سے پہلے کرناٹک میں لوگ فصد کو بہت برا اور نقصان دہ سمجھتے تھے۔ مگر نمایاں فوائد مشاہدہ کرنے کے بعد اب یہاں ذرا ذرا فصد کا رواج ہوچلا ہے۔ حکیم صاحب مرحوم نے دو سال پہلے خود اپنی زبان سے کنایتاً مجھے اپنی وفات کی خبر دیدی تھی۔ یہ نہایت ثقہ طبیب اور بزرگ آدمی تھے۔ مگر آخر عمر میں افیون سے بہت مغلوب ہوگئے تھے۔ جب کبھی مجھ سے نزلے کی شکایت سنتے، افیون کھانے پر اصرار کرتے تھے۔ مگر میں افیونیوں کی پینک، خشک دماغی اور بد مزاجی خوب ملاحظہ کرچکا تھا، اُس کے پاس تک نہ پھٹکا۔

ایک روز مذہب پر بات چیت چلی، حکیم صاحب نے کہا "جو کچھ ہمارے پیشوا ہمیں تعلیم دیتے ہیں، بہتر ہے کہ ہم اسی کی پیروی کریں"۔ میں نے کہا: یہ تو مقلدی ہے، محققی کہاں، حالانکہ اصل مقصد دوسری شق یعنی تحقیق ہی ہوسکتا ہے۔ ذرا سوچکر حکیم جی نے سکونت اختیار کیا۔ میں بھی یہ سمجھ کر چپ ہو رہا کہ قصہ بہت طول پکڑگیا ہے، اب سکوت ہی بہتر ہے، آخر بات ختم ہوگئی۔

وہ اکثر یہاں کے امیروں کی بیوقوفی اور ناقدردانی کا شکوہ کیا کرتے تھے۔ اِن کی بات چیت، کھانے پینے اور لباس، سب کو ناپسند کرتے اور کہتے تھے

کہ یہاں کے اکثر لوگ آدمی نہیں گویا نسناس ہیں جو آدمیوں کے سایے سے بھاگتے ہیں۔

راقم نے پہلے پہل علم طب حکیم عنایت اللہ خاں سے پڑھا، جو حکیم عبداللہ کے فرزند تھے۔ اور حکیم عبداللہ، حضرت خلد منزل کی حرم محترم کے طبیب خاص تھے۔ اُنھیں میرے والد مرحوم نے خانی کا خطاب بھی عطا فرمایا تھا۔ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور علم طب سکھانے میں اُنھوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ فن طب میں میرے نام سے ایک کتاب بھی تالیف کی جو باب وار مجلد کرالی تھی۔ اُس میں اپنے اور دوسرے ثقہ طبیبوں کے آزمائے ہوئے مرکبات جمع کئے تھے۔ ایک روز وہ کتاب لیکر میرے پاس آئے۔ جب میں جودھپور گیا تو یہ بھی میرے پیچھے وہیں پہنچے۔ اور جب میں لکھنؤ پہنچا تو یہ بھی میرے بعد اپنی تمام کتابیں لئے ہوئے لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ مگر اثنائے راہ میں بلگرام کے نزدیک موضع سانڈھی پالی میں ڈاکوؤں نے شہید کرڈالا، اور سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اصل کتاب بھی اُنھیں کے ساتھ ضائع ہوگئی۔ اُس کا مسودہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔

اُن کے بعد حکیم میر حسن ابن حکیم میر امام الدین دھلوی سے میں نے طبی فوائد حاصل کئے، اور تقریباً دس سال تک اُن سے طبابت، قارورہ شناسی اور نبض دیکھنے کے طور طریق معلوم کرتا رہا۔ اُن کے نسخوں کو بھی جمع کیا۔ اِن بزرگوں کے علاوہ اور حسب ذیل نامور اطباء سے تجربات حاصل کرنے کا مجھے موقعہ ملا: حکیم شریف خاں کے بھائی حکیم احمداللہ خاں، حکیم میر افضل جو نواب عمدۃالزمانی موصوفہ کی سرکار کے خان ساماں تھے۔ حکیم نورالدین چھلہ، جو میرزا بابا مرحوم کی سرکار کے حکیم تھے۔ حکیم خلیل وغیرہ، جو در اصل عطار اور ھماری سرکار کے ملازم تھے۔

جس وقت میں قلعۂ مبارک میں تھا، محلات کا علاج معالجہ حکیموں کی نیابت میں خود کرتا تھا۔ اور فن طب میں ایک رسالہ بھی تالیف کیا تھا، جس کا نام فوائدالاطفال ہے۔ مگر وہ ابھی تک نا تمام ہے۔ جب لکھنؤ پہنچا اور سرفرازالدولہ سے ملاقات ہوی تو انھوں نے میرے اور میرے بچوں اور میرے محلات کے علاج معالجے کے لئے حکیم احمد کو مقرر کردیا۔ یہ

معالجہ خاں مرحوم کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ اور حسب ضرورت سب کا علاج معالجہ کرتے تھے۔ اِن کے علاج کا طریقہ نہایت نازک اور استخارے پر موقوف ہے۔ استخارے کے موافق دوا لکھتے اور اکثر بیمار شفا پاتے ہیں۔ لکھنؤ میں ایک حکیم ناصر علی تھے، جو نواب مدارالدولہ بہادر کے قدیم رفیق، بہت اچھے طبیب، بڑے دانا اور پرانے تجربہ کار تھے۔ ایک حکیم غریب اللہ دہلوی مرحوم کے نواسے میر اصغر علی تھے۔ جب میں اُن سے ملا اور اندازہ کیا تو بہت پسند آئے۔ حکیم صاحب کی صحبت میں نے بہت غنیمت جانی، بڑے حاذق طبیب ہیں۔ اکثر ہمارے مکان پر آتے اور اُن سے بہت فوائد حاصل ہوتے رہتے تھے۔ خدا سلامت رکھے۔

ایک طبیب میر صادق ہیں، یہ بہت اونچا سنتے ہیں، اور چاندی کی ایک چھوٹی سی نلکی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ بات چیت کے وقت اُس نلکی کا باریک سرا اپنے کان میں، اور دوسرا سرا جو زیادہ چوڑا چکلا ہے، بولنے والے کے منہ سے لگادیتے ہیں۔ اِس طرح بہت سہولت سے آواز سن لیتے ہیں۔ بڑے صاحب علم اور بہت سے فنوں کے ماہر ہیں، بات چیت میں انتہا درجے کی بلاغت اور فصاحت ہے۔ شیریں کلامی میں کوئی اُن کو نہیں پہنچتا۔ علاج یونانیوں کے طریقے پر ہے۔

ایک شفائی خاں ہیں۔ جو ہزار روپے ماہانہ تنخواہ پاتے ہیں۔ نواب آصف الدولہ کی جانب سے خطاب بھی پایا ہے۔ اکثر شعر بھی کہتے ہیں۔ لیکن مضامین ہلکے اور مبتذل باندھتے ہیں۔ اُن کے معالجے کا کبھی موقعہ نہیں ہوا۔ کبھی کبھی مدارالدولہ، سرفرازالدولہ اور میر سید کے یہاں آتے ہیں، بات چیت کا اتفاق ہوجاتا ہے، اِن کا علاج بھی یونانیوں کے طریقے پر ہے۔ زبردست عالم ہیں، تاہم وہاں کے ثقہ لوگوں سے سننے میں آیا کہ بیمار کو اسقدر پرہیز کراتے ہیں کہ بیچارہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ سنا ہے کہ اُن کے حواس میں کسی قدر خلل بھی پیدا ہوگیا ہے۔ اکثر دواؤں کے وزنوں میں بھول چوک اور کمی بیشی کر جاتے ہیں۔

ایک طبیب میر مقصود سِبدی ہیں۔ یہ بھی صاحب عزت اور نواب شجاع الدولہ کے خسر ہوتے ہیں۔ فن طبابت میں بہت خوب ہیں۔ مگر مزاج نازک اور تیز طبع ہیں۔ ان کا کچھ ذکر نواب آصف الدولہ کی

تیر اندازی کے بیان میں آچکا ہے۔ اکثر سرفرازالدولہ کا علاج کرتے رہتے ہیں۔ تند مزاجی کے سوا ان میں اور کوئی برائی نہیں پائی۔ اِن سے بھی میں نے بہت سے فوائد حاصل کئے۔

ایک طبیب میر رضی نامی ہیں۔ یہ اکثر یونانی علاج میں خلط ملط کر دیتے ہیں اور خودرائی اِن کی عادت ہے۔

ایک نقل: لطف علی خاں بہادر، سرفرازالدولہ کے خلیرے بھائی اور بہنوئی تھے۔ وہ تپ مرکب میں مبتلا ہو گئے، ایک سال تک بیماری طول کھینچتی رہی۔ تمام مذکورہ اطباء اُن کا علاج کرتے رہے، مگر کچھ بن نہ پڑا۔ اُنہیں دنوں سرفرازالدولہ کو کلکتے کا سفر پیش آیا۔ بیمار کو راقم کے ذمے چھوڑ کر چلدیے، اور فرمایا: میرے بھائی کے معالجے کے مشورے میں جناب حضرت شریک رہیں۔ سرفرازالدولہ کے جانے کے بعد مریض مذکور کا علاج اُن کے مشورے سے حکیم میر رضی کے سپرد ہوا۔ یہ حضرت اپنی رائے پر اصرار اور ضد کرکے پرانے بیمار کو لگاتار کئی روز تک قُلقاس* اور پکے کیلے کھلاتے رہے۔ تمام حکیموں نے منع کیا، مگر نہ مانے۔ آخر بیمار کا کام تمام کردیا۔ خدا اُن پر رحمت فرمائے۔

لکھنؤ کے دوسرے حکیموں کا ذکر اِس مختصر نسخے کے لئے مناسب نہیں۔ کتاب کے طولانی ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اِس لئے اِنہیں حالات پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ہاں ایک حکیم حسین رضا خاں تھے۔ یہ حکیم محمد یارخاں کے والد اور حکیم کاظم علی خاں قلعہ دار مستقر دارالخلافۃ اکبرآباد (آگرہ) کے بھانجے تھے۔ اور حکیم عبداللہ خاں ولد مولوی محمد اشرف نبی حکیم رضا کے چچیرے بھائی تھے، اور یہ دونوں حکیم عنایت اللہ خاں مرحوم کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ جیسے ہی میں چےپور جاکر ٹھہرا، یہ میرے پاس آکر ملازم ہوگئے، اور لکھنؤ سے دکن روانہ ہونے تک برابر میری رفاقت کی۔ لکھنؤ میں، میں نے اُنہیں خانی کے خطاب سے بھی سرفراز کیا تھا۔ ہمارے اور ہمارے گھر والوں کے علاج معالجے اُنہیں کے ہاتھ سے ہوتے رہے۔ رات دن راقم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اور اکثر امراء لکھنؤ کے معالجوں میں دخل دیا کرتے تھے۔ اُنہیں کے علاج سے اکثر کو شفا کی برکت ہاتھ آئی۔ سنا ہے کہ اب بڑی عزت کے ساتھ بنارس میں

---

* اروی۔ (غیاث)

بسر کرتے ہیں۔ اپنے خانگی حالات کے متعلق عریضے وغیرہ بھیجتے رہتے ہیں۔ اِنہوں نے راقم کی بہت کچھہ خدمت کی ہے۔ اور اس کے صلے میں ہر طرح سے امیدوار کرم ہیں۔ مگر ہنوز زمانے نے اتنی فرصت نہ دی کہ ایسے بے کینہ و دیرینہ ملازموں کو ہم اپنے پاس طلب فرمالیں۔ اور اپنے سایۂ کرم میں پوری قدردانی کے ساتھہ پرورش کریں۔

جب راقم کرناٹک پہنچا تو یہاں کا طریقۂ علاج ہی اُلٹا دیکھا۔ تمام مشریوں نے چھوٹے بڑے تمام امراض کا علاج محض روغن خروع یعنے ریلڈی کے تیل پر منحصر کر رکھا ہے۔ اور جو مسلمان طبیب یونانی طب پڑھے ہوے ہیں، وہ بھی یونانی اور فرنگی دواؤں کے ساتھہ اکثر یہی روغن دیتے ہیں، اور بیمار کو فصد سے ڈراتے ہیں۔ میں اِن سے بہت ڈرتا اور بدرجۂ مجبوری اِن کا علاج کرتا تھا۔ بارے حکیم احمداللہ خاں دہلوی کو پالیا، انہیں بہت غنیمت جانا اور اِن کی طرف رجوع کیا۔ حکیم موصوف جب تک زندہ رہے، ہمارا اور ہمارے بال بچوں کا علاج معالجہ وہی کرتے رہے۔ اُن کے بعد کچھہ روز حکیم سید غلام علی خاں ایک تقریب سے یہاں پہنچے۔ یہ حکیم میر افضل خاں کے نواسے تھے۔ میں نے اُن کی طرف رجوع کیا اور ان کو بہت اچھا طبیب پایا، جوان صالح اور صاحب علم و شعور تھے۔ اُن کے علاج اور تشخیص کا انداز مجھے پسند آیا اور یہاں کے چند لوگوں کے علاج و تشخیص مرض میں تو اِنہوں نے ید بیضا کا معجزہ دکھادیا۔ مگر پھر لکھنؤ واپس چلے گئے۔ حکیم میر اصغر علی مذکور کے شاگردوں میں ہیں۔ خدا سلامت رکھے۔

اِن کے جانے کے چند روز بعد میں نے حکیم تجمل عظیم خاں لکھنوی کی طرف رجوع کیا۔ یہ حکیم شفائی خاں موصوف کے تلامذہ میں تھے۔ ایک آزاد وضع مرد نظر آئے۔ فارسی، اردو شعر بہت دردناک کہتے تھے تجمؔل تخلص تھا۔ بہت اچھے عالم تھے، مگر افسوس موت نے فرصت نہ دی، ترچناپلی جاکر وفات پائی، خدا بخشے۔

اب اگر نصیب دشمناں اپنی یا بچوں کی بیماریوں میں کچھہ ضرورت پڑجاتی ہے تو میں خود علاج معالجے کر لیتا ہوں۔ کبھی کبھار یہاں کے بعض ایسے طبیبوں سے جو میرے نزدیک مستثنٰے ہیں، اور رائے بھگوان داس سے مشورہ کر لیتا ہوں۔

راے بھگوان داس راقم کی سرکار کے دیوان ھیں، ان کا ذکر اوپر کئی جگه گذر چکا ھے- گو عربی، فارسی علوم میں کچھه زیادہ قابلیت نھیں رکھتے- لیکن فن طب اُنھوں نے پدری میراث میں پایا ھے- اپنے باپ اور بھائی کے طریقۂ علاج دیکھے، اور بہت کچھه تجربے حاصل کئے ھیں- اپنے باپ کی تالیفات اپنے ساتھه اور اُن کے تجربات یاد رکھتے ھیں- مدت سے اِس فن کی مشق کر رھے ھیں- کرناٹک میں ایک عالم اُن کی طرف رجوع ھوتا اور اکثر شفا پاتا ھے-

آج کل یہاں ایک صاحب سیدی میر اعظم کا نام مجھه تک پہنچا ھے- اور سنا ھے که فن طب میں اچھی مہارت رکھتے ھیں- حکیم احمداللہ خاں مرحوم اور حکیم میر فضل علی خاں کے شاگرد ھیں- فضل علی خاں بھی حکیم احمداللہ خاں مرحوم ھی کے شاگرد رشید ھیں- اُن کا طرِیقه علاج خاص یونانیوں کے ڈھنگ پر پایا، بہت پسند کیا اور غنیمت سمجھا، کئی سال سے میرے رفیق ھیں- عجب نیک مرد، متوکل، سلیم الطبع، حلیم وضع، تیز فہم، نکته رس معلوم ھوتے ھیں- خداے تعالٰے ھماری معرفت اِن کے تمام دلی مقاصد پورے فرمائے- آمین-

---

چھوٹے نورچشم میرزا اعلیٰ بخت معروف به جانی مرزا کی ولادت کا ذکر

ماہ شوال سنه صدر کی تیسری تاریخ کو چھوٹے محل سے ایک نیک اختر فرزند پیدا ھوا، جسکا نام میں نے مرزا اعلیٰ بخت اور عرف جانی مرزا رکھا- مجھه سے نہایت درجه مشابه ھے، چہرے سے سعادت کے آثار نمایاں ھیں- اللہ تعالٰے صحت و عافیت، اقبال و اطمینان، عزت و آبرو کے ساتھه علوم حاصل کرنا نصیب کرے، اور عمر طبعی کو پہنچائے-

---

راقم کی بڑی بیٹی سعیدۃالنساء بیگم کی شادی کا ذکر*

رمضان المبارک سنہ ۱۲۱۹ھ میں راقم کی بڑی بیٹی سعیدۃالنساء بیگم کا نکاح امیرالدولہ بہادر امیر جنگ سے ہوا- خدا اِسکی عمر اور عصمت میں ترقی دے- امیرالدولہ موصوف، عبدالقادر خاں کے نام سے معروف اور نواب محمد علی خاں بہادر امیرالہند والاجاہ اول کے حقیقی بھانجے ہیں- صاحب شان و شوکت اور ذی لیاقت سردار ہیں، اور اس دیار کے مشہور و نام آور لوگوں میں ہیں-

محفل نکاح راقم کے مکان پر منعقد ہوی- سرآمد فضلا ملک العلماء مولانا عبدالعلی مع قاضی القضاۃ محمد قاسم مسعد خاں بلگالی بھی تشریف لائے- محکمۂ قضا کے مفتی صاحبان اور دوسرے علماء بھی شریک ہوے- یہیں کے اکثر رؤساء بھی حاضر تھے، جو خاندان والا جاہی کی اولاد میں ہیں- رسم نکاح پوری ہونے کے بعد شادی کی سب رسمیں انجام پائیں- کئی جلسے ہوے، جن میں عمدہ تورہ بندی کے کھانوں کے علاوہ مردوں اور عورتوں کے ناچ گانے بھی ہوتے رہے- ماہ ذی قعدہ سنہ صدر تک قسم قسم کے ارباب طرب کی محفلیں جاری رہیں- خداے بے نظیر کے افضال سے موزوں جہیز اور مناسب اسباب کے ساتھہ شادی انصرام کو پہنچی- کسی رسم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہوا-

---

* سوانحات ممتاز کے مصنف نے اِن صاحبزادی کا نام عابدہ بیگم لکھا ھے' ممکن ھے کہ یہ اُن کا لقب یا خطاب ھو - اِن کے شوھر عبدالقادر خان کے حالات کے ذیل میں لکھتے ھیں:

عبدالقادر خاں کا خطاب امیرالدولہ امیر جنگ ھے - یہ نواب خیرالدین خاں (نواب والاجاہ اول کے بہنوئی اور انورالدین خاں کے بھتیجے) ناظم جنگ کے بیٹے تھے - امیرالدولہ کی والدہ' نواب والاجاہ اول کی حقیقی چھوٹی بہن تھیں' جن کا نام کریم النساء اور عرف حضرت بیگم تھا - یہ اپنے شوھر کی دوسری بیوی تھیں - اِن کے بطن سے چھ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ھوئی - امیرالدولہ اِن کے تیسرے بیٹے تھے - اِن کا پہلا عقد نواب والاجاہ کے زمانے میں قوم نوائط کے ایک شریف خاندان میں ھوا - بیوی کا نام راحت النساء بیگم تھا - اُن کے انتقال کے بعد دوسرا عقد نواب رحمت مآب عمدۃ الامراء کے زمانے میں مرزا علی بخش بہادر کی بیٹی عابدہ بیگم سے ھوا - اِن کے بطن سے دو بچے پیدا ھوے' ایک دختر جن کا نام عالیہ بیگم تھا - امیرالدولہ نے ۲۹ ذیحجہ سنہ ۱۲ ۹ھ میں انتقال فرمایا -

اسی مہینے کی سترہ تاریخ کو پوری تیاری اور جلوس کے ساتھہ معمول کے موافق بہادر موصوف کی رسم شب گشت عمل میں آئی۔ جو کچھہ ہمارے مقدور میں تھا، ہم نے نورچشمی کو دان جہیز اور اسباب ظاہری دیکر بخیر و عافیت اور شان و شوکت سے بہادر موصوف کے گھر روانہ کیا۔ جناب ہمشیرہ نواب سلطان النساء بیگم صاحبہ اِس شادی کے زمانے میں اپنے صدمات اور پریشانیوں میں گرفتار اور سخت معذور تھیں۔ مگر نواب بیگم محل عالیۂ نواب عظیم الدولہ بہادر امیرالہند والاجاہ نے بہت کچھہ امداد فرمائی، خدا اُنھیں جزائے خیر دے۔ "والحمد للہ علیٰ ذلک"۔

اسی نورچشمی کے یہاں، فرزند سعادت مند پیدا ہونے کا ذکر، خدا دونوں کو سلامت رکھے

ماہ شوال سنہ ۱۲۲۰ھ کی پہلی تاریخ کو خدا کے فضل سے نورچشمی کے یہاں پسر نیک اختر پیدا ہوا۔ میں نے تائیدالدین محمد اکبر نام رکھا۔ ہندوستان میں اس موقع پر جو کچھہ ضروری رسمیں ہوتی ہیں، وہ سب اس عزیز نواسے کی ولادت پر عمل میں لائی گئیں۔ خدا دونوں کی عمر دراز کرے۔ "الحمد للہ علیٰ ذلک" معلوم نہیں آیندہ باقی لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی بیاہ میں زمانہ کیا رنگ دکھاتا ہے۔ کہاں اتفاق پیش آتا اور راقم کے ہاتھہ سے کیا ہوتا ہے۔ "اللھم اقض حاجاتنا واکف مہماتنا فی الدنیا والدین برحمتک یا ارحم الراحمین" (اے اللہ ہماری حاجتیں پوری کردے، اور ہمارے دین و دنیا کے اہم معاملات آسان فرما، اپنی رحمت سے، اے سب رحم کرنے والوں سے بڑے رحم کرنے والے)

تنبیہ: جب ہم لکھنؤ پہنچے تھے تو سرفرازالدولہ نائب وزیر سے پہلی ملاقات محرم الحرام کے عشرے میں، اُنھیں کے امام باڑے میں ہوی تھی۔ اس کے بعد وہ اکثر اوقات ہمیں اپنے یہاں بلایا کرتے، اور پر تکلف مہمانی سے پیش آتے تھے۔ ایک سال تک اس طریقے پر باہمی ملاقات جاری رہی کہ سرفرازالدولہ رسم سلام ادا کرکے میری پیٹھ کے پیچھے بیٹھہ جاتے۔ میں اُسی طرح بیٹھا رہتا اور آنکھہ کے اشارے سے اُن کا سلام لیتا تھا۔

نواب مدارالدولہ بہادر صمصام جنگ جن کا ذکر اوپر گزرچکا ہے، رشتے میں

خواجہ زادہ ہونے کی وجہ سے ہمارے دادا ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ ہم تیموری نسل سے ہیں اور وہ اس نسل سے نہیں، اس لئے ہمیشہ وہی ہمیں سلام کرتے تھے۔ میں دادا ہونے کی رعایت ملحوظ رکھہ کر صرف زبان سے السلام علیکم کہدیا کرتا تھا۔

فائدہ: نواب مدارالدولہ کے بڑے بیٹے میرزا محمد علی خاں نے سلام اور تعظیم میں میری طرف سے بے اعتنائی کا یہ رنگ دیکھکر ایک روز انبساط کی حالت میں خود اپنی زبان سے ایک ماجرا بیان کیا، جو اُن پر گزرا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ "شاہ عالم بادشاہ مرحوم کے بڑے بیٹے شاہزادہ میرزا جواں بخت ولی عہد بہادر کے لکھنؤ میں آنے اور مقیم ہونے کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک روز اُن کی سواری جارہی تھی، میں گھوڑے پر سوار تھا۔ میرا اُن کا سامنا ہوا تو میں گھوڑے کو دوڑا کر اُن کے نزدیک پہنچا اور ادب کے ساتھہ مجرا پیش کیا۔ وہ دیکھکر خاموش رہ گئے۔ میں سمجھا کہ اُنھوں نے دیکھا نہیں، کیونکہ اگر دیکھتے تو سر پر ہاتھہ رکھہ لیتے۔ دوسری بار گھوڑے کو دوڑا کر میں دوسری طرف لے گیا اور پہلے سے زیادہ قریب پہنچ کر دوبارہ اور زیادہ ادب کے ساتھہ آداب سلام بجالایا۔ پھر بھی میں نے شاہزادۂ موصوف کی وہی حالت دیکھی۔ تیسری بار بھی بدستور یہی رنگ نظر آیا۔ اِس دفعہ ہندوستان کے اکثر امیرزادوں نے میری حرکت دیکھہ لی اور اِسے میری کم عقلی پر محمول کیا۔ میں شرمندہ ہوکر واپس ہوگیا۔ اب جو جناب حضرت تشریف لائے تو خود میں نے دیکھا کہ میں اور دوسرے لوگ یہاں تک کہ خود میرے والد بزرگوار بھی سلام کرتے ہیں تب بھی وہی حالت دیکھتا ہوں جو اُس وقت ولی عہد بہادر مرحوم کی دیکھی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ قلعۂ مبارک کے تمام شہزادوں کی یہی عادت ہے"۔

میں نے کہا: ہاں قسم ہے اُس رب العزت کی کہ تکبر و نخوت کی راہ سے یا تکلفاً یہ حرکت ہم سے نہیں ہوتی، بلکہ تمام تیموری خاندان کا یہی دستور ہے۔ اپنے ہم چشموں کے سوا کسی اور کو سلام اور تعظیم کرنے کی اُنھیں عادت نہیں۔ جب سے ہم قلعۂ مبارک سے نکلے، تمام سفروں میں یہی حال رہا کہ جس کسی شخص نے مجھے سلام کیا، میں اس کے چہرے کو دیکھکر چپ ہو رہا۔ جو لوگ قلعۂ مبارک کے شہزادوں کی رسوم سے واقف نہیں، وہ تعجب سے کہتے ہوں گے کہ یہ شخص شاید اس وجہ سے اِس قدر غرور رکھتا ہے، کہ تیموری نسل سے ہے۔ ہمارے خواص میں سے بعض لوگوں نے یہ افواہ مجھہ تک

پہنچائی کہ جناب حضرت آپ ابھی راستے میں ہیں- اور دشمنوں کے حدود سے باہر نہیں نکلے ہیں- لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ سلام کا جواب دینے میں حضور بےاعتنائی فرماتے ہیں- میں نے کہا: مجبور ہوں کہ اب تک یہ کام نہیں سیکھا، بھول جاتا ہوں، رفتہ رفتہ سیکھہ جاؤں گا- پھر برسوں یاد رہیگا- اگر تم اس وقت مجھ سے یہ بات چاھتے اور یہ سبق پڑھاتے ہو تو سلام کے وقت میرا ھاتھہ پکڑ کر میرے سر پر رکھدیا کرو-

القصہ: نواب مدارالدولہ نے بہت کچھہ نصیحتیں کیں کہ اب آپ صاحب غرض ہوکر دوسروں کے پاس پہنچے ہیں- اس لئے کوئی سلام کرے تو اپنا ھاتھہ جواباً سر پر رکھہ لیا کریں، اور امراء کے ساتھہ تعظیم سے پیش آیا کریں- کیونکہ تعظیم دلوں کو پرچانے کا بہت اچھا نسخہ ھے- تب کہیں میں نے یہ عادت سیکھی- پھر بھی نواب مدارالدولہ، نواب وزیر اور اُن کے نائب کے سوا ھم کسی دوسرے کے ساتھہ اس تواضع سے کبھی پیش نہیں آتے تھے- البتہ کبھی کوئی بڑے مرتبے کا امیر سلام کرتا تو اپنا ھاتھہ سر پر رکھہ لیتے تھے، اور بس- جس وقت پہلی دفعہ ھم نے سرفرازالدولہ کی تعظیم کی، اور جواب سلام ادا کیا تو اُنھوں نے دوڑ کر ھاتھہ پکڑلیا، اور سخت قسمیں دے کر کہنے لگے کہ آج یہ ناپسندیدہ حرکت حضرت کو کس نے سکھائی- پھر امام حسین کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ حضرت کو وھی بے اعتنائی اور بےپروائی زیبا ھے- میں نے اُن سے زیادہ قسمیں کھا کر کہا کہ خدا کے لئے مجھے معذور رکھئے- اب میں آپ کی تعظیم سے قیامت تک باز نہ آؤں گا-

---

ایسا ھی ایک اور قصہ: ایک روز میں مرزا فاخر مکین کی ملاقات کے لئے گیا، جو فن شعر اور عروض میں استاد کامل ہیں- اُنھیں کی زبانی یہ بھی سنا کہ حضرت قدر قدرت شاہ عالم بادشاہ متخلص بہ "آفتاب"، جس وقت الہ‌آباد میں تھے، اُن کے فارسی دیوان کی اصلاح میں نے کی ھے- مرزا فاخر مکین کا تبختر اِس درجے کا ھے کہ شاہزادہ مرزا جواں بخت ولی عہد مرحوم اور دوسرے رئیسوں سے تواضع کے بارے میں باھم سخت رنجیش پیدا ہوگئیں- بات یہ ھے کہ ھم لوگ جو خاندان گورگانیہ کی اولاد اور احفاد میں ہیں، اپنے ھم‌چشموں کے سوا دوسروں کے ساتھہ تواضع سے پیش آنے کی عادت بہت کم بلکہ بالکل نہیں رکھتے- یہ سچ ھے کہ تواضع دلوں کو لبھانے کا عمدہ نسخہ اور بہترین اخلاق ھے- ھر شخص کو محبوب و مرغوب ھے، مگر شاھی خاندان

کے اصول کے خلاف ہے۔ غرضکہ ہمارے اس دستور کے موافق جب مرزا فاخر نے میری جانب سے تواضع میں کوتاہی اور بے اعتنائی دیکھی تو منہ پھیر لیا، اور بگڑ بیٹھے۔ جب میں چلنے کیلئے اٹھا تو انہوں نے بھی رسم تواضع سے پہلوتہی کی، اور دوسری باتوں کے اثنا میں ایک موقعہ پر یہ الفاظ زبان پر لے آئے کہ "جواب ترکی به ترکی"۔ میں نے کہا: ذرا اس کی تفصیل فرمائیے۔ کہنےلگے: تمام امور میں اِسی کو جواب سمجھہ لینا چاہئے۔ میں نے کہا: اِس مجمل کی مزید تفصیل چاہتا ہوں۔ مسکراکر جواب دیا کہ:

"بادشاهان و گدایان دو گروهے عجب اند
که نبودند و نباشند بفرمان کسے"

میں سمجھہ گیا کہ آنے کے وقت وہ میری تواضع بجا لائے تھے۔ مگر میں اُن کی تواضع سے قاصر رہا، اس لئے یہ کدورت آمیز بات چیت ہو رہی ہے۔ فوراً ہی میں نے جواب دیا کہ "افسوس اُس شخص کی حالت پر جو اِن دونوں صفات کا جامع ہو"۔ (فهم من فهم)

ایسا ہی ایک اور واقعہ: ایک وہ دن تھا کہ مہاراجاؤں وغیرہ کے بڑے بڑے بخشیوں کو اگر میں اپنے ہاتھہ سے شقہ‌جات میں لفظ بہادر، یا جیو لکھنا چاہتا تو نہایت اصرار کے ساتھہ وہ منع کرتے تھے کہ جناب حضرت کو کسی طرح یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم جیسے غلاموں کی نسبت یہ الفاظ لکھیں۔ اب اگر کسی معمولی آدمی کو بھی ہم اِن الفاظ سے نہیں پکارتے یا نہیں لکھتے تو اُن کے حماقت نشان چہروں پر رنگ ملال جھلکنے لگتا ہے۔ یہ سب اس کا ثمرہ ہے کہ دلی کے والیوں اور ناظموں نے ہماری ہتک عزت اور ذلیل کرنے کے لئے عرش آرامگاہ کے دوسرے نواسوں یعنے ہمارے چچاؤں کی اولاد کو بھی قلعۂ مبارک سے باہر نکلوادیا۔ اور آل تیمور کی عزت و حرمت کو اِس درجے پر پہنچادیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں کو نہیں، بلکہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹوں تک کو اس کا ضرر و اثر پہنچا ہے۔ اسی حالت کے مصداق بادشاہ قرا یوسف کی تصنیفات میں ایک رباعی دیکھی، جو اُس نے اپنے ادبار اور اضطرار کی حالت میں کہی تھی۔ رباعی:

دیرو زچناں وصال جاں افروزی
وامروز چناں فراق عالم سوزی
افسوس که در قسمت عمرم ایام
روزے آں را نویسد وایں را روزے

مگر آجکل زمانہ کچھہ ایسے انداز دکھا رہا ھے کہ اب یہ بات محالات سے نظر آتی ھے کہ ھماری آل و اولاد اپنے خاندان کے وتیرے پر مضبوطی سے قائم رھے۔ بقول شاعر:

آنکہ شیراں را کند رو بہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

اسی کی ضد میں کسی دوسرے شاعر نے یوں کہاں ھے:

مرد غیرت کے شود روبہ مزاج
می زند بر پشم خود صد احتیاج

مگر چرخ دوار کی گردش کی بدولت اِس زمانے میں اِس طبیعت کا آدمی لاکھوں میں ایک آدہ بھی پیدا نہیں ھوتا، اور نہ مادر زمانہ پیدا کرتی۔ اس آسمان کی طرف سے جو صدمہ بھی پیش آئے، چارو ناچار اُٹھانا ھے۔ اور جو کچھہ تقدیر دکھائے، مجبوراً دیکھنا ھے۔ بقول صائب (بیت):

زندگی در گردن افتاد است صائب چوں کلم
شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن

"یا لیت مت قبل ان ولدت"*

صاحبان عالی شان انگریز بہادر کے اوصاف میں چند فقرے

جب تک ھم قلعۂ مبارک میں قید رھے، کبھی کبھی صاحبان فرنگ کا نام سنتے تھے، مگر دیکھا نہیں تھا۔ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ عنقا کی طرح موھوم ھستی یا عالم غیب کے انسان ھیں، کہ نام سننے کے سوا آدمی انھیں اپنی آنکھہ سے بہت کم دیکھہ سکتا ھے۔ لیکن جب غلام قادر افغان کے ھاتھوں سلطنت کی تباھی رونما ھوی اور اِن صاحبوں کے وکیل مسٹر پالمر صاحب اور کرنیل بسکت (یا شائد کوئی دوسرا نام ھو) جو ملوفرخ‌آباد میں مقرر تھے۔ سھر کی طور پر قلعۂ مبارک میں سلیم‌گڑہ کی طرف آئے، جس کا لقب نورگڑہ ھے۔ تو اکثر شاھزادوں کو محل سے باھر طلب کرکے دیکھا۔ ھمارے دروازے پر بھی آکر ھمیں باھر بلوایا، اور خود مؤدب کھڑے رھے۔ پالمر صاحب نے فارسی زبان

---

* کاش میں اپنے پیدا ھونے سے پہلے ھی مرجاتا!

میں ہم سے اِس تباہی کا حال دریافت کیا۔ کرنیل صاحب خاموش کھڑے رہے، شاید وہ ہندی یا فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ رخصت کے وقت کئی سو روپے بطور نذرانہ پیش کرکے روانہ ہوے۔ ہم نے بھی بہرہ اور ہار پاندان، عطر وغیرہ تیار کراکر رسم مہمانی بجا لانا چاہا۔ اور اِس بارے میں حضور اقدس کو اطلاعی عرضی لکھی۔ مگر حضرت قدر قدرت نے ممانعت فرمائی کہ سلاطین کی یہ رسم نہیں ہے، موقوف رکھو۔ غرض اِن صاحبان عالی شان کی بات چیت اور وضع قطع سے میں نے معلوم کرلیا کہ فرنگی صاحبان انتہا درجے کی آدمیت اور مرتبہ شناسی کی لیاقت رکھتے ہیں۔ میں اِس گروہ سے ملنے کا مشتاق تھا۔ دہلی کے قلعۂ مبارک سے نکلنے، اور راجاؤں کے علاقوں سے گذر جانے کے بعد لکھنؤ پہنچا۔ وہاں محرم الحرام کے عشرے میں تماشا دیکھنے کی طور پر چند انگریز رات کے وقت نواب وزیر اور اُن کے نائب کے امام باڑے میں آئے۔ اُن کو دیکھنے اور اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُن کے چہرے خود اِس گروہ کی عقل و ذہانت کا پتہ دیتے تھے۔ مگر یہاں کے عام اور خاص لوگوں سے ان صاحبوں کے اخلاق اور حالات و واقعات مختلف سننے میں آتے تھے۔ اکثر منشی وغیرہ جو اُن کے اشراف اور سمجھہ دار ملازمین تھے۔ مدح و ثنا کے سوا، اُن کے بارے میں اور کچھہ کہتے ہی نہ تھے۔ اور عوام اپنی مجلسوں میں مختلف وجوہ سے اُن کی برائی اور بھلائی دونوں کرتے رہتے تھے۔ میں نے سمجھہ لیا کہ اِس بیت کے مطابق:

مانجا اللہ والرسول معاً - من لسان الورٰے فکیف انا*

عوام کے قول پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔

پھر جب میں سیر دکن کے ارادے سے لکھنؤ سے نکلا، انگریزوں کے شہروں اور علاقوں میں گھوما پھرا۔ وہاں کی زمینوں کی آبادی، گانؤوں کی معموری و سرسبزی، رعایا کی محفوظ حالت، غلوں کی ارزانی، زراعت کی کثرت، راستوں کا چوروں اور مکاروں سے پاک ہونا، ناہموار راہوں کی ہمواری، مسافروں کے آرام کے لئے سڑکوں کے دونوں طرف سایہ دار درختوں کا پایا جانا، ہر ایک گانؤں اور شہر میں عدالت اور منصفوں کا مقرر ہونا، حق دار کے حق دلانا، مظلوم کی حمایت اور ظالم کی تنبیہ، عالموں اور شریفوں کی قدردانی، جاہلوں

---

* (ترجمہ) جب خدا اور رسول تک مخلوق کی زبان سے نہیں بچے تو ہم کیا ہیں۔

اور کمیلوں کو اُن کے حسب حال جگہ دینا، اقرار اور وعدوں کا پورا کرنا، پھر اُس پر اصرار و تاکید کے ساتھہ عمل پیرا ہونا، یہ سب باتیں نظر آئیں- اُن کے سامان رزم وغیرہ پر نظر ڈالتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ رات دن فوجوں کی ترقی اور باقاعدہ تربیت میں مصروف ہیں- اسباب بزم کو ملاحظہ کرتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ ہر جگہ مکانات کی تیاری، فرش فروش کی صفائی ہے- اُن کے علم و فضل سے بحث کرنا چاہوں تو یہ عالم ہے کہ ہمیشہ حصول علم میں لگے رہتے ہیں، کئی کئی زبانیں سیکھہ گئے اور سیکھہ لیتے ہیں- بہادری میں اِن کا ہر فرد اپنے زمانے کا سب سے بڑا بہادر ہے- اور صرف کرنے میں ہر موقعے پر ان کا ہر ادنیٰ سب سے بڑا سخی نظر آتا ہے- غرضکہ مجسم علم ہیں- حرکات و سکنات میں فلاسفۂ یونان کے لگ بھگ ہیں- اس فرقے کو ہر کار و بار میں درستی اور بات چیت میں راستی کچھہ اسقدر حاصل ہے کہ صرف پیمبری کی کسر رہ جاتی ہے- کاش پیمبری ان سب بھلائیوں کا تتمہ ہوتی- ہم سمجھتے ہیں کہ اُن کی ثروت اور اقبال کی ترقی، اُن کے ملک و مال کی افزونی کا سبب اُن کے یہی قوانین ہیں- کوئی مدعی اگر یہ کہے کہ یہ بھی تو اس گروہ کی عادت ہے کہ جزئیات میں اکثر اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے، مگر کلیات کے عہد و اقرار کو تہس نہس کر ڈالتے ہیں- دعوے کے اثبات میں شواہد و دلائل کے طور پر بنگالہ وغیرہ کی حالت پیش کی جائے تو ہم کہیں گے کہ اگر چلد بے مغز، بیوقوف ایسا کہیں بھی تو قابل اعتبار نہیں- اس لئے کہ یہ بات بدیہی ہے کہ عقل مند آدمی کسی معاملے میں اپنا کوئی نقصان دیکھکر کیونکر توقف اختیار کرسکتا ہے- بمصداق:

"قتل الموذی قبل الایذا"*

دنیا کے تمام مذاہب میں اپنے مصالح کے خلاف کاروائی کرنا بالکل بے جا ہے- اس کے علاوہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر ہمارے زمانے میں ہندوستانی زیادہ عقل مند ہوتے تو اِس قوم سے مغلوب ہی کیوں ہوتے- بہرحال یہ لوگ بھی ہماری ہی طرح ہیں، اگر وعدہ پورا کرنے میں صریحاً اپنا کوئی نقصان دیکھتے ہیں تو خلاف ورزی کرتے اور ڈھیل دیتے رہتے ہیں- یہاں تک کہ قصہ ہی ختم ہوجاتا ہے-

---

* (ترجمہ) ایذا دینے والے کو ایذا دینے سے پہلے قتل کردینا چاہئے۔

ہم نے تجربہ کیا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب غلام قادر افغان اور اسمٰعیل بیگ شیطان، محمد بیگ ہمدانی کے بھتیجے نے ہزاروں ملتوں اور سماجتوں سے بڑے بڑے امیروں اور عالموں کو بیچ میں ڈال کر اپنا وکیل بنایا۔ اور کلام اللہ کو ضامن بناکر شاہ عالم بادشاہ سے عہد و پیماں کئے۔ عہد ناموں پر طرفین کی مہریں لگا کر اُن کو پکّا کیا گیا۔ مگر پھر قلعۂ مبارک کے اندر گھس آئے۔ اُس وقت چند عقل مند اور تجربہ کار لوگ تخت خلافت کے نزدیک حاضر تھے۔ وہ اِن ناھنجار، نمک حراموں کی گفتار اور اطوار کو پاگئے تھے، اُنھوں نے کہا کہ "دونوں لچے ہیں، آج یقیناً دغابازی سے چال چل رہے ہیں۔ اور بادشاہ کو تخت سلطنت سے اُتارنا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے حضور میں عرض کی کہ اِن دونوں بد ذات کمینوں کی حرکات اور سکنات سے ایسا نظر آتا ہے کہ شاید اِن کے ہاتھوں کوئی انقلاب رونما ہونے والا ہے۔ ابھی یہ لوگ مغلوب ہیں، اور ملازمین حضور غالب۔ محض گنتی کے چند لوگوں کے ساتھہ شاہی توپ خانے کے سامنے کھڑے ہیں۔ سرکار کے گولہ انداز تیار اور ہتیار بند ہیں، توڑے بھرے ہوے حضرت قدر قدرت کے حکم کے منتظر ہیں۔ حکومت کی بھلائی اِسی میں ہے کہ حکم والا صادر ہو کہ شاہی توپ خانے کو آگ دیدیں۔ اور فوراً قلعۂ مبارک کے دروازے بند کردیں، تاکہ بد معاشوں کا کام آسانی کے ساتھہ فیصلہ کن انجام کو پہنچ جائے۔ آگ ابھی دھیمی ہے، تھوڑے پانی سے بجھا سکتے ہیں"۔ مگر آہ کہ دانا خیرخواہوں کا یہ معروضہ قبول نہ ہوا۔ ارشاد ہوا کہ اب تک ہمارے خاندان سے دغا عمل میں نہیں آئی ہے۔ اگر خود اِن نمک حراموں کی جانب سے کسی وقت کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی تو کلام اللہ ضامن ہے۔ وہی اُنھیں سمجھہ لیگا، اور سزا کو پہنچائیگا۔ آخرکار حضرت قدر قدرت نے فدویوں کی نصیحتیں نہ سنیں اور جو کچھہ دیکھنا تھا دیکھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: زمانے کا یہی دستور چلا آتا ہے کہ غالب قوم، مغلوب قوم کو اپنا محکوم بناتی ہے۔ جس طرح دھلی پر مدتوں ھندو راجا راج کرتے رہے۔ پھر کچھہ عرصے تک افغان حکومت چلاتے رہے۔ پھر کچھہ دنوں مغل ترک فرماں روا رہے۔ اس کے بعد دکھنیوں کی باری آئی۔ اب اگر انگریز بہادر کا عالی شان گروہ قابض و متصرف ہوجائے تو کیا تعجب۔ یہ قوم تو سابقہ قوموں سے زیادہ عقل مند ہے۔ قسم قسم کی آبادی، سرسبزی اور ملکی رونق کے لحاظ سے دوسروں پر فائق ہے۔

———

اِس ملک کے مردوں، عورتوں، آب و ہوا، طور و طریق، اور موسموں کا ذکر اور اسی کے مناسب بعض فوائد جو اس ضمن میں آتے ہیں، یہاں لکھے جاتے ہیں

اِس ملک میں بارش کا موسم، موسم سرما کے وسط میں ہوتا ہے۔ مگر بہت کم اور گرمیوں کا موسم ہمیشہ بے مزہ رہتا ہے۔ بہار تو کبھی کہیں معلوم ہی نہیں ہوتی۔ تاہم بھوک وغیرہ کے لحاظ سے ہوا لکھنؤ سے بہتر ہے۔ مگر یہاں کا پانی آدمی کو بہت جلد دور پیری میں پہنچا دیتا ہے۔ اکثر مرد اور عورتیں بات چیت کا لطف نہیں جانتے۔ خاصکر یہاں کی دکھنی زبان طبیعت کو بہت ناگوار ہوتی ہے۔ لباس اور زیور میں بھی کوئی نزاکت نظر نہیں آتی۔ سنگترہ یعنی نارنگی اور میٹھے لیموں (سات گڑہ) کے سوا ہندوستان کے اکثر میوے پیدا ہوتے ہی نہیں۔ کبھی کچھہ مل بھی جاتے ہیں تو بے مزہ۔ اور کرناٹک والے گیہوں کی روٹی کا مزہ ہی نہیں جانتے۔ کبھی کبھار کھاتے بھی ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں بلکہ میوے وغیرہ کی طور پر ذرا سی کھالیتے ہیں۔ محرم الحرام کا عشرہ تو بالکل ہولی کی طرح ہوتا ہے۔ ہولی، دوالی، دسہرہ اور نو روز کے موسم سے یہ لوگ مطلق واقف نہیں۔ صرف وہی لوگ جانتے ہیں جو ہندوستان سے نئے نئے آئے ہیں۔ اور اِن اطراف کے اکثر امراء مجلس نشینی کے قاعدوں سے محروم ہیں، بلکہ آدمی کے سایے سے بھاگتے ہیں۔ لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی، تفنن طبع، سخن فہمی، شعرفہمی، گانا سننے کا ذوق وغیرہ جو دماغ کی خشکی دور ہونے کا بہترین علاج ہے۔ پوشاک کی آراستگی، خوراک کی آرائش اور خود آرائی، غرض سب نا پید ہے۔ دو دو تین تین مہینوں کے بعد خط بنواتے اور سر کے بال کتواتے ہیں۔ اور یہاں کے حکیم تو بڑی بڑی نادانیاں کرتے ہیں۔ مریضوں کو ہلاک کرڈالتے ہیں۔ کچھہ طب جانتے ہیں، مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اُن کی قابل ذکر غلطیوں میں سے دو چار بیان کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ بحران کی رعایت بالکل ملحوظ نہیں رکھتے۔ بغیر منضج کے مسہل دیدیتے ہیں۔ اور ایک ہی مسہل پر اکتفا کرتے ہیں۔ مریض کو سوداوی یا بلغمی پائے، یا بدن کو اخلاط سے بھرا ہوا دیکھنے پر بھی دوسرا مسہل نہیں دیتے اور فصد کی طرف تو رخ ہی نہیں کرتے۔ چاہے مریض خون کے غلبے سے مرنے کے قریب ہی کیوں نہ پہنچ

جائے، بے تامل بیمار کے سامنے مہلک مرض کا ذکر کردیتے ہیں، گو خلاف واقع ہی کیوں نہ ہو- اُسے موت سے ڈرا دیتے اور اُسکے وارثوں کو پریشان کر دیتے ہیں- خالص یونانی علاج کی جانب توجہ ہی نہیں- بلکہ "عطر مجموعہ" کی طور پر نسخوں میں یونانی، ڈاکٹری، تلنگی سب قسم کی دوائیں لکھہ مارتے ہیں- بعضوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اِس دیار میں بحران ہوتا ہی نہیں- اور فصد مریضوں کے حسب حال نہیں ہوتی- کہتے ہیں کہ اِن ملکوں میں جانداروں کے بدن میں خون کم پیدا ہوتا ہے- حالانکہ متقدمین اور متأخرین میں سے کسی کی کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو اِن مہملات کی شاہد اور مؤید ہو- کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ خرافات باتیں اگلے اور پچھلے استادوں کی تالیفات کی سندوں کے بغیر کس بنا پر کہتے ہو- البتہ بعض طبیب یونانیوں کے پیرو نظر آتے ہیں- اور چاہتے ہیں کہ اُسی قانون پر علاج کریں، مگر جاہل لوگ اُن کی نہیں چلنے دیتے- چونکہ کثرت ہی کو غلبہ ہے، یہ بیچارے مجبور ہوکر خاموشی اختیار کئے ہوے ہیں- بیمار لوگ جاہلوں کا علاج کرکرکے اُن سے مانوس ہیں، اور اِس نادان گروہ کی بے اصل باتیں مدت العمر سے سنتے رہے ہیں- اس لئے اِن کے دل میں جم گئی ہیں، اور اُنہیں کے خوگر ہوچکے ہیں- ہماری باتوں پر کان ہی نہیں دھرتے، بلکہ ہمیں کو نادان سمجھتے ہیں- ہم انہیں کتابیں بھی دکھاتے ہیں- کھلی ہوی دلیلیں اور کھلے کھلے تجربے پیش کرتے ہیں، مگر نہیں مانتے- خدا کی شان- اس میں شک نہیں کہ یہ سب اِس بات کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے معزز اور ادنے طبقے کے بیمار، غرض سب کے سب اِس فن کو ذرا بھی نہیں جانتے، کہ خود ہشیار ہوکر حکیموں کو سیدھے راستے پر لے آئیں، سچ اور جھوٹ میں تمیز کرسکیں- اور اِن جاہل حکیموں کی غلطیوں کی بلا سے نجات پائیں-

---

اب رہا یہاں کا ناچ گانا، تو اِس میں بھی قدامت کا رنگ نظر آتا ہے- لکھنؤ اور دہلی کے طور پر نہیں، آجکل تو وہاں رقص و سرود میں بھی عجب نئے نئے انداز پیدا ہوگئے ہیں- یہاں اُس کی بو بھی نہیں پہنچی-

(آہ) مجھے وہ دن یاد آتے ہیں، جبکہ دلی کے باکمال استادوں سے کیسے کیسے گانے سننے میں آتے تھے- چنانچہ ایک بار خلوت میں احمد شاہ بادشاہ

ابن محمد شاہ فردوس آرامگاہ اور شاہ جہاں ثانی یعنی محی الملۃ ابن محی السنۃ ولد محمد کام بخش، (یہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کے چھوٹے بیٹے تھے،) اور شاہزادہ محمد جام بخش بن شاہزادہ محمد کام بخش موصوف سے ایسے ایسے گانے سنے ہیں کہ پھر اُن کی جیسی رس بھری اور دلگداز آوازیں آج تک ہمارے کانوں کو سننے میں نہ آئیں۔ حالانکہ اِن بزرگوں کے گانے کا طریقہ بھی قدماهی کے سرود کے انداز پر تھا۔ حق تو یہ ہے کہ گزرا ہوا زمانہ کسی کو بھی ہاتھہ نہیں آتا۔ حضرت سعدی گلستاں میں فرماتے ہیں: (شعر عربی)

فقدت زمان الوصل والمرء جاهل
بقدر لذیذ العیش قبل المصائب *

جس زمانے میں احمد شاہ کو تخت سلطنت سے معزول کرکے اُن کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیری گئی، وہ نو محلۂ سلاطین میں قید کرکے رکھے گئے تھے۔ ایک آنکھہ میں کسی قدر بصارت باقی تھی، ذرا ذرا لکھہ پڑہ لیتے تھے۔ اُسی وقت میں پیدا ہی ہوا تھا۔ بادشاہ معزول نے اُسی گوشۂ خفا میں جہاں ہم سب بھی مقید تھے، اپنی زندگی کے دن تقریباً اُنیس سال گزارے۔ اب راقم جوان ہوچکا تھا، اور اُن کی صحبت اور پرلطف باتوں سے مزہ اُٹھاتا رہتا تھا۔ اُس کے بعد شاہ موصوف نے مرض خلاق میں مبتلا ہوکر اپنی عزیز جان قضا و قدر کے حوالہ کردی۔ میں نے اکثر سنا ہے کہ وہ ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کر یہ دو شعر پڑھتے اور دیر تک سر بگریباں رہتے تھے۔ بیت:

سعدی: سخت است پس از جاہ تحکم بردن
خوکردہ بناز، جور مردم بردن

صائب: زندگی در گردن افتادست صائب چوں کنم
شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن

اس واقعے کے بعد شاہزادہ محمد جام بخش موصوف نے بھی اپنی ودیعت حیات، قضا و قدر کے موکلوں کو سونپ دی۔ اور دنیا سے چل بسے۔

---

* ترجمہ: (آہ کہ) میں نے دور وصل کو کھو دیا۔ سچ ہے کہ آدمی مصیبتوں سے پہلے لذت عیش کی قدر سے نا آشنا ہوتا ہے۔

اب رهے شاه جہاں ثانی، وه بهی اسی طریقے پر نو مهینے تک سلطنت کرنے کے بعد معزول هوے، مگر جان اور آنکھوں کی سلامتی کے ساتھ مذکوره نو محلے میں قید تھے- سات سال تک هم اور وه ایک جگه رهے- کوئی دیوار بهی درمیان میں حائل نه تهی- ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے کودتے تھے- اُس زمانے میں میرا سن دس سال کا تھا اور وه شاید بیس سال کے هونگے- اپنے قیام لکھنؤ کے زمانے میں میں نے سنا که اُنهوں نے بھی قید سلاطینی میں وفات پائی- اِن سب بزرگوں پر خدا کی رحمت هو-

---

محمد شاه فردوس آرامگاه کی سلطنت کے آخری دنوں میں کابل اور هرات کے بادشاه یعنے احمد شاه درانی ابدالی افغان نے شاه جہاں آباد دلی اور هندوستان کے دوسرے شہروں کی تسخیر کے ارادے سے لشکرکشی کی- جس وقت وه بلدۂ لاهور کے قریب پہنچے- دهلی کے بادشاه محمد شاه کئی بیماریوں میں گرفتار اور قریب مرگ تھے- اُنهوں نے اپنے بیٹے کو اپنا ولی عهد بنایا- اُس کا نام بهی مرزا احمد تها، اور سترہ سال کی عمر تهی- اُسے اپنے وزیر اعتمادالدوله قمرالدین حسین خاں بهادر کے همراه جنگ کے ارادے سے روانه فرمایا- لاهور میں دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ هوئی- وزیر موصوف ظهر کے وقت، تهخانے میں، جانماز پر، عین حالت نماز میں ایک توپ کے گولے کی مار سے شهید هوے- مرتے وقت انهوں نے اپنے بڑے بیٹے معین الملک رستم هند کو جس کا لقب میر منو تها، اور جو اُن کے همراه هی تها، حضرت مرشدزاده ولی عهد سے وزارت کا خلعت دلوایا- اور ابدالی بادشاه سے جنگ کرنے کی بهت کچھ ترغیب و تحریص دی- اپنے چهوٹے بیٹے کو ننگ و ناموس اور نام کی حفاظت کے لئے بهت کچھ نصیحتیں فرمائیں- اور رسوم تعزیت کے بارے میں سخت ممانعت کرکے اپنی جان عزیز خدا کو سونپ دی، جو سب کا خالق هے- چند هی روز بعد غیبی تائید اور شاهزادۂ میرزا احمد کی بهادری و دلیری، معین الملک رستم هند کی هیبت و شجاعت اور اُس قادر بےمثال کی مهربانیوں کی برکت سے، نصرت و اقبال کی هوا کے جهونکوں نے فتح هندوستان کا رخ شاهزادے کی جانب پهیردیا- کابل و هرات کا بادشاه احمد شاه ابدالی، خود میرزا احمد شاهزادۂ هندوستان کے هاتھ سے مجروح هوا- اس کے کاندهے پر

تیر کا زخم لگا۔ زخم کھاکر وہ بھاگا اور شکست پاکر اپنے اصلی وطن کی طرف چلدیا۔ معین الملک نے دریاے اٹک تک تعاقب کرکے چھوڑ دیا۔ فتح کے چند روز بعد نواب ملکہ زمانی نے جو بادشاہ فرخ سیر شہید مرحوم کی بیٹی اور جناب بادشاہ کی بڑی محل تھیں۔ شاہزادۂ موصوف کو ایک خفیہ خط بھیجا اور اطلاع دی کہ فلاں دن اور فلاں وقت بادشاہ دارا سپاہ نے اِس دارالفنا سے کوچ فرمایا، اور دارالبقا میں اپنا خیمہ لگایا۔ جہاں تک ہم سے ممکن ھے تمہارے آنے تک اِس ناخوش‌گوار واقعے کی خبر چھپاے رکھینگے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو اِس وقت جو اُمراء یہاں موجود ہیں، وہ کسی دوسرے شاہزادے کو تو سلطنے کی قید سے نکال کر بادشاہ بنالیں۔ تمہیں چاھئے کہ کھانا وہاں کھاؤ تو جلد یہاں پہنچکر ھاتھہ دھوو۔ اِس ہولناک واقعے کی اطلاع پاتے ھی شاہزادۂ موصوف نے فوراً دریاے اٹک تک پورا بندوبست کیا، پھر اپنے وزیر اور لشکر جرار کو لیکر یلغار کرتے ہوے صرف پانچ روز میں شاہ جہاں آباد دلی پہنچ گئے۔ اور دلی دروازے کے راستے سے قلعۂ مبارک میں داخل ہوے۔ اُسی وقت تخت سلطنت کو اپنے جلوس سے مزین و سرفراز فرمایا۔ اپنے بادشاہ ہونے کی نوبت بجوادی، اور اپنی ذات مبارک کا لقب احمد شاہ رکھا۔ پھر جناب بادشاہ مرحوم کا جنازہ خضری دروازے کے راستے سے روانہ کیا اور حضرت سلطان العارفین، محبوب رب العالمین زرزری زربخش سلطان نظام الدین رح کی درگاہ میں دفن کیا گیا۔ اب بادشاہ دھلی یعنی احمد شاہ نے عیش و عشرت کے سارے دروازے اپنے اوپر کھول دیے۔ اپنی والدہ کو 'صاحب جیو، نواب صاحبۂ 'زمانی، اور 'نواب قدسیہ، کے خطاب سے اور اپنے ماموں مان خاں کو معتقد الدولہ بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا۔ رات دن کھیل کود میں گرفتار اور زمانے کی نیرنگی سے بالکل غافل رھنے لگے۔ پانچ سال کے بعد وزیرالممالک نواب معین الملک رستم ھند نے ھیضے کے عارضے میں اِنتقال کیا۔ کچھہ دنوں معین الملک کے بھائی خان خانان وزیر رھے۔ اُن کے بعد جناب بادشاہ کی سلطنت کے آخری دنوں میں وزارت کا قلمدان عمادالملک غازی‌الدین خاں کو عطا فرمایا۔ چند روز بعد پھر مختلف اسباب کی بنا پر جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔ تقدیر الٰہی کی بدولت اسی وزیر کے ھاتھوں اس بے تدبیر باشاہ کو، اپنی اور اپنی والدہ دونوں کی آنکھوں سے محروم اور سلطنت سے معزول ہوکر مذکورہ

نو محلے میں مقید اور گوشہ نشیں ہونا پڑا۔ تاہم بادشاہ کی ایک آنکھ میں کسی قدر بینائی باقی تھی، تھوڑا بہت لکھ پڑھ لیتے تھے۔ اِن کی سلطنت کل چھ سال سات ماہ رہی۔ اِس کے بعد سلطنت کا کام حضرت عرش منزل کو ملا۔ اِن کی سلطنت کے اوائل ہی میں احمد شاہ بادشاہ ابدالی پھر اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے لشکر لیکر دہلی پر چڑھ آیا اور اُسے مسخر کرلیا۔ صلح کے بعد احمد شاہ والی کابل نے حضرت فردوس آرام گاہ کی بیٹی سے شادی کا پیام دیا، جن کا نام حضرت بیگم تھا، اور جو نواب صاحبۂ محل کے بطن سے پیدا ہوی تھیں، اور احمد شاہ بادشاہ معزول کی سوتیلی بہن تھیں۔ پیام کو منظور کرنا پڑا۔ پوری آراستگی، زینت و آرایش، بیش بہا جہیز و سامان، مرصع گھوڑوں اور ہاتھیوں کے ساتھ کہ اس بوڑھے افغانی کی آنکھوں نے کبھی ایسا بھاری بھاری مال و دولت اور ساز و سامان نہ دیکھا ہوگا۔ بخیر و خوبی شادی انجام کو پہنچی۔ چند ہفتے بعد داماد اپنی دلہن اور ساس کو ہمراہ لیکر اپنے پایہ تخت کو واپس ہوا۔ کم و بیش اٹھارہ سال تک ماں بیٹی دونوں کابل میں رہیں۔ پھر حضرت بیگم نے کسی مرض میں مبتلا ہوکر وفات پائی۔ مرحومہ کی والدہ صاحبہ محل اُن کے جنازے کو لیکر دہلی پہنچیں، اور حضرت فردوس آرام گاہ کی قبر کے پاس دفن کرایا۔ ایک سال بعد احمد شاہ معزول شاہ دہلی نے بھی مرض خناق میں انتقال کیا۔ اُسی سال بادشاہ موصوف کی والدہ قولنج ایلاؤس کی بیماری میں مبتلا ہوکر مریں۔ بارہ سال کے بعد احمد شاہ ابدالی شاہ کابل نے بھی وہاں مرض خناق میں انتقال کیا اور اپنی جان عزیز قضا و قدر کے خازنوں کے حوالہ کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی دختر کی تجہیز اور تکفین سے فارغ ہونے کے بعد نواب صاحبۂ محل کو حضرت شاہ عالم بادشاہ نے اپنے محل خاص میں یاد فرمایا۔ اور حضرت بیگم کی بیماری و موت کے حالات، راستے کی دور و دراز مسافت طے کرنے میں جو جو تکلیفیں پیش آئیں، نیز جو کچھ غم و اندوہ اُن پر گزرا اُسکے واقعات کیفیت فرمائے۔ اتفاق سے اِس مجلس میں راقم کی والدہ بھی موجود تھیں۔ نواب صاحبہ محل، بادشاہ کے حضور میں پہنچتے ہی بے اختیار رو رو کر حقیقت حال بیان کرنے لگیں۔ یہ منظر کچھ ایسا اندوہناک اور دل خراش تھا کہ بادشاہ سلامت اور سارے حاضرین ناچ گانا بھول گئے۔

اور اس مصیبت زدہ بیگم کے شریک حال ہوکر زار زار رونے لگے۔ نواب صاحبہ محل نے سب سے زیادہ عجیب بات یہ بیان کی کہ "میں راستے بھر رات دن، اپنی بیٹی کے جنازے کے صندوق کے پہلو سے پہلو لگائے رہتی تھی، اسی صندوق کو بغل میں لئے بیٹھتی اور سوتی تھی۔ کسی وقت رونے پیٹنے اور ہائے ہائے سے مجھے ذرا بھی قرار نہ تھا۔ ایک رات حسب عادت گریہ و زاری میں مصروف تھی کہ صندوق سے ایک آواز سنائی دی کہ میری بیٹی بڑی دلدہی کے ساتھ مجھ سے کہہ رہی ہے: اماں جان! رونا پیٹنا بیکار ہے، آخر کب تک روتی رہوگی، اب صبر کے ساتھ جینا چاہئے"۔ اس کے بعد آواز بند ہوگئی، میرے رونے دھونے میں ذرا کمی ہوی اور ایک حد تک صبر سے سارا راستہ کٹا۔

جس وقت غلام قادر کا ہنگامہ برپا ہوا تو نواب ملکہ زمانی اور نواب صاحبہ محل کے محلات لوٹ مار میں تباہ ہوے۔ اس لئے کہ وہ قلعۂ مبارک کے باہر موری دروازے کی طرف واقع تھے۔ اسی سال نواب ملکۂ زمانی نے انتقال فرمایا، اور اپنی مستعار زندگی سے کنارہ کیا۔ لیکن صاحبہ محل اپنی بیٹی کی وفات کے بعد تیس سال تک اپنے انفاس حیات گنتی اور چار و ناچار قاصد موت کا انتظار کرتی رہیں۔ اب قیام کرناٹک کے زمانے میں حکیم سید غلام علی خاں دھلوی سے میری ملاقات ہوی۔ یہ بہت دنوں سے یہاں وارد ہیں، اِن کے والد حکیم اکمل خاں، جناب نواب مبارک محل صاحبہ کے خان ساماں تھے۔ اثنائے ملاقات میں ان کی زبانی سنا کہ نواب صاحبہ محل نے اِس زمانے میں موت کا صدمہ دیکھا، اور گوشۂ قبر میں جا سوئیں۔ سچ ہے: "کل نفس ذائقة الموت"۔*

فائدہ: اِن عورتوں کا حسن و جمال میں کیا بیان کروں کہ اِس موقع کے لئے کچھ زیادہ مناسب نہیں۔ ان کے علاوہ قلعۂ مبارک کے زمانۂ قیام میں تین ایسے مزہ میرے دیکھنے میں آئے کہ اپنے عالم شباب میں، حسن سیرت اور صورت میں اپنے تھے کہ آج تک ان کی کوئی اور نظیر دیکھنے میں نہیں آئی۔

ایک: ناظر بختاور خاں، جس کا خطاب بہروز خاں تھا، اس کو دیکھتے ہی دیکھنے والے کی آنکھوں پر حیرت و خیرگی چھاجاتی تھی۔ اور خیال ہوتا کہ یہ انسان ہے یا کوئی حور۔ چہرہ گویا قرص آفتاب تھا، قد میانہ،

---

* ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔

سر ونوخاستہ کے مانند، چہرے پر وہ آب و تاب کہ عورتوں اور مردوں کا ایک عالم اُس پر فدا ہوتا اور دیکھنے کا دیکھتا رہ جاتا تھا۔

ناظر مذکور پہلے محلی اور ناظر بہروز خاں مرحوم کی اولاد میں تھا۔ حضرت قدر قدرت کے رایات عالیہ کی غیر موجودگی کے زمانے میں قلعۂ مبارک کی نظارت کل کی خدمت، اور محل معلے نیز دیگر سلاطین اور بیگمات کے محلوں کی کنجیاں اسی کے دست اختیار میں تھیں۔ نظارت کے سارے خواجہ سرا، محلی، پیادے اور مہرد ھے، جو مختلف ڈیوڑھیوں پر متعین تھے، وہ سب اِس کے تابع اور زیر حکم تھے۔ اُسی کے حکم سے کنجیاں لاکر صبح سویرے ساری ڈیوڑھیوں کے قفل کھولا کرتے تھے۔ اور معمولی جواب و سوال کے بعد راتب کا اسباب، پانی کی پکھالیں، گوشت، پھل پھلاریاں، ضرورت کی دوسری چیزیں اور لازمی حوائج، شادی اور مہمانی کے ضروری اشیاء وغیرہ پہنچاتے رہتے تھے۔ بعض ڈیوڑھیوں کو دن کے تین پاس گزرنے پر، اور بعض کو چار گھڑی دن رھے تک، بعض شاھی محلات کی ڈیوڑھیوں کو شام کے وقت اور بعض کو رات کے کم و بیش ایک پاس گزرنے پر معمور* کرکے، قفل دے کر، کنجیاں نواب ناظر کے حضور میں سونپ دیتے تھے۔ اور وہ کنجیوں کے خریطے (تھیلے) کو اپنے سرھانے یعنی اپنی خواب گاہ کے تکیے کے نیچے احتیاط سے رکھ لیتا تھا۔ جب حضرت قدر قدرت الٰہ آباد سے قلعۂ مبارک میں تشریف لائے تو کسی وجہ سے ناظر بختاور خاں معرض عتاب میں آیا اور قید کردیا گیا، اسی حالت قید میں اُس نے ذیابیطس کے مرض میں وفات پائی۔

اب نظارت کی خدمت منظور علی خاں کے حوالے ہوی۔ یہی خدمت الٰہ آباد میں بھی اُس کے ذمے تھی۔ مگر آخر آخر میں اپنی نادانی سے افغان کے دھوکے میں آگیا، اور بالکل بےقصور اِس سلطنت کی بربادی کی تہمت اپنی گردن پر لی۔ خود تباہ و برباد ہوکر مقید ہوا۔ اب تک سانسیں گن گن کر زندگی مستعار کی سخت گھڑیاں کاٹ رہا ھے۔

دوسرا شخص: مرزا حامد علی نامی تھا۔ یہ نواب زبیدہ بانو بیگم عرف قطبی بیگم کا پالکڑا تھا۔ اور یہ بیگم شاھزادہ مقصد کام بخش کی بیٹی تھیں۔

---

* بند کرنا۔ معبور کرنا قلعۂ مبارک کی خاص اصلاح تھی۔

بارہا راقم نے خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا ہے۔ سر سے پاؤں تک گویا قدرت نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ قریب اور دور سے ایک عالم آتا اور اُس کے نظارۂ حسن سے اپنے ہوش و حواس کھودیتا تھا۔ اُس کے دل‌پذیر چہرے کا انداز نہایت درجہ پیارا تھا۔ گردن اور قد کی پستی و بلندی بیحد معتدل اور عدیم‌المثال تھی، گویا "خیرالامور اوسطہا" اسی کی شان میں آیا تھا۔ ہمارے زمانے میں مادر زمانہ نے شاید ہی اور کوئی ایسا حسین پیدا کیا ہو۔ بائیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی، صرف دو ہفتے کا دولہا تھا کہ ظالم چیچک کے عارضے میں مبتلا ہوا اور چودہ روز کے اندر اِس چودھیں رات کے چاند کو اُسکی بیوقت موت نے ہمیشہ کے لئے قبر کے گوشے میں پہنچادیا۔ خدا جانے کس کی نظر کھا گئی۔ ایک عالم اس کے حسن بے‌پناہ کو یاد کرکے خون روتا ہے اور زندگی بھر روئیگا۔

تیسرے صاحب: شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت تھے، جن کا خطاب جہاں شاہ اور قمر تخلص تھا۔ یہ حضرت قدر قدرت کے بیٹے تھے۔ شاہزادی نواب سعیدۃالنساء بیگم عرف منجھو بیگم کے بطن سے پیدا ہوے تھے۔ جو محمد عزت افزا عرف میرزا مدّو کی حقیقی بہن تھیں۔

ایک روز میں نے ایک سیرگاہ میں دیکھا کہ اپنے ملازموں کے انبوہ میں چلے جا رہے ہیں۔ ہر شخص سے اُن کی گردن اور سر بلند نظر آتا تھا۔ کیا سرو سہی کا سا خوش نما قد تھا کہ خدا کی پناہ۔ اِس دراز قدی کے باوجود ایسا خوب صورت قد میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت:

این همه شاعران نادیده - غلطی را بخود پسندیده
یار را سروقدّ می خوانند - سرو چو هست نا تراشیده

ریختہ میں میرے دو شعر ہیں:

جہاں کے خوبرویاں یہاں خجل ہیں - کہ دھلی کے بت چین و چگل ہیں
مرے سرو سہی کو جس نے دیکھا - سہی سروان گلشن پا بہ گل ہیں

اُن کے کتابی چہرے کا انداز، میں کیا بیان کروں کہ یہ دو زبان والا قلم بھی قاصر زباں ہے۔ میرا ایک شعر ہے:

ترے رخسار انور کے مقابل - شموع شمس و مہ بھی مضمحل ہیں

اسی طرح اُن کی دونوں سیاہ مست، دلربا اور نرگسیں آنکھیں، گویا سرخ لالے کے دو ساغر تھے، جو تازہ و تر گلاب کی پتیوں کے دو صفحوں پر دھرے ہوئے تھے۔ میرا ایک شعر ہے:

نظر میں نرگسیں میرے! تجھہ آگے - یہ سارے نرگس شہلا خجل ہیں

ہر علم و فن، خاصکر خوش نویسی اور آداب و تمکنت میں سارے تیموری خاندان میں ملتخب تھے۔ آہ کہ پچیس سال کی عمر میں بعارضۂ سرسام دنیا سے چل بسے۔ خدا اُن کی بخشش فرمائے۔ کسی شاعر کا قول ہے:

خوش است عمر و دریغا کہ جاودانی نیست
پس اعتماد بریں پنج روز فانی نیست
کدام باد بہاری وزید در آفاق
کہ صرصر اجلش در پئے خزانی نیست

میرا ایک فارسی شعر ہے۔ بیت:

اے فلک باگُل زہے مہماں نوازی ساختی
شد چوا چشمش، برو خاک خزاں انپاختی

اور ایک اردو شعر ہے:

گر جاں عزیز ہے نہ اِدھر آؤ عزیزو!
یاں سے تو نکلتے ہیں یہ لاشے ہی مچامچ

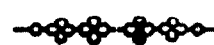
شاہزادۂ موصوف کے صرف دو تین شعر یاد رہ گئے ہیں۔ بطور یادگار حوالۂ قلم ہیں:

مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ متخلص بہ قمرؔ مرحوم کا کلام

کچھہ تجکو لکھیں تو کس نمط ہم
پیچیدہ ہیں غم میں مثل خط ہم

کوئی پلّے پر نہ آیا مجرموں کے غیر صبر
مفت میزان ستم میں ہم گئے قاتل کے تُل

اے قمرؔ دل گیر مت ہو، کھول دینگے آن میں
حضرت مشکل کشا عقدے تری مشکل کے کل



خاتمۂ کتاب

(تصنیفات کا بیان)

۱- اپنے قیام لکھنؤ کے زمانے میں، میں نے کامل ایک سال کے اندر ایک ترکی چغتائی لغت کی کتاب تالیف کی، جس میں قدیم مؤلفین کی طرز کے خلاف تفصیل کے ساتھہ بہت آسان طریقے پر نئے نئے فوائد لکھے ھیں۔

۲- ایک مہینے میں نسخۂ محبوب القلوب کا مقفٰی نثر میں فارسی زبان میں ترجمہ اور کچھہ اُس پر اضافہ کیا ھے۔ اصل کتاب میر نظام الدین علی شیر متخلص بہ نوائی کی تصنیف اور ترکی زبان میں ھے۔

۳- ایک ھفتے میں "نصاب ترکی" صنعت مقلوبات میں مرتب کی، جس میں دو سو بیس شعر ھیں۔

۴- تین روز میں امیر خسرو کی خالق باری کے جواب میں، اُسی وزن پر ایک مختصر رسالہ ترکی اور ھندی زبان میں مرتب کیا۔ اس میں ساڑھے چھے سو شعر ھیں، اور اس کا نام میں نے "تنکری تاری" رکھا ھے۔

۵- حکیم حسین رضا خاں کی استدعا پر جو ھماری سرکار کے ملازم ھیں، چند ھفتوں کے اندر بقراط کے "رسالۂ قبریہ" کا فارسی میں ترجمہ کیا، پھر اُسے نظم کا لباس پہنایا۔ یہ رسالہ عربی زبان میں، مریضوں کی ردی علامتوں کے بیان میں ھے۔

۶- اس کے بعد "نسخۂ سانحات" کی تالیف میں مشغول ھوا، جس میں میری اکثر نصیحتیں اور تنبیہیں مذکور ھیں۔ اب تک اِس میں ایک سو نو سانحے درج ھوچکے ھیں۔

۷- جس وقت میں عظیم آباد پہنچا تو راے ٹھکارام کی خواھش پر سات دن کے اندر ایک اور کتاب "نصاب ترکی چغتائی" تصنیف کی۔ جس میں چار سو باون اشعار ھیں۔ راے ٹھکارام ھمارا موروثی خانہ زاد، ھماری سرکار کا بخشی اور راجہ دیارام کشمیری کا علاتی بھائی تھا۔

۸- جب میں مقصود آباد میں وارد ھوا تو عقیدت نہاد، راسخ الاعتقاد مرزا جان طپش کی خواھش پر اپنے واقعات کی تالیف شروع کی۔ کیونکہ اِس باب میں اُن کا نہایت درجہ اصرار تھا۔

فائدہ: راے ٹیکارام بہادر کا تخلص ظفرؔ اور اس کے بھائی راجہ دیارام کا تخلص نوشاؔ ہے۔ یہ بادشاہ جم‌جاہ کا دیوان تھا، دونوں ایک کشمیری موبد (پنڈت) کے بیٹے تھے۔ راجہ دیارام، شاہ نظام‌الدین عرف شاہ کوڑی کی وکالت کے زمانے میں کسی الزام میں ماخوذ ہوا اور اُسے ہاتھی کے پیروں میں ڈال کر مروا ڈالا گیا۔ ہمارا خاص موروثی خانہ‌زاد تھا۔

جس وقت میں لکھنؤ سے روانہ ہوا، ٹیکارام نواب مدارالدولہ بہادر کا ملازم تھا۔ اُن سے میں نے ٹیکارام کو لیکر اپنی سرکار میں بخشی‌گری کی خدمت پر سرفراز کیا۔ مگر جب میں کرناٹک پہنچا تو اِس نے دھوکا دیا۔ میری رفاقت چھوڑ دی، کرنول جاکر وہاں کے نواب کا ملازم ہوگیا، اور بہت خوش و خرم رہا۔ حال میں میں نے سنا کہ وہ مسلمان ہوکر وہیں کے کسی پیرزادے کا مرید ہوگیا تھا، پھر کسی سوداوی بیماری میں مبتلا ہوکر انتقال کیا۔ خدا اُس کی مغفرت کرے۔ فکر شعر خوب کرتا تھا، اور مکتوبات میں منشیانہ عبارت لکھتا تھا۔ اس کے قصائد کا مجموعہ اور دیوان دونوں مرتب تھے۔ مگر عروض میں معذور تھا، اشعار میں اکثر حرف عین تقطیع سے گرجاتا تھا۔ اُس کے اور اس کے باپ بھائی کے چند اشعار یادگار کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔

اس کے باپ کا تخلص مؤبدؔ تھا۔ ہماری جدۂ عالیہ نواب عفت آرا بیگم صاحبہ کی سرکار میں دیوانی کی خدمت پر سرفراز تھا، اور فکر شعر میں بہت بلند پایہ رکھتا تھا۔

راے ٹیکارام کشمیری متخلص بہ ظفر کا کلام

مرا ز دیدۂ و دل پاے در گل افتاد است
ز دست دیدہ گہے، گاہ از دل افتاد است

بکوے یار مرا طرفہ مشکل افتاد است
بہر کجا کہ قدم می نہم دل افتاد است

بیک نگاہ تواں کرد چارۂ کارم
کہ دل ز نیم نگاہ تو بسمل افتاد است

رباعی: حیران تماشائے ظہور خویشم
چوں مہر حجاب خود ز نور خویشم
ہرگز بغم و الم نباشد سروکار
من والۂ جلوۂ سرور خویشم

گر خشک لبے، چشم ترے داشتہ باشد
پس نخل محبت ثمرے داشتہ باشد
زاھد ز خری بار بخر بست و سبک شد
پیدا است کہ دربار چہ خرداشتہ باشد

راجہ دیارام "لوشا،" کا کلام

رباعی: عاصی چہ شود واقف اسرار نہاں
سازاشک ندامت از دیدہ رواں
زاھد بغرور زھد نازد بیجا است
بہتر زیں طاعت، انفعال عصیاں

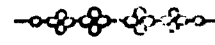
مؤبد کا کلام

در حریم کعبۂ و بت‌خانہ تابان است شمع
فارغ از وھم دو رنگ کفر و ایمان است شمع
بزم دل مؤبد ز انوار تجلی روشن است
من نمی‌دانم کہ ھندو یا مسلمان است شمع

یہ کلام بھی اسی کا ھے:

صاحب تدبیر تاقابوے وقت - باش پیش دشمن جانی خموش
آتش از تدبیر حکمت مؤبدا - آب را در دیگ می آرد بجوش

از اهل کمال مردم کشمیر اند - ایں قوم نجیب مؤبدا بے پیر اند
جز عقل به اهل عقل پیرے نبود - در خطۂ عقل ایں جواناں پیراند



پھر هم اپنے مقصد کی طرف رجوع هوتے هیں

اس دیار کے بعض چھوٹے بڑے احباب اور عزیزوں نے جو اردو زبان کو محبوب رکھتے هیں، مگر اس کی بول چال میں غلطیاں کرتے هیں- مجھه سے بہت اصرار کیا که ایک ایسا دیوان مرتب کیا جاے جس میں اس زبان کے استعارے، کنایے، اصطلاحیں اور بیگماتی الفاظ کا کافی ذخیرہ هو- اس لئے میں نے اِس دیوان کی ترتیب شروع کردی هے- نمونے کی طور پر چند غزلیں اِس نئے دیوان سے اس مختصر کتاب میں لکھتا هوں- مگر یه مضامین میرے قدیم دیوان کے برخلاف هیں-

۱۰- مذکورہ تالیفات کے سوا ایک دیوان اور بھی تھا، جس میں میری فارسی، ترکی اور ریختة (اردو) کی غزلیں تھیں- یه میں نے قلعۂ مبارک کی قید کے زمانے میں مرتب اور جمع کیا تھا-

۱۱- اور یهیں ایک رساله فن شعر کے اصول میں تالیف کیا تھا، جس کا نام عروض‌زادہ هے-

۱۲- ایک رساله طب میں فوائدالاطفال نامی هے-

۱۳- ایک رساله آمد نامے کی طرز پر "فوائدالمبتدی" نامی هے، ان کے علاوہ اردو زبان میں اور چند رسالے زیر تالیف اور هنوز ناتمام هیں-*

---

* اس کے بعد مرزا اظفری نے "راقم کے جدید دیوان کا انتخاب" کا عنوان قائم کرکے دیوان کا انتخاب دیا هے، جو ساٹھه صفحات میں هے- اور جس میں تقریباً ۱۱۲ غزلیں هیں- اس کو هم نے الگ مقدمے کے ساتھه مرتب کیا هے- اور اس کے تمام حل طلب الفاظ اور محاورات پر حواشی لکھے هیں، یونیورسٹی کی طرف سے الگ شائع هونے والا هے-

† سنه ایک هزار دو سو اکیس هجری تک هم نے اپنے حالات اور واقعات مجمل طور پر حوالۂ قلم کر دیے هیں۔ مگر آجکل کچهه ایسی باطنی پراگندگی اور ظاهری پریشانی، ایسی افسردہ دلی اور ملال خاطر سے سابقه هے که تصنیف و تالیف کے تمام خیالات طاق نسیاں پر رکهه دینا پڑے هیں۔ اگر غیبی تائید نے هاتهه تهاما، آرزوں اور امیدوں کے محبوب نے اپنا چهرۂ زیبا دکهایا، اور مستعار زندگی نے کچهه دنوں اور وفا کی تو ان اجمالی واقعات کو مزید باقی حالات کے ساتهه ذرا پهیلاکر لکهونگا۔

"تمّ هذا الکتاب بعون الملک الوهاب"۔

قاریا برمن مکن قهر و عتاب - گر خطاے رفته باشد در کتاب



† اختتام کلام کے بعد کا آخری ورق نسخۂ اول سے غائب هے۔ دوسرے نسخے میں اس عبارت پر کتاب ختم هوتی هے۔

ضمیمہ

ذیل میں اظفری اور اُن کے بعض اعزہ کے متعلق اور چند واقعات لکھے جاتے ہیں‘
جو ’’سوانحات ممتاز‘‘ کے مصنف نے نواب عظیم الدولہ کے زمانۂ ریاست
کے سلسلۂ حالات میں لکھے ہیں۔ یہ واقعات اظفری کی تصنیف کے
بعد کے ہیں۔ ان کے علاوہ اور حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ (معنوی)

چند روز کے بعد سنہ ۹؟ ۱۲ھ میں، نواب عظیم الدولہ بہادر کے زمانے (سنہ ۱۲۱۶ھ تا سنہ ۱۲۳۴ھ) میں میرزا علی بخت اظفری نے اپنے حقیقی چھوٹے بھائی مرزا جلال الدین بہادر سے ملنے کے لئے لکھنؤ جانے کا عزم کیا۔ اور نواب عظیم الدولہ کے توسل سے گورنر مدراس سے دو سال کی رخصت حاصل کی۔ اپنے قبائل کو مدراس ہی میں چھوڑ کر سمندر کی راہ سے کلکتے پہنچے۔ وہاں یہ خبر پائی کہ میرزا جلال الدین بہادر اپنے چھوٹے بیٹے میرزا ایزد بخش کے ساتھہ مرشدآباد پہنچ چکے ہیں۔ میرزا علی بخت بہادر گورنر کلکتہ سے رخصت و اجازت لیکر مرشدآباد آئے اور اپنے بھائی سے ملے۔ مگر چند روز بعد ہی میرزا جلال الدین نے آبلۂ سرطان کے مہلک مرض میں مبتلا ہوکر وہیں بقضاے الٰہی رحلت کی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میرزا علی بخت بہادر نے اپنے بھتیجے میرزا ایزد بخش کو پدرانہ شفقت اور توجہ کے ساتھہ اپنے پاس رکھا۔ فاتحۂ چہلم تک مرشدآباد میں رہے۔ فاتحے کے بعد بھتیجے کو لیکر جہاز پر سوار ہوے اور مع الخیر مدراس واپس پہنچے۔

دوسرے دن بندگان عالی نواب عظیم الدولہ بہادر امیرالہند والاجاہ ثالث کے حضور میں اپنی اور اپنے بھتیجے کی ملاقات کے لئے التماس کی۔ بندگان عالی نے حکم فرمایا کہ ’’میں خود مشتاق ملاقات ہوں‘‘۔ پھر ایک روز علاءالدولہ حافظ احمد خاں بہادر کو اُن کی خدمت میں بھیجکر طلب فرمایا۔ ملاقات سے بیحد مسرور ہوے، اور اپنی عنایت بےنہایت سے چار سو روپیہ ماہوار کمپنی (حکومت انگریزی) سے بطریق مدد خرچ میرزا ایزد بخش بہادر کے نام جاری کرادیا، اور ہمیشہ اُن کے حال پر اشفاق و عنایات مبذول رکھتے تھے۔ اِسی طرح تقدس مآب حضرت نواب بیگم صاحبہ قبلہ میرزا همایوں بخت بہادر اور میرزا علی بخت بہادر کی بیگمات کو اپنے متصل

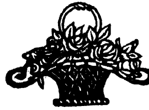
خاص میں نہایت تکریم کے ساتھ طلب فرماکر اپنی ملاقات سے ممنون فرماتی تھیں۔ اور ہر ایک کے ساتھ بےحد سلوک و مراعات ملحوظ رکھتی تھیں۔

سنہ ۹ ۱۲ھ میں نواب اعظم جاہ بہادر فخرالامراء (سنہ ۱۲۳۴ تا سنہ ۱۲۴۱ھ) کے زمانۂ ریاست میں میرزا ایزد بخش نے انتقال کیا۔ اِس وقت اُن کے بڑے بھائی میرزا الٰہی بخش بہادر شاہزادۂ عالی مرتبت، والا منزلت لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے، جو خلق و مروت میں ممتاز زمانہ اور اخلاق و محبت میں فخر روزگار تھے۔ وہ اپنے مرحوم بھائی کی خبر موت سن کر مدراس پہنچے۔ نواب اعظم جاہ کی ملاقات سے سرفراز و کامیاب ہوے۔ نواب صاحب معزالیہ نے گورنر کونسل میں سعی بلیغ فرماکر، اُن کے بھائی کی معاش، اُن کے نام مقرر کرادی۔ شاہزادۂ معلٰے جمیع وجوہ سے بیفکر اور بہت ممنون و شکرگزار ہوے۔

چند سال کے بعد نواب صاحب والا مناقب عالی مرتبت حضرت اعظم جاہ بہادر کے زمان فیض توامان (سنہ ۱۲۴۱ تا سنہ ۱۲۵۸ھ)۔میں شاہزادۂ الٰہی بخش موصوف اپنی والدہ ماجدہ کی قدم بوسی کے لئے عازم لکھنؤ ہوے۔ نواب صاحب ممدوح کے ذریعے اور سفارش سے گورنر مدراس سے پانچ سال کی رخصت و اجازت حاصل کرکے جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہوے۔ اور اپنی والدہ محترمہ کی قدم بوسی کی ابدی سعادت و شرف حاصل کرکے دوستوں اور عزیزوں کی ملاقات سے مسرور ہوے۔ پھر نواب اعظم جاہ کی محبت دلی کی کشش اور شفقت قلبی کی بدولت اپنی قرارداد کے موافق سنہ ۹ ۱۲ھ میں داخل مدراس ہوے۔ میلاپور کے مکان میں اُتر کر حضور میں اطلاع کرائی۔ دوسرے دن نواب اعظم جاہ نے نواب شرف الملک بہادر بخشی سرکار کو اُن کی فرودگاہ پر روانہ کرکے شادی محل میں طلب کیا۔ عزت و تکریم اور توجہات قدیم کے ساتھ ملاقات فرمائی۔ دوسرے دن خود بھی از راہ عنایت بازدید کے لئے تشریف لے گئے اور شاہزادۂ موصوف کو بہت زیادہ ممنون منت کیا۔ تھوڑے عرصے میں مقررہ سابقہ معاش جاری کراکر ساری بقایا تنخواہ بھی دلوادی۔ چند روز بعد نواب صاحب نے ایک شاندار حویلی جو سرکاری ملک اور دریا کے کنارے بڑے باغ کے متصل واقع تھی، آراستہ کرائی اور میرزا الٰہی بخش بہادر کو

اُس حویلی میں ٹھہرایا۔ بہادر موصوف بہ آرام تمام وہیں سکونت رکھتے ہیں۔ الحمد للہ۔

ایک عالم اس شاہزادۂ عالی قدر کے حسن اخلاق کی توصیف میں رطب اللسان ہے۔ کیونکہ درحقیقت اُن کی ذات مجسم خلق و مروت ہے۔ خاصکر اس شاہزادۂ بلند وقار کی عنایتیں اور برادرانہ شفقتیں اِس ذرۂ بیمقدار کے حال پر ہمیشہ مبذول رہتی ہیں جو تحریر و تقریر سے خارج ہیں۔



مودی پور پرنٹنگ ورکس، سری نرسمہا راجہ روڈ، بنگلور سٹی ۔

FOREWORD



THE memoirs of the Mughal Prince Mirza Zahirud-Din Ali Bakht Azfari, popularly known as Waqiat-I-Azfari, present a vivid picture of life in the eastern and southern regions of India at the end of the eighteenth century.

Azfari fled from Delhi after witnessing there the monstrous atrocities of Ghulam Qadir Rohilla, passed through the native states of Central India, and reached Lucknow during the reign of Nawwab Asafud-Dawla. Thence he journeyed to Murshidabad and Calcutta, proceeding through Assam and Bengal. He went from Calcutta to Madras traversing Northern Circars and Andhra Desa. At Madras he was received by Nawwab Umdatul Umara Bahadur Walajah II, who treated him with great respect. Azfari finally settled down in Madras.

His "Waqiat-I-Azfari" gives a graphic account of the savage enormities of Ghulam Qadir Rohilla, and contains many interesting details concerning the social customs and manners of peoples with whom he came in contact in the course of his journey, and also an account of contemporary court life in Madras.

The Urdu translation of the Persian M. S. was originally done by a research student of the Department; the Junior Lecturer in Urdu has revised it and the volume now published by the University is in the revised form.

LONDON,
17th April, 1937.

S. MUHAMMAD HUSSAIN NAINAR.



BULLETIN OF THE DEPARTMENT OF ARABIC, PERSIAN AND URDU, No. 1

WAQIAT-I-AZFARI



MUHAMMAD HUSAIN MAHVI SIDDIQI

PRICE Rs. 2/8